بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا الآیۃ

کتاب مستطاب

اصلاح الرسوم الظاہرہ

بکلام

العترۃ الطاہرہ

تصنیف وتالیف

صدر المحققین حضرت آیۃ اللہ علامہ الشیخ محمد حسین النجفی مجتہد العصر والزمان دام ظلہ العالی

ناشر

مکتبۃ السبطین 296/9 بی سیٹلائیٹ ٹاؤن سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا

کتاب مستطاب

اصلاح الرسوم الظاہرۃ بکلام العترۃ الطاہرۃ

المعروف بہ

اصلی اسلام اور رسمی اسلام

انتساب

جب بفضلہ تعالٰی کتاب مستطاب "اصلاح الرسوم الظاہرہ بکلام العترۃ الطاہرہ" مکمل ہوگئی تو عام مصنفین و مولفین کی طرح مجھے بھی یہ خیال دامنگیر ہوا کہ کسی بزرگ شخصیت کے نام کے ساتھ معنون کیا جائے۔ یہ خیال پیدا ہوتے ہی کئی زندہ و مرحوم شخصیتوں کے نام صفحہ ذہن میں ابھرے مگر چند لمحوں کے غور کے بعد دل ودماغ نے انھیں قبول کرنے سے باء و انکار کردیا۔ اسی اتھل پتھل میں جب مخلص باصفا، دوست باوفا، عالم باعمل اور واعظ متعظ حضرت مولانا حافظ سیف اللہ جعفری مرحوم کے نام نامی و اسم گرامی نے دل ودماغ کے دروازہ پر دستک دی تو انہوں نے اس کے لیے اپنا دروازہ وا کردیا۔ اور خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا۔ یہی وہ بزرگ تھے جنہوں نے خداداد جذبہ تحقیق سے اپنے آبائی مذہب کو خیرباد کہکر اہلبیت نبوت کی کشتی نجات پر سواری اختیار کی اور اس سلسلہ میں کئی قسم کے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا مگر ان کے پائے استقلال میں زرہ بھر لغزش واقع نہ ہوئی۔ اپنی چھپن سالہ زندگی کی اٹھائیس بہاریں ادھر گزاریں اور اٹھائیس بہاریں ادھر۔ کشتی آل عبا پر سوار ہونے کے بعد

کے بعد انہوں نے پہلے علماء اعلام سے اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کی اور پھر قوم کے عقائد و اعمال کی اصلاح کرنے اور اس میں رائج غلط رسم و رواج کا قلع قمع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اور قوم کو قرآن ' صحیفہ کاملہ اور نہج البلاغہ سے متعارف کرایا اور بالاخر چھپن (۵۶) برس کی مختصر مگر بھرپور زندگی گزار کر اور خود فائز المرامی اور بقاء جاودانی کی سند لیکر لیکن قوم واحباب کو سوگوار و اشکبار چھوڑ کر ۱۴ اگست ۱۹۸۰ء کو راہئ ملک بقا ہو گئے۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون**۔ اگر مرحوم زندہ ہوتے تو جس طرح انہوں نے اصول الشریعہ ' وغیرہ جیسی اصلاحی کتب پر ہدیہ تبریک پیش کیا تھا۔ تو آج "اصلاح الرسوم" کی اشاعت پر اس سے زیادہ خوش و خرم ہوتے۔ جب آج میں اس کتاب کو ان کے نام نامی سے معنون و منسوب کر رہا ہوں۔ تو اس سے جنت الفردوس میں انکی روح ضرور خوش و خرم ہوگی۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

خلوص کار

الاحقر محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہٖ سرگودھا

فہرست

گفتار اولین

کتاب مستطاب

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

ض

آٹھواں باب

.........☆.........

باسمہٖ سبحانہٗ

گفتارِ اوّلین

مختلف قوموں میں رسوم وعادات کے رائج ہونے کے چہار گانہ علل و اسباب

اگر اقوامِ عالم کی رسوم وعادات کا بہ نظرِ غائر جائزہ لیا جائے اور ان کے وجود میں آنے اور پھر ترقی کرنے کے علل و اسباب کا استقرار اور ان کی جستجو کی جائے تو یہ بات واضح و آشکار ہوتی ہے کہ وہ چار ... اسباب کی پیداوار ہیں۔

(۱) اس ملک کی آب و ہوا کی خاصیت سے پیدا ہوئیں (۲) تہذیب وتمدن کے تغیر و تبدل کے ساتھ اتفاقاً کچھ رسمیں رائج ہوگئیں (۳) کسی اور قوم کے ساتھ اختلاط اور میل جول کی وجہ سے وجود میں آئیں خصوصاً جبکہ وہ دوسری قوم سرمایہ دار یا حاکم و سردار ہو (۴) کسی قوم کی ترقی یا اس کے زوال نے ان رسموں کو جنم دیا۔

ان رسموں کا باہمی اختلافِ مراتب

پھر ان رسموں میں سے بعض اخلاقاً بہت ہی معیوب ہیں۔ کچھ اقتصادی طور پر تباہ کن ہیں اور کچھ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہیں۔

ہمارے ملک میں جو اکثر غلط رسوم اور بُری عادات جاری وساری ہیں وہ زیادہ تر ہندوؤں سے ماخوذ ہیں یا انگریزوں سے مقتبس ہیں کیونکہ دراصل

یہ ملک پہلے ہندوؤں کا تھا وہی اس کے سفید و سیاہ کے مالک تھے پھر اسلام کی آمد کے بعد بھی ہندوؤں کے اثر و نفوذ کا عالم یہ تھا کہ عام مسلمان تو در کنار بعض نام نہاد مسلمان بادشاہ بھی ان سے ربط و ارتباط رکھنے اور ان کی رسوم و عادات کو اپنانے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ پھر بموجب "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ"، عام لوگ اندھا دھند اپنی شادی و غم، ولادت و وفات، رہن و سہن اور عام طرز بود و ماند میں ہندوانہ رسوم و قیود کی پابندی کرنے لگے، پھر جب سلطنت مغلیہ کو زوال آیا اور ان کی جگہ انگریزوں کا تسلط ہوا۔ اور قریبًا ایک صدی تک مسلمان ان کے محکوم رہے ——— تو ابن الوقت قسم کے لوگوں نے اپنے دنیوی مفاد کی خاطر تمام شعبہ ہائے حیات میں ان کی کورکرانہ تقلید کو اپنی کامیابی کی کلید سمجھا۔ اس ہندوانہ اختلاط اور انگریزوں کی حکومت کے زیر اثر رہنے اور وضع قطع اور تہذیب و تمدن میں ان کی اندھی تقلید کرنے کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ڈاکٹر اقبال کو کہنا پڑا۔ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود ؛ یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

پاکستان بن جانے کے بعد اگرچہ یہاں کے مسلمان ظاہری و جسمانی طور پر آزاد ہو گئے، ہندو ہندوستان اور انگریز انگلستان چلے گئے، مگر ہم آزادی کے قریبًا پینتالیس ۴۵ سال گذر جانے کے باوجود ذہنی طور پر ہنوز غلام ہی ہیں۔ اور وہ لوگ اپنی گندی تہذیب کے جو گندے انڈے چھوڑ گئے تھے۔ ہم تا حال ان کے گندے اثرات سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے۔ ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

کسی رسم یا عادت کے غلط یا صحیح ہونیکا معیار کیا ہے؟

بموجب ہے

ہر قوم را راست راہے دینے و قبلہ گاہے

ہر قوم کے کچھ رسوم و رواج ہوتے ہیں جن میں وہ قومیں مگن رہتی ہیں کیونکہ بچپن سے جن باتوں کی آدمی کو عادت پڑجائے وہ باتیں اسے اچھی معلوم ہوتی ہیں اور ان کا چھوڑنا اسے بہت شاق و گراں معلوم ہوتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ رسمیں اور عادتیں نہ تو سب کی سب درست ہوتی ہیں اور نہ ہی سب غلط بلکہ بالعموم کچھ درست ہوتی ہیں اور کچھ غلط تو قابلِ غور بات یہ ہے کہ کسی رسم کے غلط یا صحیح ہونے کا معیار کیا ہے؟ بظاہر یہ خاصا مشکل سوال ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جو رسوم و عادات بتقاضائے آب ہوا یا بضرورتِ تہذیب و تمدن یا مذکورہ بالا اسباب کے تحت رائج ہو جائیں اور عام لوگوں کو ان کی عادت پڑجائے وہ اچھی ہیں اور جو اس کے برعکس ہیں وہ بری ہیں!

تو اس نظریہ کا مطلب یہ ہوا کہ ع

ہر کفر کہ کہنہ شود مسلمانی شود—؟

اس نظریہ کی رکاکت و کمزوری کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کیونکہ اس بنا پر تو لازم آتا ہے کہ کوئی بھی چیز فی نفسہٖ نہ اچھی ہے نہ بری، بلکہ اس کی اچھائی یا برائی کا دارومدار اس کے رواج و عدم رواج پر ہے! حالانکہ یہ بات بداہۃً باطل ہے۔ اور اشیاء کا ذاتی حسن و قبح ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ لہٰذا اگر ایک غلط بات عامۃ الناس میں رائج ہو جائے تو اس سے وہ اچھی نہیں بن جاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔

اسی طرح اگر ایک صحیح بات متروک ہو جائے تو اس وہ چیز بری نہیں ہو جاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر کوئی عمل نہیں کرتا ـــــ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو رسم قدیم اور آبائی ہو یعنی بزرگوں سے برابر چلی آتی ہو وہ اچھی ہوتی ہے اور جو نوایجاد ہو وہ بری ہوتی ہے! ارباب عقل و خرد جانتے ہیں کہ یہ نظریہ صرف کورکورانہ تقلید کی پیداوار ہے۔ جس کے لیے کوئی عقلی بنیاد و دیوار نہیں قرآن مجید نے جابجا بزرگوں کی اس کورانہ تقلید کی شدید مذمت کی ہے کہیں فرماتا ہے: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ کہ ان لوگوں نے اپنے علماء و رہبان کو خدا کے علاوہ خدا بنا لیا ہے۔

کہیں فرماتا ہے کہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ! جب ان سے کہا جائے کہ اس کی پیروی کرو جو خدا نے (تمہاری ہدایت کے لیے) نازل کیا ہے تو کہتے ہیں۔ بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا۔ کہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے۔ جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے! خالق عقل نے ان بے عقلوں کو کیا عاقلانہ و حکیمانہ جواب دیا ہے۔

قُلْ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۝

ان سے کہو۔ کہ اگر ان کے آباؤ اجداد بے عقل ہوں اور بے ہدایت بھی۔ تو کیا یہ تب بھی ان کی پیروی کریں گے؟

کچھ کوتاہ اندیش لوگوں کا عندیہ یہ ہے کہ جو قوم ترقی یافتہ ہو اسکی ہر رسم عمدہ اور ہر رواج اچھا ہوتا ہے لہٰذا شاہراہ ترقی پر گامزن ہونے کے لئے اسکی رسوم و عادات کو اپنانا چاہیے۔ مگر ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ کسی قوم کی اچھی رسم کا اپنانا جہاں بے تعصبی، وسعت قلبی اور دانائی کی دلیل ہے وہاں بغیر سوچے سمجھے اسکی ہر رسم کو اختیار کرنا حماقت اور بے

عقلی کی علامت بھی ہے۔ اور اس غلط روش سے فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے۔ کسی قوم کے ترقی یافتہ ہونے کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اسکی ہر بات اور ہر چیز صحیح ہے لہٰذا دانش مندی یہ ہے کہ کسی بات کو اختیار کرنے سے پہلے اس کے انجام و عاقبت پر خوب غور و فکر کر لیا جائے!

چنانچہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا کہ ایک شخص حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے کچھ وصیت فرمائیے! آں حضرتؐ نے اس سے تین بار اقرار لیا کہ اگر میں تجھے وصیت کروں تو تُو اس پر عمل کریگا۔؟

جب اس نے ہر بار اثبات میں جواب دیا۔ تب آپ نے فرمایا میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے انجام پر غور کر لو۔ اگر اس کام کا انجام بخیر ہو تو وہ کام کرو۔ ورنہ اس سے باز رہو۔

(وسائل الشیعہ۔ باب الجہاد)

بنابریں بلا سوچے سمجھے کسی قوم کی رسوم و عادات کی تقلید و تائید کرنا محض حماقت ہے اور قطعاً کوئی دانش مندی نہیں۔ بلکہ دانش مندی یہ ہے کہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَرَ" پر عمل کیا جائے اور اخذ و اقتباس کا یہ عمل اگر معقول صورت سے ہو تو یہ قابلِ تعریف ہے ورنہ لائق مذمت۔

اور کچھ چڑھتے سورج کی پرستش کرنے والے ابن الوقت قسم کے لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ جو قوم حاکم اور طاقتور ہو اسکی ہر رسم و رواج کی اتباع درست ہے اور مستحسن۔ مگر ارباب علم و معرفت جانتے ہیں کہ یہ نظریہ ان لوگوں کا تو ہو سکتا ہے جو حکومت و طاقت کو حق جانتے ہیں مگر جو حق پرست حق

کو طاقت سمجھتے ہیں وہ کبھی ایسا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

(۴) حقیقی معیارِ حق و باطل

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حق و باطل اور غلط وصحیح کے معلوم کرنے کے متذکرہ بالا معیار و میزان درست نہیں ہیں بلکہ اس بات کا صحیح معیار و میزان عقل سلیم، فطرتِ سلیمہ اور انسانی ضمیر و وجدان ہے۔ کہ اگر انسان ہر قسم کے تعصب و تحزب سے بلند، اور ہر قسم کے کورکورانہ تقلید سے بالا ہو کر اور ہر قسم کے ذاتی خیالات و میلانات اور معاشرتی و ماحولیاتی خول سے باہر نکل کر کسی رسم و رواج کے حسن و قبح یا اسکی اچھائی و برائی پر غور و فکر کرے تو بڑی آسانی کے ساتھ بفضلہ تعالےٰ اسکی اچھائی و برائی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

قرآنی اصطلاح میں اسی کو "نفس ملہمہ" کہا جاتا ہے چنانچہ ارشادِ قدرت ہے "وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝"

اقول اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ [نفس ملہمہ کی] منزل قدرے دشوار ہے اور ہر شخص کو حاصل نہیں ہے کیونکہ ؏

آدمی کو بھی میسّر نہیں انسان ہونا۔

تو ہم اسکے جواب میں کہیں گے کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ ؎

فرشتوں سے بہتر ہے انسان ہونا : مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

لہٰذا اس گوہر گرانمایہ کے حصول کا سہل و آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر رسم اور ہر رواج بلکہ ہر بات کو اللہ کے قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان پر پیش کیا جائے جو اس کے مطابق ہو اسے حق سمجھ کر قبول کر لیا جائے ـــــــــ اور جو اس کے

مخالف ہو اسے باطل سمجھ کر ترک کر دیا جائے، کیونکہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی ایسا انفرادی و اجتماعی تہذیبی و تمدنی سیاسی معاشی اور دینی و دُنیوی شعبہ نہیں جس کے متعلق خدائے رحمٰن نے اپنے آخری پیغام قرآن میں جامع و مکمل ہدایات نہ دی ہوں اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے اس کی قولی و فعلی تفسیر و توضیح میں اپنے قول و کردار کی عملی مشعلیں فروزاں کی ہوں جو کہ عقل سلیم اور فطرتِ صحیحہ کے صحیح عکاس اور ترجمان ہیں۔

(۵) خدا نے ہر چیز کے حُدود مقرر کیئے ہیں اور ان حدود کے توڑنے پر وعید فرمائی ہے

خدائے حکیم نے انسانی زندگی کو با مقصد بنانے کے لیے کچھ حُدود و قیود مقرر فرمائے ہیں چنانچہ فرماتا ہے "تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ" یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود و قیود ہیں۔ پھر ان حدود و قیود کو توڑنے والوں کو جا بجا جہنم کی وعید و تہدید فرمائی ہے "وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ) جو لوگ خدائی حدود کو پھلانگتے ہیں وہ ظالم ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا

[سورۃ النساء]

جو شخص خدا اور رسول کی نافرمانی کریگا۔ اور خدائی حدود سے تجاوز کریگا خدا اسے دوزخ میں داخل کرے گا۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند عالم نے ہر چیز کے لیے ایک حد مقرر کی ہے

اور جو شخص اس حد سے تجاوز کرے گا اس کے لیے بھی حد مقرر کر دی ہے۔

(الفصول المہمہ۔ شیخ حر عاملیؒ)

خدا و مصطفےٰؐ اور ائمۂ ھُدیٰ کی اطاعت مطلقہ کا وُجوب

ان حدود و قیود کے اندر رہ کر کامیاب زندگی گذارنے اور دُنیا و آخرت میں فلاح پانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ خدا کی اطاعت کی جائے اور خدا کی اطاعت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی جائے۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے۔

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ٭

اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو محبوب خدا کی پیروی کرو۔ خدا تمہیں اپنا۔۔ محبوب بنا لے گا۔ اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دیگا۔

؎

مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ٭ اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

اور اگر مصطفےٰ کا اتباع کرنا ہے تو اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ ائمہ ھُدیٰ کے نقشِ پا کو خضرِ راہ بنایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں صرف خدا کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ (اللہ کی اطاعت کرو) اور کہیں خدا کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (پارہ ۷ سورۂ انعام ع ۲)

[اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی]

اور کسی جگہ تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔

اَطِیْعُوااللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

(پارہ ۵ سورہ نساء ع ۵)

(اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور صاحبانِ امر کی)

ظاہر ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعتِ مطلقہ واجب ہے یعنی ہر شخص پر، ہر زمان میں، ہر مکان میں، ہر امر میں، ہر نہی میں اور ہر حال میں واجب ہے بالکل اسی طرح اُولِی الامر کی اطاعت بھی ہر شخص پر، ہر زمان میں، ہر مکان میں، ہر امر میں، ہر نہی میں، اور ہر حال میں واجب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علاوہ دوسرے دلائل و براہین کے اُولِی الامر کی اسی اطاعتِ مطلقہ کا واجب ہونا اس کے معصوم عن الخطاء ہونے کی ناقابل رَدّ دلیل ہے۔

اسی طرح متعدد احادیث میں وارد ہے۔

"کُلُّ شَیْءٍ مَرْدُوْدٌ اِلَی السُّنَّۃِ"

یعنی ہر چیز کو سُنّت نبویہ کی طرف لوٹایا جائے گا۔

"ومن خالف سنۃ رسول اللہ فقد کفر"

اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ علی آلہ وسلم کی سُنّت کی مخالفت کریگا وہ کافر ہو جائے گا۔ (ارشاد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اُصولِ کافی)

اور حدیث سفینہ [مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجی و من تخلف عنھا ضل و غرق و ھوی]

اور حدیث ثقلین [انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی الحدیث] وغیرہ

بلیسیوں احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نجاتِ دارین کا دار و مدار اور فلاحِ کونین کا انحصار قرآن اور اہلِ بیتِ رسولؐ کے فرمان کی تعمیل میں مضمر و نہاں ہے۔

بدعت، ذاتی رائے و قیاس کی حرمت کا بیان

یہی وجہ ہے کہ مذہب شیعہ خیر البریہ میں

ہر قسم کی بدعت، ہر قسم کی ذاتی رائے اور ہر قسم کے قیاس و خیال پر عمل کرنا حرام قرار دیا گیا ہے ـــ چنانچہ قرآن و حدیث بدعت وغیرہ کی مذمت سے بھر پور ہیں ـــ ارشادِ قدرت ہے۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝ (اور تم ان مشرکوں سے نہ ہو جاؤ جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور فرقہ فرقہ ہو گئے۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس پر خوش ہے)
(پ ۲۱ سورۃ روم ع ۴)

کتب فریقین میں اس آیت مبارکہ کی ایک تفسیر بدعت کے ساتھ بھی کی گئی ہے کہ ان لوگوں سے مراد بدعتی لوگ ہیں (تفاسیر فریقین)

اسی طرح ارشادِ خداوندی ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ [پ ۱۶ سورہ کہف رکوع ۳]

اس آیت مبارکہ کی بھی ایک تفسیر بدعت کے ساتھ کی گئی ہے کہ جن کے اعمال و عبادات رائیگاں جا رہے ہیں ان سے مراد بدعتی لوگ ہیں (ایضاً)

اس سلسلہ میں احادیث تو بہت ہیں ذیل میں بطور نمونہ مشتے از خروارے دو چار احادیث شریفہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

(۱) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے

[اصول کافی]

(۲) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک بار جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے برسرِ منبر فرمایا۔

يَا مَعْشَرَ المسلمين ان افضل الهدى هدى محمد وخير الحديث كتاب الله وشر الامور محدثاتها الا وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار۔

یعنی افضل ترین ہدایت حضرت محمدؐ کی ہدایت ہے اور بہترین حدیث کتابِ خدا ہے۔ بدترین امور وہ ہیں جو نو ایجاد ہوں۔ خبردار! ہر بدعت گمراہی ہے خبردار ہر گمراہی جہنم میں ہے۔ (بحار الانوار جلد ۱)

(۳) "کتاب الاستغاثہ" میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے فرمایا

كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار

ہر نو ایجاد چیز بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے

(۴) کتاب لب اللباب راوندی میں حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے فرمایا

من تبسم في وجه مبتدع فقد اعان على هدم الاسلام

"جو شخص کسی بدعتی آدمی کے روبرو مسکرائے تو اس نے اسلام کی خرابی میں مدد کی ہے"

(۵) نیز اسی کتاب میں آنحضرتؐ سے مروی ہے فرمایا۔

من احدث فی الاسلام او اٰوٰی محدثاً فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔

جو شخص دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے اُس پر خدا، اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

(۶) بعض روایات میں وارد ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا

"مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا مالیس منہ فھو رَدٌّ"

جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے جو دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے

(بحار الانوار)

بدعت کسے کہتے ہیں؟

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ... فرماتے ہیں۔

البدعۃ ما احدث من بعدہٖ

"بدعت ہر وہ چیز ہے [عقیدہ ہو یا عبادت] جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد ایجاد کی جائے" (بحار الانوار جلد ۱)

حضرت ملا صالح مازندرانی شرح اصول کافی کے باب البدع کی ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"بدعت ہر وہ چیز ہے جو قرآن وسنت اور طریقہ رسول کے .. خلاف ہو"

اور حضرت علامہ مجلسیؒ اسی سلسلہ میں رقمطراز ہیں

"ہر وہ رائے، ہر وہ دین، ہر وہ حکم، ہر وہ عبادت جو خصوصی یا عمومی طور پر شارع علیہ السلام سے وارد نہ ہو وہ بدعت ہے"

(بحار الانوار ج ۱)

حضرت رسول خداؐ اور حضرت علی المرتضیٰؑ کے ان ارشادات اور ان علماء اعلام کے کلام سے جہاں بدعت کی مذمت واضح ہوتی ہے وہاں بدعت کی ماہیت وحقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے، کہ ہر عقیدہ، ہر نظریہ، ہر طریقہ، ہر عبادت، ہر عادت، ہر معاملہ اور ہر رسم اور ہر رواج جو اللہ کے قرآن اور چہاردہ معصومینؑ کے فرمان کے خلاف ہو وہ غلط ہے اور باطل ہے لہٰذا عبادات اور دینی معاملات میں سے جبتک کسی عبادت اور دینی معاملہ کی صحت اور جواز پر کوئی عمومی یا خصوصی نص موجود نہیں ہو گی تب تک اسکی ایجاد کو بدعت ہی کہا جائے گا۔ جو کہ حرام ہے۔

بدعت کے مختلف اقسام کا بُطلان

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ بعض لوگ جو بدعت کے مختلف اقسام بیان کرتے ہیں (۱) بدعتِ حسنہ (۲) بدعت سیئہ ــــ یا بالفاظ دیگر دوسرے فقہی احکام خمسہ کی طرح بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) واجب (۲) حرام (۳) مستحب (۴) مکروہ (۵) اور مباح۔

سابقہ حقائق سے معلوم ہو گیا کہ ہر وہ چیز جس پر شرعاً بدعت کا اطلاق ہوتا ہے اس کی صرف اور صرف ایک ہی قسم ہے اور وہ ہے حرام ــــ کیونکہ حدیث شریف میں بدعت کی قسمیں بیان نہیں کی گئیں ہیں کہ یہ بدعت حسنہ ہے اور یہ بدعت سیئہ ہے۔ بلکہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر بدعت کو ضلالت فرما کر اُسے پائے استحقار سے ٹھکرا دیا ہے اور اسے جہنم کا ایندھن قرار دیا ہے ــــ انہی حقائق کی بنا پر بعض محقق علماء نے بدعت کی تعریف بایں الفاظ کی ہے

ادخال ما لیس من الدین فی الدین

یعنی "ہر وہ چیز جو دین میں داخل نہ ہو۔ اُسے دین میں داخل کرنا"
اور جن بعض علماء نے اس مذکورہ بالا تعریف کے ساتھ یہ پیوند لگایا ہے
کہ بقصد انہ من الدّین یعنی جو چیز دین میں داخل نہ ہو اسے بقصدِ دین
(جزءِ دین سمجھ کر) دین میں داخل کرنا۔

ہمارا خیال ہے یہ اضافی قید دراصل بدعت کو مشرف با اسلام کرنے کی
ناکام کوشش ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص نماز صبح دو رکعت کی
بجائے تین رکعت پڑھے یا ہر ایک رکعت میں دو دو رکوع بجالائے تو یہ
بہرحال بدعت ہوگی اور عبادت کے بُطلان کا باعث ہوگی۔ جزءِ عبادت سمجھ
کر بجالائے یا اس کے بغیر بلکہ حقیقت یہ ہے کہ "ادخال مالیس من الدین فی
الدین بایّ قصد کان" کا نام بدعت ہے اور وہ بہرحال حرام ہے خواہ وہ
کوئی ورد ہو یا وظیفہ، کوئی عمل ہو یا کوئی عبادت۔

فکل مالم یخرج من ھذا البیت فھو زخرف"
ہر وہ چیز جو اہلِ بیت رسالتؐ کے گھر سے نہیں نکلی وہ باطل ہے"
انسان ضعیف البنیان اپنی عقل خام سے کوئی شرعی کام، کوئی طریقہ اور
کوئی حلال وحرام اختراع نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ اس کا مجاز ہے اور اگر
وہ ایسا کرے گا تو خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا وذالک
ھوالخسران المبین۔

افادۂ جدیدہ مندرجہ بالا تحقیقِ انیق سے معلوم ہوگیا کہ جس چیز
کے اصلِ جواز پہ کوئی شرعی دلیل موجود ہے مگر اس
کا وہ طریقۂ کار اپنانا جس کی عہدِ رسالت میں ضرورت نہ تھی لیکن اب ہے
وہ بدعت میں داخل نہیں ہے جیسے مدارس دینیہ کا اجراء، تبلیغی انجمنوں کا

قیام، دینی رفاہی اداروں کا اہتمام یا قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علومِ آلیہ از قسم صرف و نحو وغیرہ کی تدریس یا اغیار کے ایرادات کی ردّ کے لئے منطق و فلسفہ کی تعلیم، یا جہاد کے لیے جدید اسلحہ بنانا اور اسکے استعمال کرنے کا طریقہ سیکھنا سکھانا، لاؤڈ سپیکر کا استعمال یا دینی مجالس و محافل کا انعقاد وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب چیزیں جائز اور مباح ہیں مگر نہ اس لیے کہ وہ "بدعت حسنہ" ہیں بلکہ اسلئے کہ یہ بدعت ہیں ہی نہیں کیونکہ ان کاموں کی اصل یعنی پڑھنے پڑھانے، دین حق کی نشر و اشاعت کرنے، اعلاءِ کلمۂ حق کی خاطر جہاد کرنے اور مفادِ عامہ کی خاطر رفاہی کام کرنے کے جواز بلکہ استحباب بلکہ وجوب پر شرعی عمومی دلائل موجود ہیں ہاں ان کی موجودہ صورت عہدِ رسالت میں موجود نہ تھی کیونکہ اس وقت اس کی اس طرح ضرورت نہ تھی مگر اب جبکہ عصرِ جدید کے جدید تقاضوں کے پیشِ نظر ان تدبیروں اور ان صورتوں کا اختیار کرنا ناگزیر ہے تو اگرچہ یہ چیزیں فی حدِ ذاتہٖ عبادت نہیں البتہ عبادت کا ذریعہ اور مقدمہ ضرور ہیں اس لیے ان کو عبادت کہا جا سکتا ہے۔ بقول بعض اعلام یہ چیزیں "احداث فی الدین" کے زمرہ میں نہیں آتیں بلکہ یہ "احداث للدین" میں داخل ہیں ظاہر ہے کہ شرع انور میں "احداث فی الدین" کی ممانعت ہے نہ کہ "احداث للدین" کی۔ بنا بریں کسی منصوص جائز کام کی تکمیل کے لیے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق کوئی نئی صورت اختیار کرنا ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے۔

بنا بریں گو ہر نئی چیز کو لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کہا جا سکتا ہے مگر شرعی اصطلاح میں بدعت کا مفہوم یہ ہوگا کہ دین میں ایسی چیز پیدا کرنا... جس کی اصل دین میں نہ پائی جائے اور جس کا داعیہ موجود ہونے کے باوجود...

آنحضرتؐ اور آپ کے جانشینانِ برحق نے وہ کام نہیں کیا جیسے عُرس وغیرہ۔
فتدبر وتشکر۔

اسی طرح دینی امور اور شرعی معاملات میں ذاتی رائے وقیاس پر عمل کرنے کی مذمت سے قرآن اور دفترِ حدیث چھلک رہے ہیں۔ اور اس کی حرمت کا قائل ہونا ہمیشہ سے مذہبِ شیعہ خیر البریہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

(۱) چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

"ان اول من قاس ابلیس لعنہ"

سب سے پہلے جس نے قیاس کیا اور اس پر عمل کیا وہ ابلیس لعنتی ہے
لہٰذا جو شخص بھی دین میں قیاس کرے گا وہ بروزِ قیامت ابلیس لعنہ کے ساتھ محشور ہوگا۔ [اصولِ کافی]

نیز انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا

"من عمل بالقیاس لم یزل دھرہٗ فی ارتماس"

جو شخص قیاس پر عمل کرے گا وہ ہمیشہ شک وشبہ کی وادی میں چکر لگاتا رہے گا (ایضاً)

نیز انہی جناب سے مروی ہے کہ آپ نے عبدالرحمٰن بن حجاج سے فرمایا کہ میں تمہیں دو خصلتوں سے روکتا ہوں کہ ان کی وجہ سے بہت سے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔

(۱) "ایاک ان تفتی الناس برأیک" ایک تو اپنی رائے وقیاس سے لوگوں کو فتویٰ نہ دینا۔

(۲) "او تدین بما لم تعلم" دوسرے جس چیز کا علم ویقین نہ ہو اسے دین سمجھ کر اس پر عمل نہ کرنا (ایضاً)

(۳) نیز آنجناب علیہ السلام سے ہی مروی ہے کہ فرمایا سب سے

کمتر چیز جس کی وجہ سے آدمی مشرک بن جاتا ہے یہ ہے کہ

"ابتدع رأیاً فاحب علیہ وابغض"

آدمی کوئی نظریہ خود گھڑے اور پھر اسی کو اپنی محبت و نفرت کا معیار قرار دے یعنی جو اس پر عمل کرے وہ اسے محبت و پیار کرے اور جو اسے قبول نہ کرے تو یہ اسے نفرت کرے۔ (ایضاً)

محدث جزائری مرحوم نے اپنی کتاب انوار نعمانیہ میں شرک کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) شرک جلی [جیسے بتوں کی پرستش وغیرہ (۲) شرک خفی [جیسے ریاکاری وغیرہ] (۳) شرک اخفےٰ [یعنی کسی شرعی امر میں اپنی ذاتی رائے و قیاس سے کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل کرنا۔ (الانوار)

ان حقائق سے واضح و آشکارا ہوگیا کہ خود ساختہ دمن گھڑت طریقہ سے عبادت کرنا بھی خدا کو پسند نہیں ہے — چنانچہ امام بحق ناطق جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب شیطان لعین انکار سجدہ سے راندۂ بارگاہ خدا ہوا تو اس نے خدا کے دربار میں ایک درخواست دی کہ بارالہا! مجھے آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی معافی دیدے اس کے عوض میں تیری اتنی عبادت کروں گا جتنی کسی نے نہ کی ہوگی۔ ارشاد قدرت ہوا

"اریدان اعبد کما اشاء لا کما تشاء"

میں چاہتا ہوں کہ میری عبادت اس طرح کی جائے جس طرح میں چاہوں نہ اس طرح جس طرح تو چاہے۔ (تفسیر صافی و بحار جلد ۱ وغیرہ)

ارباب عقل و خرد ذرا غور فرمائیں کہ جب معبود برحق کو اختراعی عبادت قبول نہیں ہے تو وہ کفار و مشرکین اور چند جاہلوں، گمراہوں، فاسقوں اور فاجروں کی اختراع کردہ رسموں و رواجوں کو کس طرح پسند کرے گا۔؟

حاشا وکلا۔ ایسا تصور کرنا بھی گناہ کے زمرہ میں آتا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (پارہ ۱۴ سورۂ نحل رکوع ۲۱) خبردار کسی چیز کو اپنی ذاتی پسند وناپسند کی بناء پر حلال و حرام نہ ٹھہرانا ورنہ خدا پہ افترا پردازی کرنے والے قرار پاؤ گے۔

بھلا! جب دین اسلام ایک جامع اور کامل بلکہ اکمل دین ہے جس کے کامل ہونے کی گواہی خود خدا نے ان الفاظ کے ساتھ دی ہے "اَلْيَوْمَ ... اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الآیۃ" تو اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی کرنے کی کس طرح گنجائش ہو سکتی ہے اور ایسے کامل دین کی موجودگی میں از خود کسی رسم ورواج کو اختراع کرنے کا کس طرح جواز نکل سکتا ہے؟

یہاں تو صرف حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ سند ہے [لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ] یا پھر خاندانِ رسالت کے آئمہ طاہرین کا عمل وکردار حجت ہے (مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح من رکبها نجی الخ)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس طرح دین اسلام کی صلاح وفلاح کی ... بنیادیں دو ہیں۔

(۱) اخلاص (جس سے عقیدہ وعمل خالص ہوتے ہیں) (۲) اتباع رسول وآلِ رسول (جس سے عقیدہ وعمل کی اصلاح ہوتی ہیں)

اسی طرح فسادِ دین اور بربادیٔ مذہب کا سبب بھی دو چیزیں ہیں (۱) شرک (۲) اور بدعت۔ جن سے دین اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں اور دین وایمان تباہ وبرباد ہوتے ہیں۔

بدعت اور ذاتی رائے و قیاس پر عمل کرنے کی خرابیاں اور تباہ کاریاں

اگرچہ دینی معاملات میں ذاتی رائے و قیاس اور بدعت پر عمل کرنے میں اس قدر دینی و دنیوی خرابیاں ہیں کہ جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ مگر بطور نمونہ مشتے از خروارے ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ اسکی چند تباہ کاریوں کی نشاندہی کی جاتی ہے لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۔

(۱) یہ خدا کے دین سے بغاوت ہے

ہر حکومت کے کچھ قوانین و آئین ہوتے ہیں جن کی پابندی رعایا پر لازم ہوتی ہے اور کوئی حکومت ان کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتی۔ مثلاً اگر کوئی پاکستانی پاکستان کے اندر رہ کر کسی اور ملک کی کرنسی چلانا چاہے تو یہ قانونی جرم ہوگا یا کوئی پاکستانی سپاہی کسی اور ملک کی وردی پہن کر ڈیوٹی پہ حاضر ہو تو یہ قابل تعزیر جرم متصور ہوگا۔ تو بلا تشبیہ خدا کے ملک اور اسکے دین اسلام میں رہ کر اسکے متعین کردہ اور رسولؐ کے بیان کردہ طریقۂ عبادت و اطاعت میں ذاتی رائے و قیاس اور ذاتی پسند و ناپسند سے کسی قسم کا تغیرّ و تبدل کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اور جو کام سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ اور ان کی سیرت طیبہ سے ہٹ کر کیا جائے وہ کیونکر اور کس طرح قابلِ قبول ہو سکتا ہے؟ یہ خدا کے دین سے کھلم کھلا بغاوت کے مترادف ہے

(۲) اس سے لازم آتا ہے کہ دین مکمل نہیں ہے

بدعتی حضرات کے لیے دو ہی راستے ہیں یا تو دینِ اسلام کو کامل و مکمل دین کہنا چھوڑ دیں (اور اس طرح قرآن کو جھٹلا کر اسلام سے نکل جائیں) اور اگر دین اسلام کو واقعی کامل و مکمل دین جانتے و مانتے ہیں

(جس کی شہادت قرآن کریم ان الفاظ میں دیتا ہے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لکم دینکم وَ اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً) تو پھر بدعت اور ذاتی رائے و قیاس پر عمل کرنا چھوڑ دیں کیونکہ عبادات و اعمال کے نئے طریقے ایجاد کرنے سے تو لازم آتا ہے کہ دین اسلام مکمل نہیں ہے بلکہ اسکی تکمیل آج ہو رہی ہے۔

(۲) اس سے لازم آتا ہے کہ رسولؐ نے خیانت کی ہے (معاذ اللہ) بدعت اور رائے

و قیاس پر عمل کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اگر دین اسلام مکمل ہے تو پھر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پہنچانے میں خیانت کی ہے (معاذ اللہ) کہ انہوں نے خدا کا بنایا ہوا دین بے کم و کاست لوگوں تک پہنچایا نہیں ہے، بلکہ تبلیغ رسالت میں کوتاہی کی ہے اسلئے لوگوں کو دین میں بدعات ایجاد کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔

اسی بناء پر بعض بزرگوں کا یہ کہنا ہے کہ جو شخص بدعت ایجاد کرتا ہے تو وہ گویا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خیانت کا الزام عائد کرتا ہے کہ انہوں نے پوری شریعت نہیں پہنچائی ــــ لیکن اگر رسول تبلیغ رسالت ہی خیانت نہیں کر سکتے (اور یقیناً نہیں کر سکتے) تو پھر بدعت اور ذاتی رائے و قیاس کا کیا جواز ہے؟

(۳) اس سے تحریف دین کا راستہ کھلتا ہے

اگر اپنی طرف سے عبادات یا اس کے حدود و قیود اور شرائط و ضوابط اختراع کرنے کو جائز قرار دیدیا جائے تو اس سے دین اسلام میں تحریف کا راستہ کھل جائے گا۔ اور اس طرح شریعت مقدسہ کا مقدس حلیہ بگڑ جائیگا۔ گذشتہ

امتوں میں تحریف دین کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ اُنہوں نے خدائی کتابوں اور نبیوں کے بتائے ہوئے طریقوں میں تغیر و تبدل کر کے عبادات کے نئے نئے طریقے ایجاد کر لئے۔ اور رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ اصل اور نقل (نو ایجاد) میں امتیاز ختم ہو گیا۔

حالانکہ دین میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے لاتبدیل لخلق اللہ ـــ ولا تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ط

چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ

کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اس کی خواہش اس شریعت کے تابع نہ ہو جو میں لے کر آیا ہوں۔ (مشکوٰۃ کتاب الایمان)

اور جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا

لاقول الا بعمل ولا عمل الا بنیۃ ولا نیۃ الا باصابۃ السنۃ

کوئی قول نہیں مگر عمل کے ساتھ! اور کوئی عمل نہیں مگر نیت کے ساتھ اور کوئی عمل اور کوئی نیت نہیں مگر تب کہ جب سُنّتِ نبویہ کے مطابق ہو (بحار جلد، وسائل جلد)

عوام کی حالت زار

مگر بایں ہمہ روزمرّہ کا مشاہدہ یہ ہے کہ اکثر نام نہاد مسلمان و اہلِ ایمان اپنی اختراعی اور غیر شرعی رسوم و عادات کی قیود میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ اس طرح واجبات و فرائض کو بھی باقاعدگی سے ادا نہیں کرتے جس دھوم دھام سے ان رسوم کو ادا کرتے ہیں۔ اور اگر کبھی کوئی رسم ترک ہو جائے تو اس طرح کسی واجب کے قضا ہو جانے کا افسوس نہیں کرتے جس طرح اس رسم کے رہ جانے

کا غم مناتے ہیں خدا و رسول کی ناراضی مول لے لیتے ہیں مگر رسم و رواج کے ترک کرنے سے معاشرہ میں انکی جو ہیٹی ہوتی ہے اسے گوارا نہیں کرتے محض اس غلط جذبہ کے تحت کہ برادری میں ساکھ رہ جائے اور ناک نہ کٹ جائے - ان گنت مصیبتیں جھیلتے ہیں پھر بھی غنیمت ہے کہ بعض اسے گناہ سمجھ کر بجا لاتے ہیں گو کہ وہ اپنے آپ کو مجبور و معذور ظاہر کرنے کے لئے "تارِ عنکبوت" سے بھی زیادہ بودی اور کمزور تاویلیں پیش کیا کرتے ہیں۔

لیکن اکثر لوگ تو اس سیلاب میں کچھ اس طرح بہہ گئے ہیں کہ وہ گناہ کو گناہ بھی نہیں جانتے بلکہ اسے نہ صرف مباح بلکہ بعض اوقات اسے اطاعت و عبادت کا درجہ دیدیتے ہیں (العیاذ باللہ) سچ ہے ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا ؛ کہ بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

اور بعض عوام کالانعام تو اس سلسلہ میں اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ جو شخص ان بدعات و رسومات کی ادائیگی و بجا آوری میں ان کا ساتھ نہ دے یا ان کو روکے ٹوکے الٹا اس پر فتوے لگاتے ہیں اور اسے خارج از ایمان بلکہ خارج از اسلام ٹھہراتے ہیں گویا خداوند عالم ایسے ہی لوگوں کے خیالات کی ترجمانی سرتے ہوئے فرماتا ہے

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (پ ۸ سورہ الاعراف ع ۱۰)

(اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا تھا - اور خدا نے ہمیں یہی حکم دیا ہے - کہدو، خدا بے حیائی کا ہرگز حکم نہیں دیتا - آیا تم خدا کے خلاف وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔)

خواص کی کیفیت زار

اور جہاں تک نام نہاد خواص (پیر صاحبان، مولوی صاحبان اور سجادہ صاحبان) کی اکثریت

کا تعلق ہے تو اگر بہ نظرِ غائر حالات و واقعات کا جائزہ لیا جائے تو ان کی ... کیفیتِ زار عوام کی حالتِ زار سے بھی بدتر نظر آتی ہے یہ لوگ اپنے اپنے ذاتی مفادات کی آہنی زنجیروں میں کچھ اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ کبھی بھی رائے عامہ کی مخالفت کر کے اور عوام کو ناراض کر کے اپنے مفادات کو قربان کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے مفادات کے تحفظ، جھوٹ وقار کی بقاء اور عامۃ الناس میں سستی شہرت و مقبولیت حاصل کرنے کی خاطر عوام کی ہاں میں ہاں ملانے اور قرآن و حدیث کو توڑ موڑ کر عوامی جذبات و خیالات اور ان کی مروجہ رسوم و عادات کی تائید مزید کرنے میں اپنی ہر دلعزیزی اور کامیابی کا راز مضمر جانتے ہیں بقولِ اقبالؒ ؎

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ؛ ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق ؟

ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ خواص [بالخصوص وارثانِ منبر و محراب) اپنی شرعی ذمہ داریوں کو سمجھتے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آوازِ حق بلند کرتے اور قرآنی حقائق اور شرعی دقائق کو بغیر خوفِ لومۃ لائم برملا بیان کرتے تو یہ حالات رونما نہ ہوتے بلکہ ہمارا اسلامی معاشرہ جنت الفردوس کا نمونہ پیش کرتا ۔ اور اعتقادی و عملی کج روی کا نام و نشان مٹ جاتا مگر افسوس! ہے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا ؛ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

علمائے حق کی ذمہ داری اور اس سے عہدہ برآری

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو جس قدر نقصان و زیاں علمائے سوء اور علمائے دنیا یعنی درباری و سرکاری بالفاظِ دیگر پیٹ کے پجاری ملاؤں نے پہنچایا ہے اتنا کسی دشمن نے بھی نہیں پہنچایا

انہی لوگوں کی تنگ نظری، کم ظرفی، فتنہ سامانی اور دین و فتوی فروشی کو دیکھ کر اقبالؒ نے کہا تھا ؎

مجھ کو تو یہ سکھلا دی افرنگ نے زندیقی ۔ اِس دَور کے مُلّا ہیں کیوں ننگِ مسلمانی

بہر نوع ہوائے زمانہ جس قدر تند و تیز ہو اور فضا جس قدر مکدّر اور دبیز علمائے حق کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتے اور نہ ہی وہ اپنے شرعی وظائف و فرائض اور مذہبی و منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں غفلت و لاپرواہی برت سکتے ہیں! وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کا کام یہ نہیں ہے کہ

"اگر زمانہ باتو نسازد تو بہ زمانہ بسازد"

بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ "اگر زمانہ باتو نسازد تو بزمانہ ستیز" تاکہ

ع یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

وہ جانتے ہیں کہ کتمانِ حق وہ گناہِ کبیرہ ہے کہ جس کے مرتکب پر خدائے قہار نے قرآن میں لعنت کی ہے چنانچہ فرماتا ہے

اِن الذین یکتمون ما انزلنا من البیّنٰتِ و الھدٰی من بعد ما بیّنّٰہُ للناس فی الکتٰب اُولٰئِک یلعنھم اللہ و یلعنھم اللّٰعنون۔ (پارہ ۲ سورہ بقرہ رکوع ۳)

[جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ہم نازل کر چکے بعد اس کے کہ ہم نے کل آدمیوں کے لیے کتاب میں اسکو کھول کر بیان کر دیا ہے یقیناً ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔"]
(ترجمہ مقبولؒ)

ایک اور جگہ ان الفاظ کے ساتھ وعید و تہدید فرمائی ہے

ان الذین یکتمون ما انزل اللہُ من الکتٰب ویشترون بہ

ثمناً قلیلاً اولٰئک ما یأکلون فی بطونهم
الا النار و لا یکلمهم اللہ یوم القیمة و لا
یزکیهم ولهم عذاب الیم (پارہ ۲ سورۂ بقرہ رکوع ۵)

[وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اسکو
تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور خدا
ان سے قیامت کے دن نہ بات کرے گا نہ ان کو پاکیزہ فرمائے گا اور ان کے
لیے دردناک عذاب ہے ۔] (ایضاً)

اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حق چھپانے اور
اس پر پردہ ڈالنے اور باطل پرست لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے والے نام
نہاد علماء پر لعنت کی ہے چنانچہ آپ اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔

اذا ظهرت البدع فی امتی فعلی العالم ان یظهر علمه
ومن لم یفعل فعلیه لعنة اللہ (اصول کافی)

" جب میری امت میں بدعات و منکرات ظاہر ہو جائیں تو عالم کا فرض ہے
کہ وہ اپنے علم کا اظہار کرے (لوگوں کو اصل حقائق سے آگاہ کرے) اور جو ایسا
نہیں کریگا اس پر خدا کی لعنت ہو گی "

لہٰذا چونکہ علماء حق بیں وحق گو کے پہلو میں دل ہے اور دل میں
خوفِ خالق دوجہاں اور احساس سود و زیاں ہے اسلئے وہ ہر چیز اور ہر مالی
و جانی نقصان برداشت کر سکتے ہیں مگر اپنے فرائض و وظائف کی ادائیگی
سے پہلو تہی کرنا گوارا نہیں کر سکتے لان عذاب الاٰخرة اشد و
ابقٰی ۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ؎

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونی منظر سے ۔۔ اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہو

کتاب ہٰذا کی وجہِ تالیف و تصنیف: اس فرضِ منصبی کے احساس اور اس کی ادائیگی

کے بھرپور جذبہ سے سرشار ہو کر ہم نے ایک بار پھر اس نئی خار دار وادی میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا ہے! ہم دیکھ رہے ہیں کہ سینکڑوں غلط اور بُری رسمیں جو نہ صرف یہ کہ ہمارے اسلام وایمان کے خلاف ہیں بلکہ تہذیب و شائستگی اور انسانی مجد و شرافت کے بھی خلاف ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ہمارے معاشرہ کی رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہیں بلکہ ان میں سے اکثر و بیشتر رسوم کو اس طرح اسلام میں داخل کر لیا گیا ہے کہ جس سے اس کا اصلی مقدس چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ اور آج اسلام و مسلمان اغیار کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ سچ ہے کہ ع

ہم ہوئے رسوا تارکِ قرآن ہو کر

اسلئے ضرورت اور سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن و سنت کی کدال لے کر موجودہ گلستانِ اسلام کی "گوڈی" کی جائے اور اس طرح جہاں اللہ کے قرآن اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے کلام کی روشنی میں حقیقی و اصلی اسلام وایمان کے خدوخال کو نمایاں کیا جائے وہاں اسلام کے مقدس گلستان میں جو خود رو پودے اُگ آئے ہیں اور اس کے گل و سنبل و ریحان کی نشو و نما میں حارج و مانع ہو رہے ہیں اور جن کو بعض نادان اصل گلستان کا جزو و حصہ سمجھ رہے ہیں ان کو بیخ و بُن سے اکھیڑ کر دُور پھینک دیا جائے۔ تاکہ اس طرح جہاں اسلام اپنی اصلی شکل و صورت میں جلوہ گر ہو کر اس ظلمت کدہ دُنیا کو اپنے جلوۂ نور سے رشکِ طور بنا دے وہاں مسلمان بھی اغیار کے طعن و تشنیع کی یلغار سے بچ جائیں اور اسلام کے پیش کردہ

صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر جہاں دنیا میں اپنا کھویا ہوا وقار و اقتدار دوبارہ حاصل کر سکیں وہاں آخرت میں بھی کامیاب و کامران ہو سکیں وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

دراصل اس تمام تگ و تاز کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ اس کتاب کے قارئین کرام کے سامنے تصویر کے دونوں رُخ آجائیں کہ اصلی اسلام کیا ہے اور رسمی اسلام کیا؟ اسی مقصد کے ماتحت ہم نے کتاب کے ہر ہر باب میں اللہ کے قرآن، معصومینؑ کے فرمان اور علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں پہلے اصلی اسلام کا نقشہ کھینچا ہے اور اس کے بعد رسمی اسلام کا تذکرہ کیا ہے اور پھر اس کی تحقیقی و تفصیلی ردّ کی ہے واللہ من وراء القصد

دعا ہے کہ خدا الحکومت کو بھی توفیق دے کہ وہ اپنے مخالفین و ناقدین کو بزورِ شمشیر دبانے کی بجائے بزورِ قانون و قدرت بگڑے تگڑے معاشرہ کی اصلاح کرے تاکہ وہ گوہر مقصود حاصل ہو کہ جس کی خاطر یہ ملک آزاد کرایا گیا تھا اور پاکستان بنایا گیا تھا۔

مشکلاتِ راہ کا احساس

اگرچہ اس پُر خار وادی کی مشکلات کا ہمیں صرف علم ہی نہیں بلکہ حق الیقین ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ صدیوں پرانے مگر غلط نظریات اور رسوم و عادات جو عامۃ الناس کے دل و دماغ میں جاگزیں ہوں اور رفتہ رفتہ بموجب

"ہر کفر کہ کہنہ شود مسلمانی شود"

ان کی نظروں میں جزوِ اسلام بن چکے ہوں ان کے خلاف زبان و قلم کو حرکت دینے کا نتیجہ اور انجام کیا ہوتا ہے؟ بالخصوص وہ رسمیں جو کسی مذہب کے نام پر جاری ہوں ہم اصول الشرعیہ فی عقائد الشیعہ، سعادۃ الدارین فی مقتل

الحسینؑ۔ بالخصوص رسالہ "اصلاح المجالس والمحافل" لکھ کر اس کا عملی تجربہ کر چکے ہیں کم و بیش رُبع صدی بیت چکی ہے اس عرصہ میں فریب خوردہ عوام کی جانب سے بالعموم اور نام نہاد اہلِ صحافت اور ناجرانِ خونِ حسینؑ اہل منبر کے قبیلہ کی طرف سے بالخصوص جس طرح ہمیں ہدفِ تنقید بنایا گیا اور جس طرح طوفانِ بدتمیزی مچایا گیا ؎

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

اس طویل مدت میں دنیا کی وہ کون سی گالی ہے جو ہمیں نہیں دی گئی، وہ کون سی تہمت ہے جو ہم پر نہیں لگائی گئی؟ اور وہ کون سی اذیت ہے جو ہمیں نہیں پہنچائی گئی مگر الحمد للہ! ؎

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

یہ تمام غوغا آرائی کرنے والے اور سازشوں کے جال بچھانے والے کچھ حرف غلط کی طرح مٹ ہو گئے یعنی عدم آباد کی طرف سدھار گئے اور کچھ تھک ہار کر خاموش ہو گئے مگر بفضلہ تعالیٰ اپنے پائے ثبات میں آج تک ذرہ بھر لغزش واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی عزم میں جُنبش ہوئی ہے۔ ذالک فضل اللہ یُؤتیہ من یشاء۔

یعنی ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

والحمد للہ

بہرحال وہ بڑا نازک دور تھا جو بیت گیا ؎

یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

آج بفضلہ تعالیٰ پورے ملک میں ایک ذہنی اور عملی انقلاب آ چکا ہے

من گھڑت نظریات کے بُت کچھ ٹوٹ چکے ہیں کچھ ٹوٹ رہے ہیں اور اصل حقائق اپنی تمام تر رعنائیوں اور جلوہ آرائیوں کے ساتھ بے حجابانہ انداز میں منظرِ عام پر آ رہے ہیں۔

اب باآسانی عام لوگ حق و باطل اور صحیح وسقیم میں امتیاز کرنے لگے ہیں۔ سچ ہے کہ الحق یعلو ولا یُعلیٰ علیہ حق بڑی طاقت ہے۔

ے کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر ؛ پردہ میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب ہدایت انتساب کی اشاعت کے بعد ان بچے کھچے لوگوں کی باسی ہانڈی میں ایک بار پھر ضرور اُبال آئے گا اور اگر انکے سب وشتم اور الزام و اتہام کے ترکش میں ہنوز کوئی تیر باقی ہے تو وہ اُسے بھی چلائیں گے اور نہ معلوم کیا کیا مذبوحی حرکات کریں گے مگر ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

ے وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

وہ اپنا کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے اور ہم اپنا کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے اگر بندہ کا اپنے خدا سے معاملہ ٹھیک ہو تو وہ کبھی لوگوں کی ہاؤ ہُو کی پرواہ نہیں کرتا اور ویسے بھی ے

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج ؛ مشکلیں مجھ پہ پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

خالقِ کون ومکان کا خاص لطف وکرم اور امام زمان کی نگاہِ عنایت اپنے ساتھ ہے اسلئے ے

رمیر وزیر ہیں مری نظر میں مُشتِ خاک ؛ پہنچا سکی نہ گردشِ دوراں مجھے گزند

لہٰذا میں آج متوکلاً علی اللہ ومتوسلا بالنبیّ وآلہ اپنے تمام مخالفوں اور معاندوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بہ بانگِ دُہل کہتا ہوں کہ

"اجمعوا کیدکم ثم لا تنظرون ۝ ان ولیّ اللہ الذی نزّل الکتٰب وھو یتولّی الصّٰلحین ۝

یا تم اپنے سب مکروفریب اکٹھے کر لو۔ اور مجھے مہلت نہ دو [مگر تم میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے] کیونکہ میرا سرپرست وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی۔ اور وہی صالحین کی سرپرستی کرتا ہے۔"

؎

احب الصالحین ولست منھم ؛ لعلّ اللہ یرزقنی الصلاحا

الحمدللہ ع میری فروتنی نے کیا مجھ کو ارجمند

اس کتاب کا طریقۂ اصلاح

مَیں نے اس کتاب میں اعتقادات سے لیکر عبادات تک اور معاملات سے لیکر ہر شعبۂ حیات تک جاری اور رائج رسوم و عادات تک جہاں جہاں غلط عقائد و اعمال اور غلط رسم و رواج کی نشاندہی کی ہے اور انکی بیخ کنی کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے وہاں قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان اور علمائے اعلام کے کلام و بیان کی روشنی میں پہلے صحیح اسلامی و ایمانی حقائق و معارف اور صحیح اور جامع ہدایات بھی مختصر مگر جامع انداز میں پیش کر دیئے ہیں تاکہ ابطال باطل کے ساتھ ساتھ احقاق حق کا فریضہ بھی ادا ہو جائے۔ اور جہاں تنقید کے کدالوں سے فرسودہ اور کج مج عمارت کو مسمار کیا جائے وہاں قرآن و سنت کے اوزاروں سے صحیح عمارت کا سنگِ بنیاد رکھ کر اسے بلند بھی کیا جائے۔ اور جب رسمی اسلام کی قلعی کھولی جائے تو اصلی اسلام کا نمونہ بھی قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جائے ــــ تاکہ حق و باطل کے دونوں رُخ سامنے آجانے سے حق و باطل میں تمیز کرنا آسان ہو جائے۔

ع وَبِضِدِّھَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ

مجھے یقین کامل ہے کہ میری یہ مخلصانہ کاوش و کاہش جہاں خدا و مصطفیٰ اور ائمۂ ھُدیٰ کی بارگاہ میں ضرور بار پائے گی۔ اور جہاں میری اخروی نجات بلکہ بلندیٔ درجات کا باعث بنے گی وہاں قوم و ملت کے ارباب عقل و انصاف کو پسند بھی آئے گی اور ان سے خراج تحسین بھی وصول کرے گی اگرچہ ع

نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

اسی طرح یہ بھی امید واثق ہے کہ میری عزیز قوم کا وہ اکثریتی طبقہ جس کی خاطر یہ سب سعی و کوشش کی گئی ہے۔ وہ ناراض ہونے کی بجائے مجھے اپنا سچا اور مخلص خیر خواہ سمجھ کر اس کتاب کی سرسبز و شاداب روشوں سے فائدہ اٹھائے گا۔ اور اس نورِ ہدایت کی روشنی میں اپنے حالات و واقعات پر نظر ثانی کی زحمت گوارا کر کے اصلاح احوال کر کے جہاں عند اللہ ماجور ہوگا وہاں عند الناس مشکور بھی ہوگا ـــــ اور اس دعاگو کو اس کی حیات و ممات میں اپنی دعائے خیر سے فراموش نہیں کرے گا۔

ے

ہر کہ خواند دُعا طمع دارم ⁘ زانکہ من بندۂ گنہگارم

آئیے! سب یہ نعرہ لگا کر

کہ! سے

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم ⁘ ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایمان بن گئیں

میدان عمل میں قدم رکھیں اور دنیا کو کچھ کر کے دکھائیں ـــــ میں اپنی قوم و ملت سے ہرگز مایوس نہیں ہوں۔ بلکہ مجھے یقین ہے اور اس یقین کی بنیاد طویل تجربہ و مشاہدہ پر ہے کہ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

شمعِ محفل خفتہ بود و شوقِ صحبت رفتہ بود ٭ آتش افگندم بمجلس بال بر مجمر زدم

اللھم اجعلہ خالصاً لوجھک الکریم واجعلہ
وسیلۃ لھدایۃ عبادک المخلصین وانفعنی بہ
وجمیع المؤمنین یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا
مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ بجاہ النبیؐ و آلہ الطاہرین

وانا الاحقر

محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہ

بمقام سٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا — ۱۴ ر ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ

بمطابق ۱۵ ر جون ۱۹۸۴ء

بروز جمعہ ایک بجے دن

نظرِ ثانی

۱۷ ر ماہِ صیام ۱۴۱۱ھ / ۳ ر اپریل ۱۹۹۱ء

بروز بدھ اڑھائی بجے دن وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥

دیباچہ طبع چوتھا خدا کے فضل و کرم سے وہ وقت آگیا کہ اس کتاب مستطاب کا چوتھا ایڈیشن نقاش نقش ثانی بہتر کشد از اول کے مصداق ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہو کر ابناء قوم و ملت کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ والحمدللہ

وانا الاحقر محمد حسین النجفی عفی عنہ
سرگودھا
۳۱ ر مارچ ۱۹۹۹ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ الذی ھدٰنا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدٰنا اللّٰہ

وَالصلوٰۃ وَالسلام علی خاتم انبیاء اللّٰہ وَعلی الائمۃ الھداۃ خلفاء

رسول اللّٰہ وَ اللعنۃ الدائمۃ علی اعدائھم اعداء اللّٰہ من یوم

عداوتھم الی یوم لقاء اللّٰہ   اَمّا بَعۡدُ !

بدعات اور رسوم ورواج کے اقسام کا بیان

مخفی نہ رہے کہ وہ بدعات وتحریفات اور وہ غلط رسوم ورواج جن کے خلاف ہم قلم بدست ہوکر مصروف جہاد میں ان کی چند قسمیں ہیں (۱) بعض کا تعلق انسان کے عقیدہ کے ساتھ ہے اور (۲) بعض کا اس کی عبادت کے ساتھ (۳) بعض کا تعلق اس کے معاملات سے ہے (۴) اور بعض کا تعلق اس کی شادی وغم کے ساتھ ہے (۵) اور بعض کا تعلق اس کی نجی یا مجلسی، سیاسی و معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی کے مختلف شعبوں کے ساتھ بنابریں طبعی ترتیب کے مطابق ہم سب سے پہلے ان بدعات وتحریفات کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا تعلق انسانی عقیدہ کے ساتھ ہے ـــــ کیونکہ عقیدہ ہی انسان کے دین ومذہب کا سنگِ بنیاد ہے مگر ہم حسبِ وعدہ پہلے حقیقی واصلی اسلام کا اجمالی خاکہ پیش کریں گے اور اس کے بعد عقائدی بدعات وتحریفات کا اجمالی تذکرہ کریں گے۔ ھٰذِہٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ؕ

پہلا باب:

حقیقتِ اسلام کا مختصر مگر جامع بیان

جس طرح پانی کا چشمہ جب سرچشمہ سے نکلتا ہے تو بالکل صاف وشفاف ہوتا ہے اور ہر قسم کے خس وخاشاک سے پاک وصاف ہوتا ہے۔ البتہ پھر بہتے ہوئے جوں جوں اپنے مرکز سے دور ہوتا جائے توں توں راستہ میں مختلف قسم کے خس وخاشاک کی آمیزش سے برابر گدلا ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ وہ اپنی اصلیت کھو بیٹھتا ہے اور بالکل ناقابلِ استعمال ہو جاتا ہے۔

بلاشبہ اسلام کی حالت بھی کچھ ایسی طرح ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ اپنے مرکز سے نکلا تھا تو چشمہ صافی کی مانند بالکل صاف ستھرا تھا اور ہر قسم کے عقیدتی ونظریاتی انحراف، عملی اعتساف، ہر قسم کے بدعتی گرد وغبار اور ہر قسم کی ایچ پیچ سے اس طرح پاک وصاف اور اس طرح فطری طور پر سادہ وصریح تھا کہ جسے ایک جاہل سے لیکر عالم تک، دیہاتی شتربان سے لیکر شہری فلسفہ دان تک، عورت سے لیکر مرد تک اور بچوں سے لیکر بوڑھوں تک سب لوگ بغیر کسی ہچکچاہٹ اور بغیر کسی رکاوٹ کے سمجھ سکتے تھے۔

خود بانیٔ اسلام علیہ السلام نے اسکے سہل وسادہ اور آسان ہونے پر فخر

کرتے ہوئے اپنے اعلان رسالت کے ساتھ پہلے ہی دن یہ اعلان فرمایا تھا کہ۔

"جئتکم بشریعة سهلة سمحاء"

"میں تمہارے پاس ایک ایسی شریعت لایا ہوں جو بالکل سہل اور آسان ہے"

خالق مہربان نے بھی قرآن میں یہی اعلان فرمایا ہے کہ

"یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ الْعُسْرَ"

"اللہ تمہاری آسانی و آسائش چاہتا ہے تمہاری تنگی و تکلیف نہیں چاہتا"

مگر مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ جوں جوں اسلام اپنے مرکز سے دور ہوتا گیا تو اس میں کہیں فلسفہ یونان کی غلاظت کہیں کلامی موشگافیوں کی کدورت اور کہیں ذاتی خیالات و قیاسات کی گرد و غبار شامل ہوتی گئی اور رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ آج اسلام ایک ایسا معمہ و چیستان بن کر رہ گیا ہے کہ جس کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے نہ صرف عوام بلکہ بڑے بڑے عربی دان، علماء کرام اور فضلاء عظام سر بہ گریبان اور یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں ؎

تھک تھک کے ہر مقام پہ ناکام رہ گئے ؞ تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں؟

آج کیفیت یہ ہے کہ اسلامی اصول میں اختلاف، فروع میں اختلاف عبادات میں اختلاف، معاملات میں اختلاف، عقود میں اختلاف اور ایقاعات میں اختلاف، تفسیروں میں اختلاف، حدیثوں میں اختلاف اور تاریخوں میں اختلاف الغرض! ہر طرف، ہر جگہ اور ہر چیز میں اختلاف ہی اختلاف نظر آتا ہے بقول شاعر۔

تخالف الناس حتی لا اتفاق لهم ؞ الا علی شجب والخلف فی الشجب

اس اختلاف و افتراق کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج ایک اسلام کی تہتر تعبیریں اور ایک قرآن کی تہتر تفسیریں منظرِ عام پر آگئی ہیں۔

ان حالات میں حقیقت اسلام کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہیں ہے کیونکہ یہاں تو اب ع

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

والا معاملہ ہے ہاں البتہ جس چیز سے مایوسی کے بادل چھٹتے ہیں اور حوصلہ بلند ہوتا ہے وہ ہے خدائے رحمٰن کا یہ وعدہ اور مژدۂ جانفزا کہ

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا

(جو لوگ حق و حقیقت کو تلاش کرنے کی پوری پوری مخلصانہ کد و کاوش کرتے ہیں ہم انکو اپنے راستے دکھا دیتے ہیں) [صدق اللہ العلی العظیم]

چنانچہ ہم نے خداوند عالم کے اسی سچے وعدہ پر بھروسہ کرتے ہوئے حب آباؤ اجداد کی تقلید کا پٹہ توڑ کر ہر قسم کے مذہبی و گروہی تعصب کا دامن چھوڑ کر اور عدل و انصاف کا دامن مضبوطی سے تھام کر اور کمر ہمت باندھ کر تحقیق کے ناپید اکنار سمندر میں غوطہ زنی شروع کی تو بفضلہ تعالےٰ و حسن توفیقہ اسکے قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے کلام حق ترجمان کی... روشنی و راہنمائی میں ہماری اصل حقیقت تک رسائی ہو گئی (والحمد للہ)

ع

بس جور کشیدیم دریں راہ کہ بریدیم ❊ المنۃ للہ کہ بمقصود رسیدیم

پھر ہم نے بخل سے کام نہیں لیا۔ بلکہ اس تحقیق کے اس بحرِ عمیق میں غواصی کرتے کے نتیجہ میں ہمیں جو جواہر آبدار اور لئالئ تابدار یا دُرہائے شاہوار ملے ہیں وہ بعینہٖ ہم نے بے کم و کاست اپنی تقریروں اور تحریروں بالخصوص احسن الفوائد اور

اصول الشریعہ، قوانین الشریعہ، تجلیات صداقت اور سعادۃ الدارین وغیرہ میں ابناءِ ملک و ملت کے سامنے رکھ دیئے ہیں ؎

زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

تو چونکہ وہ گیلری بڑی خاصی بڑی طویل و عریض تھی جس میں وہ جواہر سجے ہوئے تھے جس سے انتخاب کرنا بھی ایک مسئلہ تھا تو یہ کام بھی بعونہٖ تعالیٰ ہم نے خود انجام دیکر معاملہ اور بھی آسان کر دیا، وہ اس طرح کہ جب ہماری یہ موجودہ کتاب لکھی جا رہی تھی جس کا اصل موضوع ہی اصلی اور رسمی اسلام کا باہمی فرق و امتیاز ظاہر کرنا ہے تو مناسب سمجھا گیا کہ دوسرے موضوعات کی طرح عقائد کے متعلق بھی مختصر مگر جامع و مانع طریقہ پر حقیقت اسلام پیش کر دی جائے لہٰذا اس کے بعد تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتے ہوئے مختصراً یہ بھی بتا دیا جائے کہ ان میں انحراف، اعوجاج پیدا کرنے اور بدعات و تحریفات کے گرد و غبار سے اسکے مقدس منور چہرہ کو داغدار و عیب دار بنانے کی کس طرح.. شعوری یا غیر شعوری کوششیں کی گئیں اور ان کی وجہ سے اسلام کیا سے کیا بن گیا۔ ہمارا اصل مقصد جہاں طالبانِ حق و جویانِ حقیقت کے لئے ہدایت و راہنمائی کا فریضہ ادا کرنا ہے۔ وہاں اہلِ عناد و لداد پر اتمام حجت کرنا بھی ہے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَاللَّهُ
مِنْ وَرَاءِ الْقَصْدِ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

سو واضح ہو کہ اسلام مجموعہ ہے عقائد و اعمال کا ــــــ عقائد وہ جو عمل کا احساس پیدا کرنے والے ہیں۔ اعمال وہ جو عقیدہ پر چلا کرنے والے ہیں۔

عقائد وہ جو تمام خلائق کے مقابلہ میں خودداری اور خوداعتمادی — پیدا کرنے والے ہیں اعمال وہ جو دنیا کی شیرازہ بندی کرنے والے اور اجتماعی نظام کو قوت پہنچانے والے ہیں عقائد وہ جو اصلاح کی دعوت دینے والے ہیں۔ اعمال وہ جو اصلاح کے مقصد کی تکمیل کرنے والے ہیں۔

اسلام کی حقیقت کے لیے اگر ہم ایک جامع لفظ تلاش کرنا چاہیں تو وہ صرف فرض شناسی ہے اسی کو وسعت دیجئے تو عقائد و اعمال کی پوری دنیا آجائے گی۔ تمام عقائد اس فرض شناسی کے جذبہ کو بیدار کرنے والے اور تمام اعمال اسی فرض شناسی کے خارجی مظاہرے ہیں اسی فرض شناسی میں حقوق اللہ داخل ہیں۔ اسی میں حقوق الناس اسی میں اچھائیوں کی پابندی مضمر ہے اور اسی میں برائیوں سے علیحدگی۔ اسی میں حاکم (نبی و امام) کی اطاعت درج ہے اور اسی میں نظام اجتماعی کا استحکام اور مرکز کا متحد ہونا بھی مشترک فرائض کی تکمیل کی ایک لازمی شرط ہے۔

الغرض! حقیقت اسلام ایک بلند اور کامل نصب العین ہے جس میں عقائد کے علاوہ کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ بھی داخل ہیں — بلند مقاصد کی حفاظت کے لیے۔ جانبازی بھی اس کا ایک جزو ہے اور نظامِ عسکری بھی ان مقاصد کے تحفظ کے لیے ضروری ہے

[از افادات سید العلماء اعلی اللہ مقامہٗ]

اصول اسلام وایمان

اگر اسلام وایمان کے اصول کو یکجا کیا جائے تو وہ حسبِ ذیل پانچ بنتے ہیں۔

(۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوت (۴) امامت (۵) قیامت

جن میں سے پہلی، تیسری اور پانچویں اصل اصول اسلام ہیں کہ جن کے اقرار سے بندہ مسلمان اور انکار سے کافر بن جاتا ہے اور باقی دوسری اور چوتھی اصل اصولِ ایمان ہیں جن کے ماننے سے انسان باایمان اور انکار سے بے ایمان بن جاتا ہے۔

اب ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ان اصول خمسہ کی تھوڑی تھوڑی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

توحید: یہ عقیدہ اسلام کا اصل الاصول ہے اور بنیاد اساسی ہے اس میں تمام عالمِ انسانیت کو ایک مشترکہ نقطہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ جو سب کا مرکز ہے۔ ہزار در ہزار نسل ــــــ رنگ، وطن اور قوم کے تفرقوں کے باوجود دنیا ایک نظام میں منسلک ہو جاتی ہے کہ سب کا خالق، سب کا مالک، سب کا پالک، اور سب کا معبود و مسجود ایک ہے ــــــ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہے ہر چیز کو جانتا ہے

وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک اس کا مثال اور مثیل نہیں ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ زمان و مکان سے ماوراء ہے۔

ساری کائنات اس کی محتاج ہے مگر وہ سب سے بے نیاز ہے وہ حاجت روا اور حقیقی مشکل کشا ہے۔ وہی بیماروں کو شفا دیتا ہے اور وہی ہماری دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ تمام کائنات اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے وہی بلا شرکت غیرے اس میں متصرف ہے تمام جہان کا چلانے والا ہے اُس کی ذات وہ ہے جس کے لیے فنا نہیں ہے وہی پیدا کرتا ہے وہی رزق دیتا ہے وہی کھیتیاں اگاتا ہے وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے

عزت ہو یا ذلت، منع ہو یا عطا، بلندی ہو یا پستی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے ہوائیں وہی چلاتا ہے بارش وہی برساتا ہے، سورج ہو یا چاند، غرض تمام کائنات میں صرف اُسی کی حکومت ہے وہی عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی، علیم بھی ہے اور خبیر بھی — وہ نہ دنیا میں نظر آتا ہے نہ آخرت میں نظر آئے گا وہ ذات میں صفات میں افعال میں، اور عبادات میں واحد و یکتا ہے کسی چیز میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے

یہ ہے عقیدۂ توحید کے اجمال کی بقدرِ ضرورت تفصیل جو خود خداوندِ عالم نے قرآن مجید میں جابجا اور بار بار پیش فرمائی ہے سب انبیاء کی بعثت کی سب سے بڑی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ بنی نوع انسان کے سامنے خالق کائنات کی حقیقی توحید اور اُس کی معبودیت اور اس کے "اِلٰہ" ہونے کی حقیقت پیش کریں۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

"اے رسول! تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی

طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔ بس میری ہی عبادت کرو۔"

اس عقیدہ سے ایک وسیع انسانی برادری کی تشکیل ہوتی ہے جس سے ہر فرد میں دوسرے کے ساتھ اتحاد کا احساس پیدا ہوتا ہے اور سب لوگوں میں ایک ہی نصب العین کے تحت ایک مسلک پر گامزن ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور سب لوگ اپنی خواہشوں کو مشترک مقصد میں فنا کر کے اپنی خلوت و جلوت میں اپنے واحد و یکتا حاکم اعلیٰ کی رضاجوئی کے لیے متحد ہو جاتے ہیں۔

جس طرح آگ کا گرم ہونا، برف کا ٹھنڈا ہونا اور ایک اور ایک کا مل کر دو ہونا بدیہی ہے کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے بالکل اسی طرح اس عالم رنگ و بُو کے لیے قدیر و خبیر اور علیم و حکیم خالق و صانع کا ہونا اور اس کائنات ارضی و سماوی کے لیے ایک بنانے والے کا ہونا بھی ایسا بدیہی ہے کہ کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے ہمیشہ خواب غفلت میں سونے والوں کو جگانے اور منکروں کو قائل بنانے کے لیے صرف یہ تنبیہ کی ہے

اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (القرآن)

بھلا اس خدا کے وجود میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے؟

ے

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا ✿ آتش پہ مغوں نے گیت گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے ✿ غرض انکار کسی سے بھی نہ بن آیا تیرا (حالی)

یہی وجہ ہے کہ مشرکین عرب بھی خدا کے وجود کے منکر نہ تھے وہ خدا کو موجود بھی مانتے تھے، اور زمین و آسمان کا خالق و مالک بھی جانتے تھے ہاں اُن کی توحید خالص نہ تھی۔ بلکہ وہ بتوں کو خدا کا شریک مانتے تھے۔ جیسی خالص توحید اسلام نے پیش کی ہے۔ ادیانِ عالم میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی اور اس کی جیسی وضاحت سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام نے کی ہے اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔

—— اس سلسلہ میں نہج البلاغہ اور صحیفۂ سجادیہ بطور نمونہ پیش کئے جا سکتے ہیں۔

۲۔ عدل

خُدا کو عادل جاننا دراصل عقیدۂ توحید کا ہی ایک شعبہ ہے جس طرح خُدا کی ذات بلند و برتر ہے اور کامل ہے اسی طرح اُس کے افعال بھی کامل ہیں ان میں کسی قسم کے نقص، فساد اور بُرائی کا گذر نہیں ہو سکتا۔ اس کا وہ قانون جو سب بندوں بلکہ سب مخلوق میں جاری و ساری ہے وہ عدالت ہے یعنی اس کا ہر کام حکمت و مصلحت کے موافق ہے۔ وہ نہ کسی کی حق تلفی کرتا ہے نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کوئی عبث اور بے مقصد کام کرتا ہے وُہ بندوں سے بھی عدل و انصاف کا تقاضا کرتا ہے اس نے انسان کو فاعلِ مختار بنایا ہے وہ چاہتا ہے کہ بندے اس اختیار کو قانونِ عدالت کے مطابق صرف کریں عدل کی ضد ظلم ہے۔ خدا ظالموں پر لعنت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ انسان بالکل مجبور و مقہور ہے سب کچھ خدا کرتا کراتا ہے۔ یہ بھی خلافِ عدل اور خلافِ اسلام ہے۔

اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انسان بالکل مطلق العنان ہے بلکہ حقیقت الامر

وہ ہے جو بانیٔ اسلام کے چھٹے جانشین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے

"لاجبر و لا تفویض بل امر بین الامرین"

لہٰذا جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا وہ اُس کی جزا پائے گا اور جو ذرہ بھر بُرائی کرے گا وہ اُس کی سزا پائے گا۔

۳۔ نبوّت

جب یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہ ہے بھی عادل و حکیم کہ کوئی کام عبث و بے مقصد نہیں کرتا۔ تو پھر قدرتی طور انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ـــــ اس نے یہ کائنات کیوں بنائی؟ اور بالخصوص اُسنے حضرت انسان کو خلعت وجود کیوں عطا فرمایا ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے اُس کی رضا و ناراضگی کن باتوں میں مضمر ہے؟ ہماری نااہلی کی وجہ سے نہ تو وہ ہم سے کلام کرتا ہے اور نہ ہی ہم اُس سے کلام کرسکتے ہیں اس لئے عقل و شرع کہتی ہے کہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان کچھ وسیلے ہونے چاہئیں۔ جو خدا سے پیغام لیں اور مخلوق تک پہنچائیں۔

حاکم مطلق یعنی خدائے واحد و یکتا کے احکام و قوانین اسکی رعایا اور مخلوق تک پہنچانے اور ان کا عملی اجرا کرنے کرانے والوں کو ہی رسول و نبی کہا جاتا ہے۔ چونکہ نبی عام مخلوق میں خدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اور سب پر اُس کی اطاعت لازم ہوتی ہے اُس کے احکام خدا کے احکام ہوتے ہیں۔ اُس کے بالمقابل کسی کو رائے زنی، قیاس آرائی کرنے اور اُس کے فیصلے کے سامنے کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ اسلیئے عقل سلیم اور شرع قویم کہتی ہے کہ اُسے انسان اور انسان

کامل ہونا چاہیئے۔ انسان اسلیئے کہ بنصِ قرآن اشرف المخلوقات ہے اور سیرت وکردار میں کامل اسلیئے کہ اسکو ناقصوں کی تربیت کرکے انکو کامل بنانا ہے لہٰذا خود اسے معصوم عن الخطا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ـــــــ اسکو گنہگاروں کو نیکوکار بنانا ہے نیز اُسے لوگوں کی دینی ضروریات کا عالم ـــــ اور عالم بھی علمِ لدنی ہونا چاہیئے کیونکہ اسکو جاہلوں کو عالم بنانا ہے اور ان کو علمِ دین سکھانا اُسے بہادر ہونا چاہیئے کیونکہ امن ہو یا خوف۔ صلح ہو یا جنگ ہر حال میں اسکو دین پہنچانا اور پھیلانا ہے۔

الغرض! اُسے تمام انسانی کمالات سے متصف اور تمام انسانی نقائص سے پاک و صاف ہونا چاہیئے۔ تاکہ اُسکی سیرت و کردار لوگوں کے لیے ایک مثال و معیار قرار پا سکے ـــــ یہ نبوت جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی تھی عبداللہ و آمنہ کے لعل، حسنین شریفینؑ کے جدِ نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی صفات پر ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک اُن کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا ـــ اب قیامت تک اُن کے بعد اُنہی کی ذات بابرکات کا اُسوۂ حسنہ ساری کائنات کے لیے خضرِ راہ اور مشعلِ ہدایت ہے

رُخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ ٭ نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

۴ ـــ اِمامت

موت برحق ہے جس سے خدا کے سوا کوئی ہستی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

ع جب احمدِ مُرسلؐ نہ رہے کون رہے گا؟

بنابریں نبی و رسول کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد ـــ اگر رعایا کے لیے کسی مرکز کا کوئی انتظام نہ کیا جائے اور خدائی قانون کے جاری کرنے والے اور پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت کی حفاظت کرنے والے کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے

بلکہ عام لوگوں کو مطلق العنان اور انکو اپنی رائے اور مرضی کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دیدی جائے - تو نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ لوگ افتراق وانتشار کا شکار ہو جائیں گے اور نبی و رسول نے امت میں جو نظم وضبط پیدا کیا تھا اور جس طرح مختلف لوگوں کی شیرازہ بندی کی تھی - اس کا شیرازہ بکھر جائیگا - اور اس طرح نبی و رسول کی آمد اور تقرری کا جو مقصد تھا وہ فوت ہو جائے گا - لہٰذا خدائے حکیم کے لیے محال ہے کہ وہ ایسا کرے اور اپنے کیے پر خود پانی پھیرے -

بنا بریں امت کو انتشار سے بچانے، اس کے لیے مرکز قائم کرنے، اور نبی کے بعد خدا کے قانون کو چلانے اور نافذ کرنے کا نام عقیدۂ امامت ہے، جو ذات نبی و رسول مقرر کرتی ہے وہی ذات اُن کے جانشین کا انتظام کرتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ امامت نص ہے اجماعی یا شورائی نہیں ہے جس طرح ہر شخص نبی و رسول نہیں بن سکتا - بلکہ اس کے کچھ خصوصیات ہیں جو اس میں پائے جانے ضروری ہیں جیسا کہ ابھی اوپر انکو ضروری وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے - اسی طرح ہر شخص نبی کا قائم مقام بھی نہیں ہو سکتا - کیونکہ جس طرح نبی خدا کا نمائندہ ہوتا ہے جس طرح نبی کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوتی ہے اسی طرح امام کی اطاعت خدا و رسول کی اطاعت ہوتی ہے -

الغرض اس مرکز میں اصلی حکومت خدا کی ہوتی ہے اور اس کی نمائندگی ہیں رسول اور اس کے جانشین مرکز اتباع ہوتے ہیں اور نظام اسلام چلاتے ہیں - اسی لیے نبی کی طرح امام کے لیے بھی عصمت، علم لدنی اور شجاعت ضروری ہے، خلاصہ یہ کہ کسی نبی کی مسند کا وارث وہ ہوگا جو نبی کے اوصاف وکمالات کا آئینہ دار نظر آئے -

پیغمبر اسلام کے بعد اس معیار امامت پر صرف بارہ[۱۲] ائمہ اہل بیت علیہم السلام

ہی پورے اُترتے ہیں لہٰذا خلافتِ الٰہیہ اور امامتِ ربانیہ کے علمبردار اور حق دار صرف وہی ذواتِ مقدسہ ہیں ۔

علی ہے نفسِ مصطفےٰ وہی سب انہیں عادتیں ٭ بپھر بپھر اگیا دکھائیں وہ شجاعتیں
زمیں جگمگا اٹھی وہ دل سے کیں عبادتیں ٭ تن ابوتراب سے چمک رہی تھیں آیتیں

رکوع میں، سجود میں، قیام میں، قعود میں ۔۔۔ اور مخفی نہ رہے کہ اگر کسی وقت امام برحق تک دسترس نہ ہو سکے (جیسا کہ موجودہ دور میں یہی صورت حال ہے) تو جو حضرات عمومی طور پر نائب امام ہونگے یعنی علمائے اعلام وہی مرکز اُمت بن کر نظامِ اسلام چلائیں گے اور تبلیغ اسلام اور اس کی حفاظت کا فریضہ ادا فرمائیں گے ۔

۵۔ قیامت

خداوند عالم کے مقرر کردہ نظام اسلام کی پابندی اور اُسکے مقرر کردہ نبیوں، رسولوں اور اُن کے صحیح جانشینوں کی اطاعت کرنے والوں کے لیے جزا اور مخالفت کرنے والوں کے لیے سزا کا انتظام واہتمام اشد ضروری ہے تاکہ مطیع وفرمانبردار اور عاصی ونافرمان کے درمیان امتیاز کیا جاسکے اسی جزا اور سزا والے دن کو قیامت کا دن کہتے ہیں ۔

قرآن مجید کا بہت سا حصہ قیامت کی (حقائیت) اور اُسکی تفصیلات بیان کرنے سے برُ نظر آتا ہے ۔

فروعِ دین

انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ترقی اور اسے بنانے سنوارنے کی

خاطر خالق حکیم نے کچھ احکام جاری کئے ہیں اور کچھ فرائض مقرر کئے ہیں کچھ حقوق اللہ اور کچھ حقوق الناس معیّن فرمائے ہیں۔

الغرض! خدائے حکیم نے انسان کی دنیوی زندگی کی اصلاح اور اُخروی فوز وفلاح کے لیے کچھ عبادات، کچھ معاملات اور کچھ عقود اور کچھ ایقاعات، مقرر کئے ہیں۔ جن کو بالکل اسی طرح بجالانا ضروری ہے جس طرح خدا نے بنائے اور بانیٔ اسلام نے پہنچائے ہیں اپنی ذاتی رائے وقیاس سے اُن میں کسی قسم کی کمی بیشی یا ترمیم وتنسیخ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

انہیں چیزوں کے مجموعے کا نام ہے "فروع دین" جن کی پیروی کرنا ایک مسلمان کے لیے اس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر اسلام کا مقصد ہی حاصل نہیں ہوسکتا ——— یہاں اُن چیزوں کی تفصیلات میں جانا مقصود نہیں (کیونکہ اُن کا اصلی مقام فقہ ہے جہاں سب اوامر ونواہی اور سب حقوق وفرائض تفصیلاً مذکور ہیں ——— ہم نے بھی بفضلہٖ تعالےٰ قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ میں بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ ان کو بیان کردیا ہے۔

تفصیلات دیکھنے کے خواہش مند حضرات وہاں رجوع فرمائیں) یہاں تو صرف یہ بتانا مطلوب ہے کہ اسلام کا مقصد ایک ایسی قوم پیدا کرنا ہے جو اپنے خالق ومالک کی بادشاہت کو دل وجان سے تسلیم کرے اور اپنی رائے وقیاس اور ذاتی خواہشات واختراعات کو چھوڑ کر اس کے مقرر کردہ حاکم (رسولؐ) اور اس کے حقیقی نائبین ——— یعنی آئمہ طاہرین کے احکام پر بڑی مضبوطی واستواری کے ساتھ عمل کرے۔ تاکہ وہ ہر قسم کے تشتت، وافتراق اور باہمی اختلافات سے بچتے ہوئے شاہراہ ترقی پر گامزن ہوسکے اور اس طرح دنیا میں عزت وعظمت کے ساتھ زندگی گزار کر آخرت میں دائمی فوز وفلاح حاصل کرسکے۔

[وذالک ھوالفوز المبین] هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ - (القرآن)

تذنیب

انسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ جامع حدیث شریف پیش کر دی جائے جو اکثر عقائدِ اسلامیہ و ایمانیہ پر مشتمل ہے جسے رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "التوحید" میں درج فرمایا ہے۔ اور اس سے دوسرے علماءِ اعلام نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ چنانچہ جناب شہزادہ عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی بیان کرتے ہیں کہ (بحذف الاسناد)

دخلت علی سیدی علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہم فلما بصرنی قال مرحبا بک یا ابا القاسم انت ولینا حقا قال قلت یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم انی ارید ان اعرض علیک دینی فان کان مرضیا ثبت علیہ حتی القی اللہ عزوجل فقال ھاتھا یا ابا القاسم فقلت انی اقول ان اللہ تبارک وتعالیٰ واحد لیس کمثلہ شیٔ خارج من الحدین حد الابطال وحد التشبیہ وھو انہ لیس بجسم ولا صورۃ ولا عرض ولا جوھر بل ھو مجسم الاجسام ومصور الصور وخالق الاعراض والجواھر ورب

کل شیٔ و مالکه وجاعله و محدثه وانّ
محمداً عبدہ ورسولہ خاتم النبیّین فلا نبی
بعدہ الی یوم القیمۃ واقول ان الخلیفۃ و
ولی الامر من بعدہ امیرالمومنین علی بن ابی
طالب ثم الحسن ثم الحسین ثم علی بن الحسین
ثم محمد بن علی ثم جعفر بن محمد ثم موسیٰ
بن جعفر ثم علی بن موسیٰ ثم محمد ابن
علی ثم انت مولیٰ فقال علیہ السلام ومن
بعدی الحسن ابنی۔ فکیف للناس بالخلف
من بعدہ قال فقلت وکیف ذاک یا مولائی قال
لانہ لایری شخصہ ولایحل ذکرہ باسمہ
حتی یخرج فیملأ الارض قسطاً وعدلاً کما
ملئت جوراً وظلماً فقلت اقررت واقول
ان ولیهم ولی اللہ وعدوهم عدو اللہ وطاعتهم
طاعۃ اللہ ومعصیتهم معصیۃ اللہ واقول ان
المعراج حق والمسئلۃ فی القبر حق وان
الجنۃ حق والنار حق والصراط حق والمیزان
حق وان الساعۃ اٰتیۃ لاریب فیها وانّ اللہ
یبعث من فی القبور واقول وان الفرائض الواجبۃ
بعد الولایۃ الصلوٰۃ والزکوٰۃ والصوم والحج
والجهاد والامر بالمعروف والنهی عن المنکر

فقال علی بن محمد علیہما السلام یا ابا القاسم هذا واللہ دین اللہ الذی ارتضاہ لعبادہ فاثبت علیہ ثبتك اللہ بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا والاٰخرۃ۔

ترجمۂ حدیث اس جلیل القدر حدیث کی شرح و بسط کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے لیکن ہم بہ تقاضائے وقت و گنجائش صرف اس کے مطلب خیز ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

"حضرت شہزادہ عبدالعظیم بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار اپنے مولا و آقا حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ جب آنجناب نے مجھے دیکھا تو فرمایا مرحبا اے ابوالقاسم! تم ہمارے حقیقی موالی ہو۔ میں نے عرض کیا فرزندِ رسول! میں چاہتا ہوں کہ اپنا دین و اعتقاد آپ کی خدمت میں پیش کروں تاکہ اگر پسندیدہ ہو تو تا زیست اس پر ثابت قدم رہوں (بصورت دیگر اسے عدول کروں) امام عالی مقام نے فرمایا ہاں اے ابوالقاسم پیش کرو! میں نے عرض کیا (توحید کے بارے میں) میرا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند عالم (ذات و صفات میں) واحد و یگانہ ہے کوئی بھی اس کا ہمسر و نظیر نہیں ہے وہ ابطال و تشبیہ کی دونوں حدوں سے خارج ہے [نہ تو وہ معطل محض یعنی معدوم ہے اور نہ ہی ذات و صفات میں مخلوق کی مانند ہے] اور نہ وہ جسم و صورت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ عرض و جوہر کی قسم سے ہے بلکہ وہ جسموں کو جسم بنانے والا، صورتوں کو صورت عطا کرنے والا اور اعراض و جواہر کا خالق ہے وہی

خالق اپنی مخلوق اور صانع اپنی مصنوع کے ساتھ کیونکر متصف ہو سکتا ہے؟) وہ کائنات کی ہر چیز کا رب اور خالق و مالک ہے۔ اور نبوت کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ سبحانہٗ کے بندۂ خاص، اس کے رسول اور تمام انبیاءؑ کے سلسلہ مبارکہ کے ختم کرنیوالے ہیں۔ اب قیامت تک ان کے بعد کوئی (نیا یا پرانا نبی بحیثیت نبی) نہیں آسکتا (اور امامت کے بارے میں) میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسالت مآبؐ کے بعد ان کے جانشین امام برحق اور ولئ امر حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب ہیں۔ اُن کے بعد حضرت امام حسنؑ، اُن کے بعد امام حسینؑ پھر حضرت علیؑ بن حسینؑ پھر حضرت محمد بن علیؑ پھر حضرت جعفر بن محمدؑ پھر حضرت موسےٰ بن جعفرؑ پھر حضرت علی بن موسےٰ پھر حضرت محمد بن علیؑ اور اُن کے بعد آپ امام برحق ہیں۔ جب شہزادہ عبد العظیم کا سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تو امام عالی مقام نے فرمایا۔ اور میرے بعد میرا بیٹا حسنؑ (عسکری) امام ہوگا۔ اور اُس وقت لوگوں کی کیا حالت ہوگی۔

جب حسن عسکریؑ کے خلفؑ (صالح) کا دور ہوگا۔ شہزادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ میرا آقا اُس وقت کیا حالت ہوگی؟ امام نے فرمایا (بوجہ غیبت کبرٰے) نہ تو وہ دکھائی دیں گے اور اُن کے ظہور تک اُنکو اُن کے حقیقی نام (م ح م د) سے یاد کرنا بھی ممنوع ہوگا۔

ہاں جب ظہور فرمائیں گے تو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر

دیں گے۔ جس طرح اس سے قبل ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔

شہزادہ کا بیان ہے کہ میں نے (یہ سنکر) عرض کیا میں ان کی امامت، و خلافت کا بھی اقرار کرتا ہوں (پھر اپنے عقائد کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا) اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص ان ائمہ اہل بیتؑ کا دوست ہے وہ خدا کا دوست ہے اور جو ان کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ (جسمانی) معراج (رسولؐ) برحق ہے اور قبر میں سوال وجواب کا ہونا بھی برحق ہے اسی طرح جنت وجہنم کا وجود بھی برحق ہے۔

اسی طرح پل صراط اور اعمال کا میزانِ عدل پر تولا جانا بھی برحق ہے اور یہ کہ قیامت ضرور آئے گی اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہے۔ ایک دن ضرور خدا تعالیٰ مردوں کو زندہ کریگا۔ اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ولایت اہلِ بیتؑ کے بعد مندرجہ ذیل امور (اہم) واجب ہیں۔

نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے (یہ اعتقاداتِ حقہ سماعت فرماکر) فرمایا اے ابوالقاسم! خدا کی قسم! یہی وہ خدا کا (پسندیدہ) دین ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

[ان الدین عند اللہ الاسلام ومن یبتغ غیر الاسلام
دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین]

اس پر ثابت قدم رہو۔ خدا تمہیں دنیا وآخرت میں اس پر ثابت قدم رکھے۔"

(عماد الاسلام ج ۱)

[دوسرا باب: عقائدِ اسلامیہ میں تحریفات و بدعات کا بیان]

جیسا کہ پہلے باب کی ابتدا میں عرض کیا گیا ہے کہ اسلام جوں جوں اپنے چشمۂ صافی سے دور ہوتا گیا توں توں اس میں کہیں فلسفہ کی غلاظت، کہیں علمِ کلام کی کدورت اور کہیں ذاتی خیالات و قیاسات کی گرد وغبار شامل ہوتی گئی۔ اور اس کا مقدس حلیہ بگاڑتی گئی۔

مناسب سمجھا گیا کہ اس باب میں بڑے اختصار کے ساتھ ان کدورتوں اور کثافتوں کا اجمالی تذکرہ کر دیں تاکہ اصل و نقل میں امتیاز کرنا آسان ہو جائے اور پھر ان عقائدی تحریفات و بدعات سے دامن بچانا سہل ہو جائے اور اصلی اسلام کا مقدس چہرہ اپنی پوری تابناکی کے ساتھ جویانِ حق و حقیقت کے سامنے جلوہ گر ہو جائے۔

چنانچہ فاضل شبلی نعمانی اپنی کتاب علم الکلام کے ص ۱۵۸ طبع لاہور پر ان مسائل میں سے بعض کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سب سے بڑی غلطی متاخرین سے یہ ہوئی کہ سینکڑوں وہ باتیں جن کو نفیاً یا اثباتاً مذہبِ اسلام سے چنداں تعلق نہ تھا۔ عقائد اسلام میں شامل کر لی گئیں اور علم کلام کا بڑا حصہ ان کے اثبات و استدلال میں صرف ہو گیا۔ شرح مواقف اور شرح مقاصد وغیرہ سے مسائل اعتقاد کا انتخاب کرو تو سینکڑوں تک تعداد پہنچے گی۔ حالانکہ ان میں سے جن کو عقائد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ دہائی سے بھی کم ہوں گے۔۔۔ نمونہ کے لیے ہم چند مسائل ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) صفات باری عین باری نہیں (۲) خدا کے ساتھ قیام حادث ممکن نہیں ہے (۳) بقا ایک صفت وجودی ہے جو اصل وجود پر زائد ہے (۴) سمع و بصر جو خدا کے اوصاف ہیں۔ تمام محسوسات سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ (۵) کلام باری میں کثرت نہیں بلکہ وہ واحد محض ہے (۶) خدا کا کلام نفسی مسموع ہو سکتا ہے (۷) استطاعت قبل فعل ہے (۸) معدوم کوئی شے نہیں۔ (۹) جسم شرط حیات نہیں (۱۰) علۃ احتیاج حدوث ہے نہ امکان ــــ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ بہت سے عقائد میں شارع نے جس قدر تصریح کی تھی اس پر اضافہ کیا گیا۔ اور ان اضافوں کو جزء عقیدہ قرار دیا گیا۔ اور چونکہ یہ ایجادات اکثر دور از کار تھیں اسلئے ان کے ثابت کرنے میں ہر قسم کی سینہ زوری صرف کی گئی جو بالکل رائیگاں گئی الخ"

سینکڑوں میں سے صرف چند مسائل کی نشاندہی فاضل شبلی نے کی ہے اور چند کی ہم کرتے ہیں۔

(۱) حقیقت شرک کیا ہے؟ اس کے سمجھنے میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا۔ (۲) اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی عالم الغیب ہے یا نہیں؟ (۳) نبی و امام کا علم کلی ہے یا جزی؟ (۴) انبیاء و ائمہ انسانی نوع کے افراد کاملہ ہیں یا اُن کی کوئی علیحدہ نوع ہے؟ (۵) نبی و امام حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟ (۶) خُدا نے نظام کائنات کا چلانا نبی و امام کے سپرد کیا ہے یا نہیں؟ (۷) وسیلہ کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور وسیلہ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ (۸) نبی و امام کے حق میں غلو ممکن ہے یا نہیں؟ اور بالآخر نوبت بایں جا رسید کہ (۹) نبی و امام کھاتے پیتے ہیں یا نہیں؟ (۱۰) نبی و امام کے زن و شوہر والے تعلقات کس

طرح ہوتے ہیں اور یہ کہ آیا وہ پیدا ہوتے ہیں یا بنے بنائے آسمان سے نازل ہوتے ہیں؟ تو آئیے ذیل میں پہلے شرک کی مذمت، اُسکی حقیقت اور اُسکی اقسام پر قدرے تفصیل کے ساتھ اور باقی مسائل پر قدرے اختصار کے ساتھ کچھ گفتگو ہو جائے۔

شرک کی مذمت اور اسکی حقیقت:

جاہلی دور کے بقیۃ السیف اُن غلط عقائد و نظریات میں سے جو اسلام کی کفر کُش اور شرک شکن تلوار سے بچ گئے اور بدقسمتی سے عالمِ اسلام کی اکثریت اُن کی زد میں آگئی۔ ایک مسئلہ شرک بھی ہے۔ اسلام میں شرک کو اکبر الکبائر اور ناقابلِ معافی جرم و گناہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (القرآن)

"خداوند عالم (بلا توبہ) شرک کو ہرگز معاف نہیں کرتا۔ اسکے علاوہ جو گناہ ہیں جو جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔" بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کے شرک سے پاک عقیدۂ توحید ہی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے ورنہ خداوند عالم کی ذات پر اجمالی اعتقاد و ایمان تو اسلام سے پہلے بھی تمام مذاہب و ادیان میں موجود تھا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

(اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے)

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے منقول ہے فرمایا۔

من مات ولم یشرک باللہ شیئًا دخل الجنۃ

(جو شخص اس حالت میں مرے کہ اُس نے کسی چیز کو خدا کا شریک قرار نہ دیا ہو

وہ بلاشبہ جنت میں داخل ہوگا۔ (توحید شیخ صدوقؒ)

دوسری حدیث میں یوں فرمایا۔

من مات یشرك باللہ دخل النار

جو شخص اس حال میں مرے کہ شرک کرتا ہو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

(بحار۔ج ۲)

قرآن مجید میں بھی ہے

مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ ؕ

"جو شخص شرک کرے خدا نے اس پر جنت حرام قرار دیدی ہے۔"

اس کے باوجود امتِ مرحومہ کی اکثریت کسی نہ کسی رنگ میں شرک جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہے خود خدائے علیم و خبیر خبر دیتا ہے کہ

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝

(سورہ یوسف رکوع ۶)

"اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے مگر اس حالت میں کہ وہ مشرک بھی ہوتے ہیں۔"

خلاصہ یہ کہ غیر اللہ کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو صرف خداوند عالم کے ساتھ روا رکھنا چاہیئے۔ وہ شرک ہے۔

شرک جلی و خفی:

اس شرک کی کئی قسمیں ہیں (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی۔ پھر ان دونوں قسموں کے آگے کئی کئی قسمیں ہیں۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں ان اقسام کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ [تفصیل کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب "احسن الفوائد" کی طرف رجوع فرمائیں]

شرکِ جلی کے چہارگانہ اقسام کا بیان

شرک جلی کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکِ ذاتی۔ یعنی ازلی و ابدی، حی لایموت خدا لئے واجب الوجود کی ذات والا صفات میں کسی اور کو شریک قرار دینا۔ حالانکہ وہ واحد و یکتا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

(۲) شرکِ صفاتی۔ یعنی خدا کی صفات حقیقیہ میں کسی کو شریک قرار دینا۔ چونکہ خداوند عالم کی صفاتِ حقیقیہ ذاتیہ عین ذات میں یعنی ذات و صفات میں کبھی جدائی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا — اس مرحلہ میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ باقی جس قدر مخلوق ہے اس کی صفاتِ کمالیہ زائد بر ذات ہیں۔ جس طرح اسکی ذات تخلیقِ خالق کا نتیجہ ہے اسی طرح اسکی صفات بھی عطیۂ الٰہی کا ثمرہ ہے۔

(۳) شرکِ افعالی۔ یعنی اللہ کے اُن کاموں میں کسی کو شریک قرار دینا۔ جن کاموں پر کوئی بھی مخلوق من حیث المخلوق قادر نہیں ہے۔ جیسے خلق کرنا، رزق دینا، مارنا، جلانا، اور بیمار کو شفا دینا (وغیرہ افعال تکوینیہ)۔ ارشادِ قدرت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ (پ ۲۱ سورہ روم ع ۷)

اللہ وہی تو ہے۔ جس نے پہلے تمہیں پیدا کیا پھر رزق دیا۔ پھر تمہیں موت کا ذائقہ چکھائے گا اور پھر تمہیں زندہ فرمائے گا۔ جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ ان میں کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے۔ خدا مشرکوں کے شرک سے پاک پاکیزہ ہے۔

لہٰذا اللہ کے سوا کسی کو خالق و رازق، محی و ممیت اور شافی الامراض

و قاضی الحاجات جاننا شرکِ افعالی ہے

(۴) شرکِ عبادتی۔ یعنی مقامِ عبادت میں کسی کو خدا کا شریک قرار

دینا۔ خدا کی طرح اسکی عبادت کرنا اور اسی کی طرح شدائد و مصائب

میں اُسے پکارنا ارشادِ قدرت ہے۔

"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا"

(سورۂ نوٗ نسے)

خدا ہی کی عبادت کرو۔ اور اُسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

نیز ارشادِ باری ہے

ومن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً

ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً

(پ ۱۶ سورہ کہف ع ۳)

"جو شخص اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری کی امید رکھتا ہے اُسے

چاہیئے کہ نیک عمل بجالائے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک

نہ کرے"

شرکِ جلی کی انہی چار قسموں کو (۱) ربوبیت میں شرک اور (۲) الوہیت

میں شرک بھی کہا جاتا ہے یعنی "شرک ربوبی" یہ ہے کہ غیر اللہ کو اللہ کی تقدیر

و تدبیر۔ یعنی ان امور میں شریک قرار دیا جائے۔ جن کا تعلق نظام...

ربوبیت کے ساتھ ہے جیسے مالکانہ تصرفات کرنا، پیدا کرنا، اور رزق دینا

وغیرہ اور "شرکِ الوہی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کی جائے یا

اس سے دعا مانگی جائے (جو کہ مخ عبادت ہے) کیونکہ عبادت و دعا کا حقدار

صرف پروردگار ہے جو کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا مفاد ہے

شرکِ خفی کے دہ گانہ اقسام

اس قسم کی بھی بہت سی ذیلی قسمیں ہیں۔ جیسے

۱: شرکِ توکلی: اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ وہ اپنے تمام امور میں ذات پروردگار پر توکل و اعتماد کریں۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ صرف اللہ پر توکل و بھروسہ کریں۔ لہٰذا غیر اللہ پر بھروسہ کرنا شرک توکلی ہے۔

(۱) چنانچہ ایک روایت میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کے ذمہ کوئی کام لگائے اور وہ یاد دہانی کی خاطر اپنے کپڑے کو گرہ دیدے تو اُس نے شرک کا ارتکاب کیا ہے (تفسیر صافی)

(۲) دوسری روایت میں مروی ہے کہ اگر کوئی آدمی کہیں جا رہا ہو اور دوسرا اُسے کہے کہ فلاں کام کرتے آنا اور وہ یاد آوری کے لیے انگوٹھی تبدیل کرے (ایک انگلی سے اتار کر دوسری میں پہن لے) تو یہ بھی شرک کا مرتکب ہوا ہے۔ (عین الحیات)

یہ کیوں شرک ہے؟ محض اسلیئے کہ اُس آدمی نے یاد آوری کے لیے محض غیر اللہ (گرہ یا انگوٹھی کی تبدیلی) پر بھروسہ کیا ہے

(۳) ایک روایت میں معصوم سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو گیا تھا۔ یہ شرک ہے۔ بلکہ اُسے یوں کہنا چاہیئے کہ اگر خداوند عالم فلاں آدمی کے ذریعہ سے مجھ پر احسان نہ کرتا تو میں برباد ہو جاتا۔ (تفسیر صافی)

۲۔ **شرک امری :۔** چونکہ حقیقی آمر و ناہی خدا تعالیٰ ہی ہے اُسی کا امر و نہی چلتا ہے جیسا کہ اُس کا ارشاد ہے

اَلَا لَہُ الخلق وَالامر ۔۔۔ اَلَا لَہُ الحُکم

انبیاء و اوصیاء بھی اُسی کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے کرانے اور... انہیں نافذ کرانے کے لیے آتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی اور کو اس مرتبہ میں اللہ کا شریک قرار دے تو وہ مشرک ہے۔ کیونکہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

۳: **شرک نفعی و ضرری :۔** چونکہ نفع و نقصان پہنچانا خدائے دو جہان کے قبضۂ قدرت میں ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

اِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ ط
وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔

(پارہ ۷ سورۃ الانعام رکوع ۸)

"اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کے سوا کوئی اُس کا دفع کرنیوالا نہیں ہے۔ اور اگر وہ تم کو کوئی خیر و خوبی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ

لہٰذا اگر کوئی شخص کسی اور ہستی کو نفع و نقصان کا مالک جانتا ہے اور اس سے خائف و ہراساں ہوتا ہے تو وہ مُشرک ہے۔

۴: **شرک اطاعتی :۔** چونکہ اصل بالذات اطاعت صرف خالق و مالک کی جاتی ہے یا ان ہستیوں کی جن کی اطاعت کا وہ حکم دے (کہ فی الحقیقت یہ اُسی کی اطاعت ہے) لہٰذا جن لوگوں کی اطاعت کا خدا نے حکم نہیں دیا

اُن کی اطاعت کرنا اور اُنکو ہادی و راہنما تسلیم کرنا شرک ہے۔

۵: شرک تشبیہی:- چونکہ خداوندعالم ذات و صفات اور دوسرے تمام کمالات میں بے مثل و بے مثال ہے۔ لہٰذا جو شخص اسکو مخلوق کی طرح جسم دار اور صاحبِ اعضاء و جوارح قرار دیکر تشبیہ دے وہ مشرک ہے۔

چنانچہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں

"من شبّہَ اللہ بخلقہ فھو مشرك"

(یعنی جو شخص خدا کو اُسکی مخلوق سے تشبیہ دے وہ مشرک ہے۔)

(عیون الاخبار)

۶: شرك ھوٰی پرستی: جب ایک مسلمان اپنی نماز میں یہ اقرار کرتا ہے کہ "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن"، (پروردگارا میں تیری ہی پرستش کرتا ہوں اور تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں۔)

تو اسکے لیے یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ گناہ کرتے وقت خنزیرِ شہوت اور غصہ کے وقت کلبِ غضب اور جمع مال کے وقت دیوِ حرص کے سامنے رکوع و سجود کرتا ہوا نظر آئے۔ یہ ہوٰی و ہوس پرستی شرک ہے ارشادِ قدرت ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔

(القرآن)

۷: شرک سببی و مسببی:- اس میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ خدائے حکیم نے اس عالم اسباب کی بنیاد اسباب و مسببات پر رکھی ہے یعنی ہر چیز کے وجود کو کسی دوسری چیز کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔

جیسے اولاد کے وجود کو مرد و زن کے اجتماع سے مال و دولت کو محنت و کام کرنے سے اور شفایابی کو علاج و معالجے سے مربوط کر دیا ہے مگر ایک مُوَحِّد کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے اسباب پر نہیں ہوتی یہ اسباب اُس وقت اثر انداز ہوتے ہیں جب خدا کا اذن ہوتا ہے ورنہ کہنا پڑتا ہے ؏

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا۔

لہٰذا علل و اسباب کو اثر و تاثیر میں مستقل جاننا بھی شرک خفی کی ایک قسم ہے لہٰذا اس سے بھی اجتناب لازم ہے۔

۱۸:۔ **شرکِ قسمی**:۔ امام محمد باقرؑ اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ سے مروی ہے کہ منجملہ شرک خفی کے اللہ کے سوا کسی اور مخلوق کی قسم کھانا بھی ہے۔ (تفسیر عیاشی)

نیز امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں۔

"ومن ذالک قول الرجل وحیاتک"

اس شرک خفی سے ہے آدمی کا یہ کہنا کہ "تیری زندگی کی قسم" (تفسیر عیاشی) لہٰذا اس سے بھی دامن بچانا چاہیئے (خدا کا معاملہ اس سے مختلف ہے وہ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھائے۔ مگر مخلوق کے لیے اپنے خالق کے سوا اور کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

(تفسیر صافی وغیرہ)

۱۹۔ **شرک شگونی**: کسی چیز سے شگون بدلینا۔ مثلاً کسی کام کے لیے جا رہے ہوں اور کوّے کی آواز کانوں میں پڑ جائے یا اُلّو گھر کی مُنڈیر پر بیٹھ جائے یا ۱۳ کے عدد سے واسطہ پڑ جائے یا اثنائے راہ

راہ میں کوئی پرندہ دائیں یا بائیں جانب سے پرواز کرکے گزر جائے یا اتوار و بدھ کی رات کو بیمار پرسی کرنا یا عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیان شادی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اگر کوئی آدمی ان باتوں سے شگونِ بد لے اور سفر سے لوٹ آئے۔ اور ان امور کو اپنی ناکامی و نامرادی میں مؤثر قرار دے تو یہ بھی شرک خفی ہے ـــــ پیغمبر اسلام نے شگونِ بد لینے کو شرک قرار دیا ہے (فرمایا الطیرۃ شرک) (حیوٰۃ الحیوان ج ۲ ص ۶۶)

بلکہ حق تو یہ ہے کہ تاریخوں کی سعادت و نحوست کو اس قدر اہمیت دینا کہ اُن کی وجہ سے ضروری کام معطل ہو کر رہ جائیں اور انہیں کامیابی و ناکامی میں مؤثر سمجھنا بھی اسی زُمرہ میں داخل ہے۔ جنگِ نہروان کی طرف تشریف لے جاتے وقت منجم کا جناب امیر علیہ السلام کو روکنا۔ اور یہ کہنا کہ یہ ساعت نحس ہے۔ مگر آنجناب کا اُس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تشریف لے جانا۔ اور پھر مظفر و منصور ہو کر واپس لوٹنا ایک مشہور واقعہ ہے۔

اور دوسری کتابوں کے علاوہ خود نہج البلاغہ میں مذکور ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر ان باتوں سے کسی آدمی کے دل و دماغ میں کسی قسم کا کوئی غلط خیال پیدا ہو۔ تو اُس کا علاج توکل بر خدا ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد کے سلسلہ سند سے روایت کی ہے۔

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"کفارۃ الطیرۃ التوکل"۔

کہ شگونِ بد کا کفارہ خدا پر بھروسہ ہے (روضہ کافی ص ۲۳۶)

محدث جزائری مرحوم نے انوارِ نعمانیہ میں سعادت و نحوستِ ایام کی طویل بحث کے بعد فرمایا ہے کہ ان سب چیزوں کا علاج دو چیزوں

میں ہے ایک صدقہ دینے میں اور دوسرا خدا پر توکل و اعتماد کرنے میں۔
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

۱۰:۔ شرک بدعی:۔ جو شخص کسی من گھڑت بات (بدعت قرآنی) کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور خود بھی اس پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اس کی طرف بلاتا ہے۔ اور اسی چیز پر لوگوں سے محبت یا نفرت کرتا ہے وہ مشرک ہے ـــــ خدا فرماتا ہے۔

ءٰاللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ٥

(کیا؟ اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے یا تم اللہ پر افترا پردازی کرتے ہو؟)

خداوندِ عالم تمام اہل اسلام کو بالعموم اور اہلِ ایمان کو بالخصوص ہر قسم شرک سے محفوظ رکھے۔ انہ علی کل شئی قدیر و بالاجابۃ جدیرٌ ہ

توحید کی اس قدر اہمیت اور شرک کی خوفناک مذمت کے بعد ایک درد دین رکھنے والے مسلمان کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔؟ یہی کہ وہ... توحید کے دامن کو پوری مضبوطی سے تھامے اور شرک سے کُلی اجتناب کرے۔ زہر چونکہ زندگی کا قاتل ہے تو ہر وہ شخص جسے زندگی عزیز ہوتی ہے وہ زہر کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ بلکہ جس چیز کو زہر کے چھو جانے کا بھی خیال ہو اس کے بھی قریب نہیں جاتا۔ تو جس شخص کو اپنا ایمان عزیز ہے اور وہ جانتا ہے کہ شرک سے ایمان کی موت واقع ہو جاتی ہے کیا وہ ہر قسم کے شرک سے دُور نہیں بھاگے گا؟ یقیناً بھاگے گا۔

اور جس چیز میں اسے شرک کا شائبہ بھی نظر آئے گا وہ اس کے قریب بھی نہیں جائیگا اور کسی تاویلِ علیل یا لفظی ہیر پھیر کا قطعاً سہارا نہیں

نہیں لے گا۔

واللہ الہادی الی سواء السبیل وھو خیر دلیل۔

علمِ غیب والا عقیدہ

یہ مسئلہ اوائلِ اسلام میں اسلامی معتقدات و مسلّمات میں سے تھا کہ خدا کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں مگر بعد میں رفتہ رفتہ اسے اختلافِ اُمت کی آماجگاہ بنا دیا گیا۔ بعضوں نے کہا کہ انبیاء علمِ غیب جانتے ہیں۔ بعضوں نے کہا اوصیاء بھی جانتے ہیں۔ اور بعضوں نے یہاں تک کہا کہ عام اولیاء اتقیاء بھی جانتے جو لوگ اس سلسلہ میں موشگافیاں کرتے ہیں اور دخل در معقولات دیتے ہوئے کج بحثیاں کرتے ہیں اگر اُن کو صرف غیب کی حقیقی اور جامع تعریف ہی معلوم ہو جاتی تو ان پر واضح ہو جاتا کہ خدا کے سوا کسی کو عالم الغیب کہنا درست نہیں ہے۔

الغیب ما لا یتناولہ الحواس من الامور الکائنۃ فی الحال او الماضی او الاستقبال۔

یعنی غیب ان امور کے جاننے کو کہتے ہیں جن کے علم و ادراک سے ہر قسم کے مادی حواس و ظاہری ذرائع قاصر ہوں۔ ان کا تعلق خواہ زمانۂ حال سے ہو یا ماضی سے اور خواہ استقبال سے۔

(ملاحظہ ہو شرح اصول کافی از علامہ مازندرانی)

بنا بریں ظاہر ہے کہ صرف خدا کے علم کو ہی علم غیب کہا جا سکتا ہے

مخلوق کا وہ علم جو رمل و نجوم وغیرہ سے حاصل ہو یا کسی دوربین یا کسی اور ذریعہ سے حاصل ہو وہ علمِ غیب نہیں ہے۔

چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

(پ ۲۰ سورۃ نمل ع ۱)

ترجمہ: "کہہ دو جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے یا جو کوئی زمین میں ہے اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا"

عام مخلوق کی غیب دانی کی اس عمومی نفی کے اعلان کے بعد... خدائے حکیم نے جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے اُن کے عالم الغیب ہونے کی نفی کا اعلان یوں کرایا ہے

"قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول انی ملک ؕ ان اتبع الا ما یوحی الی"

(پارہ ۷ سورہ انعام ع ۱)

(ترجمہ)

(اے رسول) "کہہ دو کہ میں تم نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں - اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں - میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھے وحی ہوتی ہے"

اس واضح اعلان سے ذاتی اور عطائی غیب کی حقیقت بھی کھل جاتی ہے - بھلا جب آنحضرت نے اعلان کر دیا کہ میں علم غیب نہیں جانتا - تو پھر یہ ذاتی اور عطائی کی تقسیم کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے -

ہاں! خداوند متعال جس قدر مناسب سمجھتا ہے اپنے مقرب بارگاہ بندوں

(نبیوں اور اماموں) کو بعض گزشتہ و آئندہ واقع ہونے والے امور کی اطلاع دیدیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (پ ۲۹ س جن ع ۱۲)

"خدا عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول کو منتخب کرے۔"

یا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" (پارہ ۴ سورہ آل عمران ع)

ترجمہ "اللہ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتا وہ تو اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔"

مگر اہل علم و دانش جانتے ہیں کہ اسے غیبی امور پر اطلاع کہا جاتا ہے علم غیب نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی اس کی عالم کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے ورنہ ہم سب عالم الغیب کہلا سکتے ہیں کیونکہ ہم بھی تو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ کے بتانے سے اور وہ خدا کے بتانے سے سب جانتے اور مانتے ہیں کہ جنت برحق ہے، دوزخ برحق ہے، نکیرین کا سوال و جواب برحق ہے، قیامت برحق ہے، میزان حق ہے۔

اور اسی طرح قیامت کے دوسرے تفاصیل جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں برحق ہیں۔ اسی طرح سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا دفتر احادیث کھنگال ڈالیں۔ اس میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں ان ذوات مقدسہ پر "علم الغیب" کا اطلاق کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس احادیث

میں بڑے شد و مد کے ساتھ اس نظریہ کی نفی کی گئی ہے۔

چنانچہ اصول کافی اور سابع بحار الانوار وغیرہ میں ان ذواتِ قادسہ کی غیب دانی کی نفی پر پورے پورے باب موجود ہیں جن کا عنوان ہے "وہ انہم علیہم السلام لا یعلمون الغیب" پھر ان ابواب میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے متعدد و مستند ارشادات مذکور ہیں جن میں ان کے عالم الغیب ہونے کی بالصراحت نفی کی گئی ہے ——— بہ نظرِ اختصار ان تمام ارشادات کو چھوڑ کر صرف امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی توقیع مبارک کا ایک جزء پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے فرماتے ہیں۔

فاشهد الله الذی لا اله الا هو وکفی به شهیدا ورسوله محمدًا صلی الله علیه وآله وملٰئکته وانبیائه واولیائه علیهم السلام واشهدك وکل من سمع کتابی هذا انی بریٔ الی الله والی رسوله ممن یقول انا نعلم الغیب" (احتجاج طبرسی ص ۲۲۵ طبع النجف)

"میں اس خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اور وہ گواہی کے لیے کافی ہے۔ اسکے رسولِ برحق کو، اسکے فرشتوں، اسکے نبیوں اور ولیوں علیہم السلام کو گواہ بنا کر اور تجھے اور ہر اس شخص کو گواہ قرار دیکر کہتا ہوں جو میرا یہ مکتوب پڑھے کہ میں ان لوگوں سے بری و بیزار ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم "عالم الغیب" ہیں۔"

ہمارے علماء اعلام کے اقوال سے علم کلام کی کتابیں چھلک رہی ہیں جنہوں نے ثابت کیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے یہاں بطور نمونہ ایک جلیل القدر عالم کی فرمائش پیش کی جاتی ہے اور وہ ہیں امین الاسلام علامہ طبرسی۔ وہ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۳ ص ۳۱۲ طبع ایران جدید میں رقمطراز ہیں۔

"وجدت بعض المشائخ ممن يتسم بالعدوان والتشنیع قد ظلم الشیعۃ الامامیۃ فی ھذا الموضوع من تفسیرہ فقال ھذا یدل علی ان اللہ سبحانہ یختص بعلم الغیب خلافاً فی تقول الرافضۃ ان الائمۃ یعلمون الغیب ولاشک انہ عنی بذلک من یقول بامامۃ الاثنا عشر ویدین بانھم افضل الانام بعد النبی فان ھذا دأبہ ودیدنہٗ فیھم یشنع فی مواضع کثیرۃ من کتابہ علیھم وینسب الفضائح والقبائح الیھم ولا نعلم احداً منھم استجاز وصف بعلم الغیب لاحد من الخلق فانما یستحق الوصف بذلک من یعلم جمیع المعلومات لا بعلم مستفادٍ وھذا صفۃ القدیم سبحانہ لعالم بذاتہ لایشرکہ فیہ احد من المخلوقین ومن اعتقد ان غیر اللہ سبحانہ یشرکہ فی ھذہ الصفۃ فھو خارج عن ملۃ الاسلام — (الی ان قال) وھذا الاسب صریح وتضلیل لھم وتکفیر۔

(تفسیر مجمع البیان ص ۲۱۳ ج ۵ طبع تہران مرہ

بذیل آیت مبارکہ للہ غیب السمٰوٰت والارض والیہ یرجع الامر کلہ فاعبدہ وتوکل علیہ ط وماربک بغافلٍ عما تعملون۔

(پ ۱۲ سورۃ ھود۔ رکوع ۸)

ترجمہ: "میں نے بعض مشائخ کو پایا ہے جو کہ ظلم و زیادتی اور طعن و تشنیع کرنے کے عادی ہیں انہوں نے اس مقام پر بھی شیعہ امامیہ

ظلم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم غیب خدا تعالےٰ کے ساتھ مختص ہے اور اس سے رافضیوں کے نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ائمہ علم غیب جانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس ظالم کی رافضیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ائمہ اثنا عشر کی امامت کے قائل ہیں اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے بعد تمام لوگوں سے افضل جانتے ہیں۔ کیونکہ اس شخص کا رویہ یہی ہے کہ اپنی کتاب میں اکثر مقامات پر ان کو اسی لب لہجہ کے ساتھ یاد کر کے ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔ اور تمام شنائع و قبائح کو ان کی طرف منسوب کرتا ہے ۔ حالانکہ ہمیں کوئی ایک شیعہ بھی ایسا معلوم نہیں جس نے کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنے کی اجازت دی ہو۔ کیونکہ اس وصف (عالم الغیب ہونے) کا مستحق وہ ہوتا ہے جو تمام معلومات کو اپنے ذاتی علم کے ذریعہ جانتا ہو نہ کہ علم مستفاد و مستعار کے ساتھ۔ اور یہ صرف خدائے قدیم کی صفت ہے جس کا علم ذاتی ہے اس وصف میں اس کی کوئی مخلوق بھی اس کی شریک نہیں ہے ـــــ اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کوئی مخلوق اس وصف میں خدا کے ساتھ شریک ہے تو وہ ملت اسلام سے خارج ہے۔

جو شخص ان کی طرف یہ نسبت دیتا ہے وہ کھلم کھلا ان کو گالی دیتا ہے اور ان کی تفسیل و تکفیر کرتا ہے "۔

بہر نوع خدا کے قرآن ، چہاردہ معصومین علیہم السلام کے فرمان اور علمار اعلام کے کلام حق ترجمان سے جو چیز پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ عالم الغیب کا اطلاق صرف اس ذات والاصفات پر کیا جاتا ہے جس کا علم اپنا ذاتی ہو اور وہ بھی کلی و احاطی ہو۔ کس قدر انقلاب زمانہ ہے کہ کبھی تو وہ دَور تھا کہ اگر کوئی شخص شیعوں کی طرف یہ نسبت دیتا تھا کہ وہ ائمۂ اہل بیتؑ کے عالم الغیب ہونے کے قائل ہیں تو وہ لوگ ظالم، ستم کار اور مذہب حق کا دشمن قرار دیتے تھے۔

اور آج نہ صرف عوام بلکہ نام نہاد خواص کی یہ حالت ہے کہ جو ان کے علم غیب کی نفی کرتا ہے تو وہ اسے مقصر کہتے ہیں۔ اور جو انکو عالم الغیب جانتا ہے اس کو عارف المعارف قرار دیتے ہیں ؎

انقلابات ہیں زمانے کے

پس معلوم ہوا کہ خدا کا علم عین ذات اور غیر محدود و غیر متناہی ہے اور کوئی محدود و متناہی مخلوق، خالق کے غیر محدود علم کا احاطہ نہیں کر

سکتی مگر جتنی مقدار وہ خود چاہے۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے۔
وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (پارہ ۳ س بقرہ ع ۱)
اور یہ علم قابلِ اضافہ وازدیاد ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ برابر اضافہ کرتا رہتا ہے۔ " قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا " ایسا نہیں ہے کہ خدا نے ایک ہی بار سب کچھ دیدیا ہے اور اس کے بعد ادھر کا ظرف خالی ہوگیا اور... ادھر کا دامن بھر (العیاذ باللہ)
اسی بیان سے کُلی و جزئی کا فیصلہ بھی ہوجاتا ہے۔ اس موضوع کے باقی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہماری کتاب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

[نوعِ نبی و امام والا عقیدہ]

قرآن واشگاف الفاظ میں اعلان کر رہا ہے کہ نبی و امام بشر و انسان ہوتے ہیں۔
اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ
"میں مٹی سے ایک بشر یعنی ابوالبشر آدمؑ کو پیدا کرنے والا ہوں"
خود انبیاء و مرسلین کہتے ہیں کہ وہ بشر و انسان ہیں۔
"قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ"
[رسولوں نے کہا یہ درست ہے کہ ہم بھی بشر ہی ہیں]
خود بانی اسلام اعلان کرتے ہیں کہ "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (کہ میں تمہاری مانند بشر ہوں)
ائمہ طاہرین فرماتے ہیں "نَحْنُ النَّاسُ" (کہ حقیقی انسان ہم ہیں)

(بحار الانوار و مرآۃ الانوار وغیرہ)

عقل کہتی ہے کہ جو انسانوں کا ہادی و راہنما بن کر آئے اُسے انسان ہی ہونا چاہیئے ورنہ اس کا قول و فعل انسانوں کے سند نہ ہوگا۔ مگر کچھ عقل و خرد کے دشمن ایسے بھی ہیں جو بموجب "مدعی سُست و گواہ چُست" خدا و مصطفیٰ اور انبیاء و ائمہ ھدیٰ کو جھٹلا کر بھی طوطے کی طرح بلا سوچے سمجھے برابر یہی رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ ان ذواتِ مقدسہ کی نوع جداگانہ ہے وہ بشر و انسان نہیں ہیں۔ وہ صرف بشریت کا جامہ پہن کر آئے ہیں ورنہ دراصل وہ کچھ اور ہیں ؂

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

بھلا جب تمام اجناس و انواع عالم میں سے اشرف و اعلیٰ نوع انسانی نوع ہے ارشاد قدرت ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (القرآن)

"ہم نے عظمت و کرامت کا تاج بنی آدم کے سر پر رکھ دیا ہے۔

اور سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام اسی افضل انسانی نوع کے افضل و اکمل اور اعلیٰ افراد ہیں ـــــ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انسانی نوع میں داخل ہونے سے ان کا دوسرے لوگوں کے برابر ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر ہر نوع میں افضل و مفضول اور اعلیٰ و ادنیٰ افراد موجود ہوتے ہیں۔ افلاطون بھی انسان ہے اور ھبنقہ بھی انسان۔ تو کیا دونوں برابر ہیں؟ کیا مؤمن و کافر برابر ہیں؟ کیا عاقل و بے عقل برابر ہیں؟ اور کیا عالم و جاہل برابر ہیں؟ اور کیا نیکوکار و بدکار برابر ہیں؟

جب نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر عام لوگ اور انبیاء و ائمہ کس

طرح برابر ہو سکتے ہیں ؎

ایں زمیں را آسمانے دیگر است

افضل و اعلیٰ نوع سے خارج کر کے انکو کسی ادنیٰ اور لپست نوع میں داخل کرنا احمقانہ اقدام تو ہو سکتا ہے مگر اسے کسی طرح بھی عاقلانہ کام نہیں کہا جا سکتا ـــــــ دعا ہے کہ خداوند عالم محبت اہل بیت کے ان دعویداروں کو عقل و ہوش سے کام لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موضوع کی مزید تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب "احسن الفوائد فی شرح العقائد" کی طرف رجوع فرمائیں

جب یہ حقیقت ثابت ہے کہ یہ بلند و بالا ہستیاں انسان اور حقیقی انسان ہیں تو اس سے یہ بات بھی خود بخود واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کو بھوک و پیاس بھی لگتی ہے اور سردی و گرمی بھی۔

ارشاد قدرت ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ

"ہم نے ان کو ایسا جسم نہیں دیا جو طعام نہ کھاتے ہوں"

ویسے عقلاً بھی یہ بات روزِ روشن کی طرح آشکارا ہے کہ اگر انکو بھوک و پیاس اور سردی و گرمی کا احساس نہ ہوتا تو پھر اُن کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے باعثِ تقلید و تاسی نہ ہوتا۔ اور اُن کا سردی و گرمی میں روزہ رکھنا نماز پڑھنا، مصائب پر صبر کرنا، شدائد پر اُف نہ کرنا، اور سب سے بڑھ کر تین تین دن کی بھوک و پیاس برداشت کرنا مگر حق کا دامن نہ چھوڑنا اور باطل کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرنا۔ کوئی قابلِ ذکر اور لائق فخر کارنامہ ہی نہ ہوتا۔

یہ سب کچھ اُسی وقت باعثِ اجر و قابلِ فخر کارنامہ ہو سکتا ہے

کہ جب بہ تقاضائے بشریت انکو بھوک وپیاس بھی لگتی ہو۔ اور سردی و گرمی کا احساس بھی ہوتا ہو۔ اور روحانی وجسمانی ایذار رسانی پر اُن کو کربُ الَم بھی بھی محسوس ہوتا ہو۔ اور پھر محض خدا کی خاطر حق کی خاطر اور لوگوں کے سامنے نمونۂ عمل وکردار پیش کر کے خدا کی اطاعت کی راہ ہموار کرنے کی خاطر۔ سب کچھ گوارا کریں۔ وھذا اوضح من ان یخفیٰ۔

[نبی و امام کے حاضر و ناظر ہونے والا عقیدہ]

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ہر وقت، ہر لحظہ اور ہر آن ہر جگہ اور ہر مکان میں علمی واحاطی طور پر حاضر ہونا۔ اور کائنات ارضی و سماوی کی ہر ہر چیز پر ہر وقت ناظر ونگران ہونا خدائے واحدُ و یکتا کی وہ صفت ہے جس میں کوئی بھی مخلوق اسکی شریک نہیں ہے۔

لہٰذا یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی و امام ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ یہ نظریہ باطل نہ صرف یہ کہ محالات عقلیہ میں سے ہے بلکہ قرآن وسنت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ کے قرآن میں اور معصومین کے کلام اور علماء اعلام کے بیان میں نہ صرف یہ کہ اس کا کوئی نام ونشان تک نہیں ہے۔ بلکہ اس کی نفی سے دفتر چھلک رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ صفت اسلئے خالق دوجہان سے مختص ہے کہ وہ جسم و جسمانیات اور مکان ومکانیات سے منزّہ ومبرّا ہے اور علمی واحاطی طور پر ہر ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ہ وَلَا یَعْزُبُ عَنْ عِلْمِہٖ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ

کوئی بھی مخلوق خواہ وہ جس قدر جلیل القدر اور عظیم الشان ہو اس صفت میں اسکی شریک نہیں ہے "سُبحان من ہو ھکذا ولا ھکذا غیرہ۔

قرآن میں جا بجا سرکار ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناظر و نگران اور نگہبان ہونے کی نفی کی گئی ہے کہیں ارشاد ہوتا ہے "لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ" (یعنی تم اُن کے نگران نہیں ہو) کہیں وَمَا... أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِحَفِيظٍ" (تم ان کے محافظ نہیں ہو)

تو جب یہ مقام پیغمبر اسلام کو حاصل نہیں ہے تو اور کسی مخلوق کو کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟؟ ہاں! یہ ذوات مقدسہ جب اور جہاں جانا چاہیں اسم اعظم کی برکت اور خدا کی قدرت سے چشم زدن میں وہاں جا بھی سکتے ہیں اور آ بھی ـــــ اور جس چیز کو دیکھنا اور جاننا چاہیں اُسے دیکھ بھی سکتے ہیں اور جان بھی سکتے ہیں۔ مگر ایں چیزے دیگر است اسے عند التحقیق حاضر و ناظر کے متنازعہ مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے کَمَا لَا یَخْفیٰ۔

اس موضوع کی تفصیلات جاننے کے شائقین حضرات کو ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

[تفویض و الاعتقاد]

جب یہ بات طے شدہ ہے کہ خالق کائنات واحد و یکتا ہے کسی بات میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے وہ قادر مطلق ہے کسی کام سے عاجز نہیں ہے۔ وہ خالق عقل و خرد ہے اُس کو کسی وزیر و مشیر کی ضرورت نہیں ہے تو اسکے بعد اسلام میں اس فاسد عقیدہ کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ

خداوندعالم نے صرف پنج تن پاک کو پیدا کیا۔ اور دوسری کائنات کو ان ذواتِ مقدسہ نے پیدا کیا۔ اور اس کائنات کا انتظام سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے سپرد کیا ہے۔ اب مارنا، جلانا، اولاد دینا، اور لینا۔ رزق کم یا زیادہ کرنا، بیمار کرنا، اور شفا دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کام ان سے متعلق ہیں۔

یہ سراسر غیر اسلامی اور یہودیانہ عقیدۂ فاسدہ ہے — قرآن وحدیث میں اس فاسد عقیدہ رکھنے والوں پر لعنت کی گئی ہے " وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا " (القرآن) اور پورا دفتر حدیث اس مضمون کی احادیث سے چھلک رہا ہے کہ " والقائل بالتفویض مشرك "، کہ جو تفویض کا قائل ہے وہ مشرک ہے (عیون الاخبار، بحار الانوار) قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (القرآن)

بہرحال جب عقیدۂ تفویض باطل ہے تو یہ استقلالی وغیر استقلالی کا لفظی ہیر پھیر کر کے یہ فاسد عقیدہ رکھنا حقیقت میں عقیدۂ توحید کی نفی کے مترادف ہے۔ اور سراسر غیر اسلامی ہے اور اسلام کے موحدانہ نظام عقائد میں اس مشرکانہ عقیدہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے

اس موضوع پر تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لیے ہماری کتاب "اَحسنُ الفوائد" اور اصول الشریعہ کی طرف رجوع کیا جائے وباللّٰہ الموفق

نیز مسئلہ علم غیب کی طرح یہاں بھی " ذاتی وعطائی، بالذات بالعرض " کی مہمل اور لایعنی بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے — اگر اللہ تعالیٰ نے انبیاء، اولیاء اور شہداء کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ وہ کائنات میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ قبر برزخ میں ہزاروں میل سے لوگوں کی فریاد سنکر اُن کی مصیبتوں کو ٹال دیں — اگر کون ومکان کا کوئی ذرہ ان سے پوشیدہ نہ ہو۔ اور اولاد، دولت، جاہ ومنصب کے وہ بانٹنے اور عطا

کرنے والے ہوں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالےٰ نے جو "ذاتی خدا" ہے۔ بہت سے عطائی خدا بنا دیئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کی غیرت تفرید و توحید اس شرک کو کسی عنوان سے گوارا نہیں کر سکتی۔

(از رسالہ فاران کراچی توحید نمبر)

ے

اُسی سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر ؂ یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

غُلُوّ و الاعقیدہ

غُلُو کا مطلب یہ ہے کہ کسی ہستی کو اس کے مرتبہ و مقام سے بڑھایا جائے اسلام چونکہ دینِ فطرت اور دینِ حکمت و معرفت ہے وہ کسی ہستی کو اُس کے مرتبہ و مقام سے نہ کسی طرح بڑھانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ گھٹانے کی بلکہ حفظِ مراتب کی تلقین کرتا ہے کہ ع

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

اسلام نے اپنے ابتدائی کلمہ میں ہی حفظِ مراتب کا درس دیدیا ہے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ" اللہ معبود ہے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) رسول ہیں۔ اور علیؑ اللہ کے ولی ــــ مگر غلو پسند طبائع نے کچھ اس طرح خلط ملط اور دھاندلی کی ہے۔ سب کو آپس میں اس طرح گڈ مڈ کر دیا ہے کہ اب نوبت بایں جا رسید، کہ بعض سادہ لوح لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ شانِ خدا کیا ہے؟ اور مقامِ مصطفےٰؐ و مرتضیٰؑ کیا ہے؟ اور ان میں باہمی فرق کیا ہے؟

ع

بہبیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

اور پھر عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کے حق میں جو کچھ کہا جائے وہ کم ہے یہاں غلو ممکن ہی نہیں ہے بقولِ شاعر۔

گویند غالیم بہ ثنائے تو یا علیؑ ✤ حق اینکہ من زحق ثنائے تو قاصرم

کبھی ان غلو نواز حضرات نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے؟ کہ اگر غلو ممکن ہی نہیں تھا۔ تو خدا و مصطفےٰ اور خود ائمہ ھدیٰ نے غلو سے روکا کیوں ہے؟؟ اور ایسا کرنے والوں پر کیوں لعنت بھیجی ہے!

خدا فرماتا ہے۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

اے اہلِ کتاب دین میں غلو نہ کرو۔ ــــــ پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں

لاترفعوني فوق محلي

مجھے میرے مرتبہ و مقام سے بلند نہ کرنا

(سابع بحار الانوار)

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں

هلك فيّ اثنان محبٌّ غالٍ ومبغض قالٍ

کہ میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ ایک مجھے میرے مقام سے بڑھانے والا (نادان) دوست۔ دوسرا مجھے میرے مقام سے گھٹانے والا (احمق) دشمن۔ ـــــــ (نہج البلاغہ)

نیز اگر غلو ناممکن ہے تو پھر تو امام کو نبی اور نبی کو خدا کہنا بھی جائز ہو گا؟

ساجد کو مسجود اور عابد کو معبود اور مخلوق کو خالق اور مرزوق کو رازق کہنا بھی مباح ہوگا؟ اور اگر ایسا کہنا جائز نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر وہ خیال باطل اور محال ہوگیا۔ کہ غلو ممکن نہیں ہے یہ چیز صرف اوہام کی پیداوار ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

لا تدعونا ارباباً ثم قولوا فی فضلنا ما شئتم ولن تبلغوا

کی حقیقت سمجھنے کے لیے گوش شنوا اور دیدۂ بینا درکار ہے۔

"ثم قولوا فی فضلنا" کے اثبات سے پہلے "لا تدعونا ارباباً" کی نفی میں سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے

عاقلاں را اشارتے کافی است

لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ محبت اہل بیت بلکہ عشق آل محمد کے نام پر کیا جاتا ہے محبت ہو یا عشق۔ وہ عقیدت و عمل میں محبوب کے اتباع و اطاعت کا تقاضا کرتے ہیں ـــــــ یہ عجیب محبت ہے کہ محبوب کچھ کہتا ہے اور محب کچھ اور کہتے ہیں محبوب کچھ کرتے ہیں اور محب الٹ کرتے ہیں اور محبوب کے احکام کی پروا نہیں کرتے یہ فریب نفس ہے عشق و محبت نہیں ہے ؏

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

یہ بالکل واضح حقائق ہیں مگر ؎

آنکھیں ہوں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

ولادت یا نزول نبی و امام و الا عقیدہ

باوجودیکہ موجودہ صحیح النسب سادات کرام کے پاس ائمہ طاہرین علیہم السلام تک اپنے نسب کے شجرے موجود ہیں۔ پھر ائمہ طاہرین کے حضرت آدم ع و حوا تک اپنے آباؤ امہات کے ذریعہ سے منتہی ہونے کے ناقابل انکار ثبوت موجود ہیں، جب ہر ہر امام عالی مقام کی بیویاں الگ، کنیزیں الگ موجود ہیں انکی اولاد ذکور الگ اور اولادِ اناث الگ موجود ہیں۔

اور یہ سب حقائق ناقابلِ تشکیک و تردید حد تک اللہ تعالےٰ کے قرآن، خود ائمہ طاہرین کے کلام اور تاریخ اسلام سے ثابت ہیں اور یہی تقاضائے فطرت اور یہی مقتضائے عصمت و طہارت اور یہی منتہائے آدمیت ہے تو پھر اس کے باوجود اس ملحدانہ خیالِ محال کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ کہ ان ذوات مقدسہ کی نہ کوئی ماں ہے نہ باپ اور نہ کوئی بیوی اور نہ اولاد ؟ نہ ہی زن و شوہر کے باہمی تعلقات اور نہ ہی ملاپ بلکہ یہ تو بنے بنائے آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ (معاذاللہ)

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ؕ

دیکھیئے ! خدا فرماتا ہے کہ آدم ع و حوا کے ماں باپ نہیں۔ اور عیسیٰ ع کی ماں ہے مگر باپ نہیں۔ خدا نے انکو محض اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آدم و حوا کے ماں باپ ہیں یا عیسیٰ کا باپ ہے تو وہ

منکرِ قرآن ہونے کی وجہ سے بے ایمان ہے اور جب خدا و مصطفیٰ فرماتے ہیں کہ سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے ماں باپ ہیں تو جو اس کا انکار کرتا ہے تو وہ بھی منکرِ قرآن ہے اور مکمل بے ایمان ہے

یہ خود ساختہ اور من گھڑت نظریہ جو آلِ نبی اور اولادِ علیؑ پر وہ ظلم عظیم ہے جو بنی اُمیہ اور بنی عباس بھی اُن پر نہیں ڈھا سکے تھے جو آج، ایک خاص سازش کے تحت اُدھر سے اِدھر آنے والے گندم نما جو فروش بلکہ دین فروش جاہل اور ضال و مُضل نام نہاد مُبلّغ و مُقرّر تقریر و تحریر کے ذریعے ڈھا رہے ہیں سچ ہے ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہُوا ؛ کہ بدل جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ نہ عام سادہ لوح اہلِ ایمان بلکہ زیادہ فریب خوردہ سادات کرام اُن لوگوں کے دام ہم رنگ زمین میں گرفتار ہو رہے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ وُہ یہ خلاف عقل و شرع فاسد عقیدہ رکھ کر اپنے ہاتھوں سے اپنے شجرۂ نسب کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ (یخربون بیوتھم بایدیھم) آہ ؎

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں ؛ اُسے کیا خبر کہ کیا ہے؟ راہ و رسمِ شاہبازی

دُعا ہے کہ خدائے متعال ایسے مُخرّب دین لوگوں کے فتنہ و شر سے قوم و ملت کو بچائے اور اگر وہ ہدایت کے قابل ہیں تو اُن کو ہدایت فرمائے اور اگر "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" کے مصداق ہیں تو انہیں اُن کے کیفر کردار تک پہنچائے ع

این دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

★

وسیلہ اور بدعقیدہ

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ خداوند عالم براہ راست بھی حاجت مندوں کی حاجتیں روا کرتا ہے اور مضطروں کی دعا و پکار سنتا اور قبول کرتا ہے

(ادعونی استجب لکم)

اور اسکی رحمتِ رحمانیہ کائنات کی ہر شئے کے شاملِ حال ہے

بقولِ شاعر ؎

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب ؛ گبر و ترسا وظیفہ خود خواری

دوستاں را کجا کنی محروم ؛ تو کہ با دشمنان نظر داری

(سعدی شیرازیؒ)

مگر اپنی گنہگاریوں اور بدکاریوں کے پیشِ نظر اسکی بارگاہ میں اپنی حاجت برآری، دعا کی قبولیت، بخشش گناہاں اور دینی و دنیوی نیلِ مرام کے لیے مقربان بارگاہ یعنی انبیاء و مرسلین اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کا وسیلہ و واسطہ دینا خود قرآن کی آیات انبیاء و آئمہ کے روایات و ادعیہ جات سے ثابت ہے ارشاد قدرت ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ

(پارہ ۶)

مگر وسیلہ کا وہ مفہوم "کلمۃ حق یُراد بہا الباطل" کا مصداق ہے جو بعض بدعقیدہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ ذواتِ مقدسہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں اور اس طرح یہ واسطۂ فیض ہیں۔ بلکہ اس کا صاف و سادہ اور

صریح مطلب یہ ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کا واسطہ دیکر بارگاہِ خداوندی میں دعا والتجا کی جائے کہ وہ ان کے صدقے میں ہمارے حال زار پر رحم فرمائے اور ہماری دینی و دنیوی حاجات برلائے اور مشکلات آسان فرمائے، ہمارے گناہ معاف فرمائے اور ان کے وسیلے سے ہمیں دارین کی سعادت سے مالا مال فرمائے ،، قل ھذہٖ تذکرۃ فمن شاء ذکرہٗ ۔

تیسواں باب :-

ان بدعات اور غلط رسوم کا بیان جو بعض عبادات سے متعلق ہیں

یہ حقیقت اربابِ دانش و بینش پر مخفی نہیں ہے کہ عبادات شرعیہ توقیفی ہیں یعنی اُن کی تشریع وجواز اور اُن کی ادائیگی کا طریقہ کار اور اُن کے شرائط و قواعد اور اوراد و اذکار کا دار و مدار شارع مقدس کی اذن واجازت پر ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز دراصل بُری ہو اسکی ایجاد ہی بدعت ہو۔ بلکہ عبادات مشروعہ جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے ان میں اپنی طرف سے قیود و شرائط کا اضافہ کرنا۔ یا انکی کیفیت وکمیت میں ردوبدل کرنا یا اُن کے وہ خاص اوقات یا خاص تعداد اپنی طرف سے مقرر کرنا اور پھر اسے شرعِ اقدس کی طرف منسوب کرنا اور اُسے کارِ ثواب سمجھ کر بجالانا بھی تشریع محرم ہے۔

کوئی بھی انسان خواہ دینی یا دُنیوی طور پہ وہ کتنا عظیم الشان کیوں نہ ہو وہ کسی طرح بھی عبادات میں کمی بیشی یا ترمیم و تنسیخ کرنے کا مجاز نہیں ہے اور ہمارے مذہب کا تو طرۂ امتیاز ہی یہی ہے کہ اس میں قیاس، مصالح مرسلہ اور استحسان وغیرہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے اس میں جو کچھ ہے وہ صرف اللہ کا کلام (قرآن) ہے، اور سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کا فرمان (حدیث) ہے وبس ——— اور اگر تشریح و تفسیر قرآن کے سلسلہ میں کوئی

چیز سند ہے تو وہ انہی ذواتِ مقدسہ کا قول و فعل ہے ۔ اور اگر حجت ہے تو انہی کی تقریر اس کے علاوہ جو

جو کچھ بھی ہے وہ مایۂ وہم و خیال ہے

الغرض! "کل مالم یخرج من ھذا البیت فھو باطل"

(اصول کافی)

(جو چیز سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے گھر سے نہ نکلے وہ باطل ہے)

(ارشاد صادقی)

لہٰذا ہر وہ ورد، ہر وہ تعویذ، ہر وہ وظیفہ، ہر وہ عمل، ہر وہ حکم اور ہر وہ عبادت جو سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے گھر سے نہ نکلے وہ باطل ہے ۔

ولنعم ماقیل ؎

وخیر امور الدین ماکان سُنّۃً ☆ وشر الامور المحدثات البدائع

اغیار نے تو جب آلِ محمد کا دامن چھوڑ دیا تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی طرف سے نقوش و ہندسے اور تعویذات و چلّے وغیرہ ایجاد و اختراع کر لیے ۔ بلکہ اپنی طرف سے عبادات بھی ایجاد کر لیں جیسے نمازِ تراویح ، نماز چاشت ، اور نمازِ گیلانی وغیرہ وغیرہ ۔

مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ مدتوں رہنے سہنے اور اکٹھا مرنے جینے اور باہمی ربط و ارتباط کی وجہ سے رفتہ رفتہ یہ چیزیں .. ائمہ طاہرین کے نام لیواؤں میں بھی سرایت کر آئی ہیں ۔ یہاں کے نام نہاد پیروں، فقیروں اور تعویذی ملاؤں کے ہاں بھی خانہ ساز دم درود، نقوش اور تعویذات خوب چلتے ہیں ۔ بلکہ چلّے کشیاں بھی ہوتی ہیں، ترک حیوانات بھی کیا جاتا ہے اور ترکِ لذائذ بھی ــــ حالانکہ ہماری روایات میں ان

چیزوں کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا ہم مشہور تعویذات استعمال کریں؟ فرمایا نہ۔ مگر وہ جو قرآن سے ہوں پھر فرمایا جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں

ان کثیراً من الرقی والتمائم من الاشراک"

کہ بہت سے افسوں اور تعویذات شرک سے ہیں۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

"ان کثیراً من التمائم شرک"

"بہت سے تعویذات شرک ہوتے ہیں"

(وسائل الشیعہ)

کیوں؟ محض اسلئے کہ وہ قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان سے ماخوذ نہیں ہوتے۔ اس سلسلہ میں ہمارے بعض محتاط علماء کی روش و رفتار اس قدر عمدہ و اعلیٰ ہے کہ اسکی مثال نہیں ملتی۔

چنانچہ علامہ کنتوری علیہ الرحمہ، انتصار الاسلام ج ۳ میں سورۂ رحمٰن کے ایک مخصوص عمل کا تذکرہ کرنے کے بعد جو چیچک کے دفعیہ کے لیے مجرب ہے فرماتے ہیں کہ

"میں یہ عمل اسلئے نہیں کرتا کہ یہ کسی امام معصومؑ سے منقول نہیں ہے"

اللہ اللہ کہاں علماء کرام کی وہ احتیاط اور کہاں ہمارے پیروں، فقیروں کی یہ بے احتیاطی کہ ہر رطب ویابس کو حرزِ جان بنائے بیٹھے ہیں

خلاصہ یہ کہ صرف وہ عملیات اور تعویذات جائز ہیں جو خدا کے قرآن یا محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان سے ماخوذ و مستنبط ہوں وبس!

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا

"خُذْ مِنْهُ مَاشِئْتَ لِمَاشِئْتَ"

قرآن کی جس آیت کو اور جس جائز مقصد کے لیے چاہو لے لو

(از حاشیہ ترجمہ قرآن مجید مولوی سید زیرک حسین امروہوی مرحوم)

ایک ایراد اور اس کے جوابات

جو لوگ ہر غلط بات کو صحیح اور ہر بدعت کو مشرف باسلام کرنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ چونکہ اس قسم کے اوراد و وظائف اور اعمال بجالانے سے عجیب غریب آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ لہذا ان آثار کا ظہور ان اعمال کے صحیح و درست ہونے کی واضح دلیل ہے۔

تو اس شبہ کے جواب میں اولاً تو ہم الزامی طور پر عرض کریں گے کہ کفار و مشرکین جو عمل کرتے ہیں اور اُن کے اعمال کے آثار بھی ظاہر ہوتے ہیں تو کیا ان آثار کو دیکھ کر کفار کے عمل کو درست قرار دیا جا سکتا ہے؟ پس اگر وہاں آثار کا ظہور صحت عمل کی دلیل نہیں ہے تو یہاں بھی ظہور اثر درستگی کی سند نہیں ہے۔

ثانیاً حلی طور پر عرض ہے کہ غلط اعمال عبادات کے آثار ظاہر ہونے کی کئی وجوہ ہیں۔ (۱) خدا کسی بندہ کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ اس کا ارشاد ہے

اِنِّي لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ (بندہ) عمل دنیا کے لیے کرے یا آخرت کیلئے

من کان یرید حرث الاٰخرۃ نزدلہٗ فی حرثہٖ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہٖ منھا ومالہٗ فی الاٰخرۃ من نصیب ٭

جو لوگ غلط ریاضتوں کے نتیجہ میں آگ پر چلتے، طویل مسافت چند لمحوں میں طے ہوکرتے ہوئے اور مخفی و پوشیدہ امور کی خبریں دیتے ہوئے نظر آتے ہیں یہ سب خدا تعالیٰ کے وعدہ کا ثمرہ ہے کہ وہ کسی عامل کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ خواہ وہ دنیوی مقاصد کے لیے ہو خواہ اُخروی نجات کے لیے۔

۲:۔ اثر کا ظہور اعتقاد کے تابع ہوتا ہے نفسیات کے ماہر جانتے ہیں کہ عقیدہ کی پختگی کا کتنا گہرا اثر ہوتا ہے۔ کفار بتوں اور مخالفین صنمی قریش کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں اور اثر ظاہر ہوجاتا ہے۔ یہ تو پھر بھی اسماء اعلیٰ ہیں۔

گو ان کے پڑھنے کا طریقہ غلط ہے لہٰذا اگر اثر ظاہر ہوجائے تو کوئی جائے تعجب نہیں ہے؟

۳:۔ بدعت میں بھی جب استجابتِ دُعا کے اسباب جمع ہوجائیں تو اس کا اثر ظاہر ہوجاتا ہے۔

۴:۔ کبھی استدراج بھی ظہور اثر کا باعث ہوتا ہے۔ بندہ گناہ کرتا ہے اور خدا اس پر نعمتوں کا نزول کرتا ہے تاکہ وہ توبہ و استغفار کرنا بھی بھول جائے (خلاصہ) چنانچہ فرماتا ہے

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥

ہم اس طرح استدراج کرتے ہیں کہ اُنہیں خبر ہی نہیں ہوتی۔

(ملخص اصلاح الرسوم گوجرپوری)

الغرض! اثر کا ظاہر ہونا اور ہے اور کسی عمل اور وظیفہ کا صحیح ہونا اور؟

پس معلوم ہوا کہ کسی عمل کے اثر ظاہر ہونے سے اُس عمل کی صحت پر ہرگز استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) وضوٗ میں پاؤں دھونا بدعت ہے

خلاصۂ کلام یہ کہ رفتہ رفتہ یہ مداخلت فی الدین کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عباداتِ شرعیہ میں بھی کمی بیشی شروع کر دی گئی۔ چنانچہ سب عبادات سے افضل عبادت نماز اور اُس کا وضو اور اذان بھی اہلِ بدعت کی دست بُرد سے محفوظ نہیں رہی بلکہ اُس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا۔

چنانچہ خدا نے وُضو میں پاؤں کا مسح کرنے کا حکم دیا تھا۔ بانیٔ اسلام نے سر اور پاؤں کا مسح کیا تھا۔ مگر بعد میں لوگوں نے پاؤں کو دھونا شروع کر دیا۔

ارشادِ قدرت ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ (پارہ ۶ سورۃ المائدہ رکوع ۶)

"اے ایمان والو! جب تم اُٹھو نماز کو تو دھو لو اپنے مُنہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مَل لو اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک" (ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ)

آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ "وَاَرْجُلَکُم" کی لام پر قراءِ سبعہ میں سے ابن کثیر، ابو عمر، حمزہ اور عاصم چار قاریوں نے زیر پڑھی ہے۔ اور باقی تین قاریوں نے اس پر زبر پڑھی ہے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر کبیر رازی جلد ۳ صفحہ ۵۴۵)

اب خواہ لام پر زیر پڑھی جائے یا زبر ــــ بہرحال اس سے پاؤں کا مسح

ثابت ہوتا ہے نہ کہ دھونا۔ کیونکہ ہر حالت میں "وارجلکم" کا عطف "برؤسکم" پر ہے پس اگر زیر پڑھی جائے تو یہ عطف اُس کے لفظی اعراب پر ہوگا اور اگر زبر پڑھی جائے تو یہ عطف اُس کے محلی اعراب پر ہوگا جو کہ "وامسحوا" کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

نتیجہ یہ کہ "الوضوء غسلتان ومسحتان"، یعنی وضوء دو دھونے (ہاتھ منہ) اور دو مسحوں (سر اور پاؤں) کا نام ہے (قول ابن عباس مندرجہ تفسیر معالم التنزیل ص۲۷ وغیرہ) اور اس کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ تیمم جو وضوء کا بدل ہے اس میں سر اور پاؤں پر تیمم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بالاتفاق صرف منہ اور ہاتھوں پر کیا جاتا ہے۔ جن کو وضوء میں دھویا جاتا ہے یہ اس بات کی ناقابلِ رد دلیل ہے کہ سر اور پاؤں سے دھونے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی طرح کتبِ فریقین سے ثابت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر اور پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے ــــــ چنانچہ صاحبِ کنز العمال جلد ۵ ص ۱۰۸ پر روایت کرتے ہیں۔

ان النبی توضأ فغسل وجهه ویدیه مرتین ومسح برأسه ورجلیه مرتین۔

یعنی جناب رسول خداؐ نے اس طرح وضو کیا کہ منہ اور ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا اور سر اور پاؤں کا دو بار مسح کیا۔

عباد ابن تمیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ

"رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ ویمسح الماء علی رجلیه"

"میں نے جناب رسول خدا کو وضو کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے اپنے دونوں پاؤں پر مسح کیا" (اصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱ صفحہ ۱۸۴ صفحہ ۱۸۵ بذیل ترجمہ تمیم ابن زید انصاری ـ کذا فی نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۱۸۴)

اسی طرح جناب امیر علیہ السلام وضو میں پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے (ملاحظہ ہو معانی الآثار للطحاوی جلد ۱ صفحہ ۲۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۹۵/۱۱۶)

اسی طرح بہت سارے صحابہ کے نام تاریخ میں ملتے ہیں جو پاؤں کا مسح کرتے تھے جیسے انس بن مالک، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر وغیرہ ـ ابن انس کا قول ہے

"نزل القرآن بالمسح"

"یعنی قرآن مسح کے ساتھ اترا ہے"

(تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۴۱)

اور ابن عباس کا مشہور قول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے۔

"ابی الناس الا الغسل ولا اجد فی کتاب اللہ الا المسح"

"یعنی عام لوگوں نے سوائے دھونے کے انکار کر دیا ہے اور میں تو قرآن میں سوائے مسح کے کچھ اور نہیں پاتا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر دُرِّ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۶۲)

اِن تمام حقائق کے باوجود پیغمبر اسلام کی وفات حسرت آیات کے بعد کچھ لوگوں نے نامعلوم مصلحتوں کے تحت پاؤں کے مسح کو بدل کر پاؤں کے دھونے کو لازم قرار دیدیا۔ اور اس طرح وضو کو باطل کر کے افضل ترین عبادت یعنی نماز کے بطلان کا راستہ ہموار کر دیا۔ والی اللہ المشتکی۔

★

اذان میں تحریف

وضو کے بعد ان لوگوں نے اذان کو تحریف کا ہدف بنایا۔ چنانچہ اس میں سے کچھ فقرے ساقط کر دیے اور بعض فقروں کا اضافہ کر دیا

اذان سے حَیَّ علیٰ خیر العمل کا اخراج

یہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس عہد میں بلکہ اسلامی برادری کے پہلے دور خلافت میں بلکہ اس کے دوسرے دور خلافت کے ابتدائی دور میں بھی اذان میں فقرہ "حی علیٰ خیر العمل" کہا جاتا تھا پھر کچھ عرصے کے بعد نا معلوم مصلحت کے تحت اسے اذان سے نکال دیا گیا اور اس کے کہنے والوں کو سخت سزا دینے کی دھمکی دی گئی۔

چنانچہ فاضل قوشجی نے اپنی شرح تجرید ص ۳۸۲ پر جناب عمر بن الخطاب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کہا

ثلاث کن علی عہد رسول اللہ حلالاً وانا انہیٰ عنہن واعاقب علیہن متعۃ النساء ومتعۃ الحج وحی علی خیر العمل

یعنی تین چیزیں زمانہ رسالت میں جائز تھیں مگر میں ان کی ممانعت کرتا ہوں اور خلاف ورزی پر سزا دوں گا (۱) متعۃ النساء، (۲) متعۃ الحج (۳) اور حیّ علیٰ خیر العمل۔

ظاہر ہے کہ جس چیز کو حضرت رسول خدا بحکم خدا جائز قرار دیں کسی بھی شخص کو اُسے حرام قرار دینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ چنانچہ خاندانِ رسالت

اور اُن کے نام لیواؤں پر اس ممانعت کا کوئی اثر نہ ہُوا۔ وہ اس دَور میں بھی کہتے تھے اور آج بھی کہتے ہیں۔ بلکہ بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اس مناہی کا خود مناہی کرنے والے کی اولاد پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

چنانچہ سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۰ طبع مصر پر لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر اذان میں "حی علیٰ خیر العمل" کہتے تھے

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

۲:- اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اذان میں اضافہ

اسی دَور میں جہاں "حی علیٰ خیر العمل" کو اذان سے خارج کیا گیا وہاں صبح کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا بے جا اضافہ بھی کیا گیا۔

چنانچہ مؤطائے مالک وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے کہ جناب عمر کے دورِ خلافت میں ایک بار مؤذن انہیں نماز صبح کے لیے جب بلانے گیا تو دیکھا وہ سوئے ہوئے ہیں اس نے کہا "الصلوٰۃ خیر من النوم" (جاگو) نماز سونے سے بہتر ہے" جب وہ یہ فقرہ سُن کر جاگے تو اُسکو پسند کیا اور مؤذن کو حکم دیا کہ اسے صبح کی اذان میں کہا کرے۔ اس کے بعد وہ ایسا رائج ہوا کہ جزءِ اذان بن گیا۔ اور آج تک برابر برادرانِ اسلامی کے ہاں بالالتزام کہا جاتا ہے (کذا فی الموطا مع شرح تنویر الحوالک جلد ۱ صفحہ ۷۱ طبع مصر۔ والفاروق شبلی صفحہ ۲۵۳ طبع لاہور)

۳:- اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہ کا اضافہ

خاندانِ رسالت کی محبت و پیروی کے دعویدار بھی اس سلسلہ میں کسی سے پیچھے نظر نہیں آتے۔ چنانچہ انہوں

نے بھی مختلف اوقات اور مختلف ادوار میں شرعی احکام میں کہیں من پسند اضافے کیے ہیں اور کہیں اپنی مرضی کے مطابق کمیاں کی ہیں چنانچہ اذان میں "اشهد ان علیاً ولی اللہ" کا اضافہ اور وہ بھی بطور جزو اذان انہی لوگوں کے ذہنی اختراع کا شاہکار ہے

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام مومنوں کے امیر، متقیوں کے امام، اللہ کے ولی، اور نبی کے بلافصل وصی ہیں اور یہ عقیدہ جزو ایمان ہے۔ کیونکہ اس اعتقاد کے بغیر نہ ایمان مکمل ہوتا ہے نہ ہی اسلام۔ اب رہی یہ بحث کہ آیا یہ فقرہ پڑھنا چاہیے یا نہ؟ تو اس سلسلہ میں ہر شخص کو اپنے مرجع تقلید کی طرف رجوع کر کے اس کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ اضافہ کب ہوا، کس نے کیا اور کیوں کیا تو اس کے متعلق اجمالاً عرض ہے کہ امام زمانہ کی غیبت کبریٰ کے چند سال بعد جب چوتھی صدی ہجری میں ایران اور عراق میں آل بویہ کے دیلمی خاندان کی حکومت قائم ہوئی تو بنی امیہ و بنی عباس کی روش و رفتار کے ردعمل کے طور پر یہ اضافہ کیا گیا اور جب حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ متوفی ۳۸۱ھ نے من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ میں لکھی تو اس وقت یہ فقرہ رائج ہو چکا تھا۔ جبھی تو انہوں نے اس کے خلاف بھرپور طریقہ سے آواز بلند کی اور ان کے بعد بھی علمائے اعلام برابر آواز بلند کرتے رہے

اسی وجہ سے اب فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ فقرہ جزو اذان و اقامت نہیں ہے کیونکہ عہد رسالت سے لیکر امام زمانہ کی غیبت کبریٰ تک کسی بھی دور میں یہ فقرہ اذان میں نہیں کہا گیا اور نہ ہی کسی ضعیف سے ضعیف معصومی روایت میں اس کا جزو اذان و اقامت ہونا ثابت ہے کچھ عرصہ پہلے ہم نے اپنی فقہی کتاب "قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ" میں صرف اتنا لکھا تھا کہ

"اذان کے اٹھارہ فصول ہیں جو ہر کہ و مہ کو معلوم ہیں"۔

مگر صرف اتنی بات پر فقہ جعفری کی ابجد سے نابلد بعض بے لگام مقررین نے آسمان سر پہ اٹھا لیا تھا کہ اذان کی اٹھارہ فصلیں کیوں لکھی گئیں ہیں (وہ تو

بینش ہیں) ــــــ میں اُن "ہا دَ و ہُو" کرنے والے غیر ذمہ دار لوگوں سے جو نہ مجتہد ہیں نہ مقلد اور نہ ہی محدث، صرف اتنا پوچھتا ہوں کہ ہماری فقہ و حدیث کی وہ کونسی کتاب ہے جس میں اذان کی اٹھارہ فصلیں نہیں لکھی ہیں؟

ہماری تمام کتب احادیث میں سے سب سے زیادہ مستند و معتبر کتب اربعہ ہیں (۱) اصول و فروع کافی (۲) من لایحضرہ الفقیہ (۳) تہذیب الاحکام (۴) استبصار۔ تو کیا ان سب میں اذان کی اٹھارہ فصلیں نہیں لکھی ہیں؟ اور کیا کتاب الوافی (جو کتب اربعہ کا مجموعہ ہے) اور وسائل الشیعہ (جو کتب اربعہ کے علاوہ سینکڑوں مستند کتابوں کا انتخاب لاجواب ہے) میں اٹھارہ فصول درج نہیں ہیں؟ اور کیا ہماری وہ سب چھوٹی اور بڑی فقہی کتابیں جو ہمارے دینی مدارس میں درساً پڑھائی جاتی ہیں یعنی علامہ حلی کے تبصرہ سے لیکر محقق حلی کی شرائع الاسلام تک اور اسکی شرحیں مسالک، مدارک اور جواہر الکلام وغیرہ تک اور شہید اول کی لمعہ سے لیکر شہید ثانی کی شرح لمعہ تک اور علامہ حلی کی منتہی الفقہ سے لیکر فاضل بحرانی کی حدائق ناضرہ تک تمام فقہی کتابوں میں اٹھارہ جملے نہیں لکھے ہیں

اور کیا موجودہ دور کے تمام مراجع عظام تقلید شیعان جہان کے رسائل عملیہ اور توضیحات المسائل میں اذان کے اٹھارہ کلمے مذکور نہیں ہیں[1]

اگر یہ سب حقائق صحیح ہیں اور یقیناً صحیح ہیں تو پھر

---

[1] وہ اٹھارہ فصول یہ ہیں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہدان لا الٰہ الا اللہ! اشہدان لا الٰہ الا اللہ، اشہدان محمد رسول اللہ، اشہدان محمد رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح۔ حی علیٰ خیر العمل حی علی خیر العمل۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ (...)

میرے اٹھارہ فصولِ اذان لکھنے پر اعتراض کرنے کا جواز کیا ہے؟ بعد ازیں یہ کہنا بلا مبالغہ درست ہے کہ اذان کے بیس۲۰ فصول والی بات ان لوگوں کے نہاں خانۂ دماغ کے سوا ہماری کسی بھی مستند فقہی کتاب میں درج نہیں ہے افسوس سے

نے اصولت محکم آید نے فروع
شرم باید از خدا و از رسول

سچی بات تو یہ ہے کہ سے

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اسمیں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

۴: نماز میں ہاتھ باندھنا بدعت ہے

منجملہ اُن بدعات کے جو پیغمبر اسلام کی لائی ہوئی اور خدا کی مقرر فرمائی ہوئی عبادات شرعیہ میں ایجاد کی گئی ہیں ایک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا بھی ہے۔ وہ نماز جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پورے تیئس۲۳ سال تک ہر شب و روز میں پانچ مرتبہ سفر میں حضر میں خلوت میں جلوت میں اور ہزاروں کے مجمع عام میں پڑھتے رہے مگر آپ کے بعد اُسی نماز کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

کتب فریقین سے واضح و آشکار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے ـــــ چنانچہ فتاویٰ شیخ عبدالحی لکھنوی جلد ۱ صفحہ ۳۲۶ طبع اوّل میں ہے

"عن معاذ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام فی الصلوٰۃ رفع یدیہ قبال اذنیہ فاذا کبر ارسلھما"

(رواہ الطبرانی)

یعنی جناب معاذ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرتے اور پھر اُن کو کھلا چھوڑ دیتے تھے۔

۲:۔ عینی شرح کنز الدقائق صفحہ ۲۵ مطبع نولکشور میں ہے۔

لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعل کذالک وکذا اصحابہ حتی ینزل الدم من رؤس اصابعھم

کہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحابؓ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ان کی انگلیوں کے سروں میں خون اُتر آتا تھا۔

۳:۔ سنن ابوداؤد صفحہ ۱۰۹ میں ابن عباس سے مروی ہے فرمایا اگر تو پسند کرے کہ رسول خدا کی نماز دیکھے تو ابن زبیر کی اقتدا کرے۔

اور نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ تسہیل القاری پ ۳ صفحہ ۸۴ میں مذکور ہے کہ ابن زبیر ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

۴:۔ عوارف المعارف للشیخ شہید سہروردی مطبوع برحاشیہ احیاء العلوم غزالی طبع مصر جلد ۳ صفحہ ۲ میں نماز میں ہاتھ کھولنے اور باندھنے کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے

"کہ انسان کا اوپر والا حصہ انوار ربانیہ، تجلیات الٰہیہ اور خیالات عالیہ کا مرکز ہے اور نچلا حصہ سفلی اور شیطانی جذبات وخیالات کا محور ہے اور حالت نماز میں دونوں قسم کے جذبات میں تصادم شروع ہو جاتا ہے اسلئے حکم ہے کہ نمازی ہاتھ باندھ لے۔ تاکہ دونوں قسم کے جذبات اپنے اپنے مقام پر قائم رہیں۔ ہاں جن بزرگوں کے جذبات عالیہ کا پلہ بھاری ہو انکو ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لیے جناب رسول خداؐ

ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ؛ جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

اور کتب فریقین میں کوئی ایک مرفوع، متصل صحیح السند حدیث موجود نہیں ہے جس سے آنحضرت کا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہو ؎

میرے کہنے پہ کیا آزمائے جس کا جی چاہے

اسی طرح قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ عترتِ رسول کا عمل بھی اسی طریقہ نبویہ پر تھا۔ یعنی وہ ذواتِ مقدسہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

(۱) چنانچہ علامہ وحید الزمان اپنی کتاب تسہیل القاری شرح بخاری پارہ ۳ صفحہ ۸۴۰/۸۴۷ پر نماز میں ہاتھ باندھنے کا عدم وجوب ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اگر واجب ہوتا تو اہل بیت کرام اسکو کیونکر ترک کرتے پس یہ ترک دلیل ہے اسکے سنت ہونے کی"۔ پھر لکھا

"بالجملہ امام مالک اور امام محمد باقر اور ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن زبیر اور حسن بصری اور لیث بن سعد اور اوزاعی وغیرھم سے ارسال (ہاتھ چھوڑنا) منقول ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سلف امت میں اس مسئلہ میں خلاف تھا الخ۔ ..

(کذا فی العینی شرح البخاری جلد ۳ صفحہ ۱۵)

جس دلیل سے علامہ صاحب نے ہاتھ باندھنے کا عدم وجوب ثابت کیا ہے یعنی یہ کہ اگر واجب ہوتا تو اہلِ بیت اسکو ترک نہ کرتے ــــ بعینہٖ اسی دلیل سے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ فعل سنت بھی نہیں ہے ورنہ ائمہ اہلِ بیت ع ہرگز سنت رسول سے روگردانی نہ کرتے!

۲: امام شوکانی نے نیل الاوطار ج ۲ ص ۷۶ طبع مصر پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ عترۃِ رسول ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی قائل ہے ــــ اور جہاں تک

شیعی کتب سے ثبوت کا تعلق ہے تو وہ "عیاں راچہ بیان" کا مصداق ہے۔

۳:۔ فروع کافی جلد ۱ ص ۱۸۱ بروایت صحیحہ جناب حماد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا دو رکعت نماز بغرض تعلیم پڑھنا مروی ہے اس میں مذکور ہے کہ

فقام ابوعبداللہ مستقبل القبلۃ منتصباً فارسل یدیہ جمیعاً علی فخذیہ الخ

یعنی" امام قبلہ رو ہو کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ اور دونوں ہاتھ کھول دیئے"

۴:۔ فروع کافی جلد ۱ ص ۱۹۸ پر مذکور ہے امام محمد باقر نماز کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وارسل یدیک ولاتشبک اصابعک ولیکونا علی فخذیک قبالۃ رکبتیک"

یعنی نماز پڑھتے وقت ہاتھوں کو چھوڑ دے اور ان کو زانوؤں کے بالمقابل رانوں پر رکھ اور انگلیاں ایک دوسرے کے اندر نہ پھنسا"

(وکذا فی تہذیب الاحکام جلد ۱ ص ۱۵۷ وکذا فی دعائم الاسلام عن علی علیہ السلام)

۵:۔ جناب محمد بن مسلم حضرت امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کرتے ہیں۔

الرجل یضع یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ

ایک آدمی نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتا ہے یعنی یہ کیسا ہے؟ فرمایا "ذالک التکفیر فلا تفعل" یہ تکفیر ہے ایسا مت کر فانما یضع ذالک المجوس،، یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے۔

(تہذیب الاحکام جلد ۱ صفحہ ۱۵۸ من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۱ صفحہ ۹۹)

لغت عرب میں تکفیر کے معنی سینہ پر ہاتھ رکھنے کے لئے گئے ہیں۔

(ملاحظہ ہو صراح، منتہی الارب وغیرہ)

اِنَّ فِی ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ

۵: سب سے پہلے جناب عمر نے ہاتھ باندھنے کا حکم دیا:

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اس فرمان ور کہ ہاتھ مت باندھو کہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے" سے ایک اہم سربستہ راز کا انکشاف بھی ہو جاتا ہے کہ یہ رسم بد بدقسمتی سے مسلمانوں میں مجوسیوں سے آئی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فتح قادسیہ کے موقع پر جب مجوسی جنگ ہار گئے اور جو قتل ہونے سے بچے انہیں قید کر کے دربار خلافت (ثانی) میں لایا گیا تو ان کی اس وقت یہ حالت تھی کہ ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے اور گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

عمر کو ان کی یہ ہیئت بہت پسند آئی اور حکم دیا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اسی حالت میں خدا کی بندگی کریں کہ اس سے عاجزی و انکساری ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ اسکے بعد ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا رواج ہوا

(الاوائل از علامہ ابو بلال عسکری مخطوط)

۶: تشہد میں شہادت ثالثہ کا اضافہ

اس وقت چونکہ دین حقیقی کے سربراہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف پردہ غیبت میں روپوش ہیں اور ان کے نائبین یعنی علماء اعلام کے ہاتھوں میں زمام اقتدار نہیں ہے اسلئے بعض خود غرض مخرب دین اور گندم نما جو فروش ملاں بے لگام مقررین اور تاجران خون حسین جاہل ذاکرین کی

شہزوریاں اور دین میں تخریب کاریاں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ اب نماز جیسی افضل ترین شرعی و توقیفی عبادت بھی اُن کے دست تصرف سے محفوظ نہیں رہی چنانچہ انہوں نے کچھ عرصہ سے نماز کے تشہد میں "شہادت ثالثہ (اشہدان علیاً ولی اللہ) پڑھنا شروع کردی ہے اور انہی لوگوں کی... تحریک و انگیخت پر بعض سادہ لوح اور فریب خوردہ اہلِ ایمان نے بھی شروع کردی ہے۔

یہ لوگ رات دن مجالس و محافل میں اس بات کو اس قدر ہوا دے رہے ہیں اور اس میں اس قدر رنگ آمیزی و مبالغہ آمیزی کر رہے ہیں کہ اب تو بعض حلقوں میں مومن سمجھا ہی اُسے جاتا ہے جو اس نئی ایجاد پر عمل کرتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس ایجاد کے بعض موجد و مؤید تو وہ ہیں جو سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے۔ بلکہ وجوب نماز کے قائل ہی نہیں ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو لوگوں سے تو پڑھواتے ہیں۔ مگر خود نہیں پڑھتے البتہ کچھ ایسے بھی ہیں جو خود بھی پڑھتے ہیں اور دوسروں سے بھی پڑھواتے ہیں۔ بہرکیف بوجب ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی　　　که با آسماں نیز پرداختی

ہمارے علماء و فقہاء تو آج تک اذان و اقامت میں اس شہادت ثالثہ کی جزئیت کا جواز رسول وآلِ رسول کے قول و فعل سے ثابت نہ کرسکے۔ تبھی تو "تبرکاً و تیمناً" کہنے کا سہارا لیتے ہیں۔ یا آج عوام یا عوامی نمائندگی کے دعویداران نماز کے تشہد میں اسکے پڑھنے پر اس قدر مُصر ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق اسکے بغیر نماز قبول ہی نہیں ہوتی۔

اب اس موضوع پہ نہ صرف یہ کہ تقریریں ہو رہی ہیں اور مضامین لکھے جارہے ہیں بلکہ رطب و یابس اور شیطانی قیاسات اور ذاتی خیالات سے

لبریز بعض رسائل بھی سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں۔

چنانچہ قریب میں ایک گندم نما جو فروش بلکہ دین فروش مولوی نے ایک رسالہ بنام "شہادت ثالثہ" شائع کیا ہے ایک اور مخرب دین فسادی مُلّا نے نماز میں "تیسری گواہی" نامی رسالہ طبع کرایا ہے۔

ان رسالوں میں تدلیس ہے تلبیس ابلیس ہے۔ استدلال میں فریب کاری ہے نقل عبارات میں مکاری ہے۔ حوالہ جات میں عیاری ہے "اَنْتُمْ سُکَارٰی" چھوڑ کر "لاتقربوا الصلوٰۃ" پر خورد انحصاری ہے۔

الغرض ہر جگہ دھوکا دہی اور فریب کاری کی عملداری اور گرم بازاری ہے

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ٭ بھان متی نے کنبہ جوڑا

بھلا جب اس سلسلہ کے بارے میں اللہ کا کوئی فرمان نہیں ہے اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا کوئی واضح ارشاد باسداد نہیں ہے اور ان کا عمل نہیں ہے حکم نہیں ہے مجتہدین و محدثین کا فتویٰ نہیں ہے پھر نہ معلوم اپنے نامہ اعمال کی طرح ان رسالوں کے ورق سیاہ کرنے کا فائدہ کیا ہے؟؟؟!

(۱) ہم ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں اور دعوے کرتے ہیں کہ پنج تن پاک ع

بارہ امام اور چہاردہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی ایک بزرگوار کا نماز میں خود شہادت ثالثہ کا پڑھنا یا کسی شخص کو اس کے پڑھنے کا حکم دینا ہماری کسی مستند کتاب اور ہمارا کسی معتبر روایت میں مذکور نہیں ہے اور اگر کوئی مائی کا لال کوئی ایک مستند حوالہ بہم پہنچائے تو ہم جہاں شکریہ کے ساتھ اُسے قبول کریں گے وہاں اُسے منہ مانگا انعام بھی پیش کریں گے۔

مگر ہم علی وجہ البصیرت پیشگی اعلان کرتے ہیں کہ صبح قیامت کے طلوع ہونے تک آئیں بائیں شائیں کرنے کے سوا کوئی شخص اس قسم کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں پیش کر سکے گا۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار اُن سے : یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

۲:۔ لے دے کے کتاب فقہ الرضا میں تشہد کے مستحبی اجزاء میں جہاں "اشہد ان ربی نعم الرب وان محمداً نعم الرسول درج ہے (جو عام کتب حدیث و فقہ میں بھی موجود ہے) وہاں یہ اضافہ بھی مذکور ہے "وان علیاً نعم الامام یا نعم الولی" (جو اور کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے)

اور اگر کسی کتاب میں ہے جیسے مستدرک الوسائل، القطرۃ اور تحفۂ احمدیہ وغیرہ۔ تو وہ اسی فقہ الرضا کے حوالہ سے ہے مگر علماء محققین اور فقہائے مدققین کے نزدیک فقہ الرضا نامی کتاب قطعاً ناقابلِ اعتماد ہے اور امام رضا کی طرف اسکی نسبت ہرگز ثابت نہیں ہے۔

(۱) چنانچہ فاضل بجاثہ علامہ سید محسن الامین العاملی اپنی مشہورِ عالم کتاب "اعیان الشیعہ" جلد ۱ ص ۲۹۲ طبع بیروت میں اسکی نسبت لکھتے ہیں "ولم یثبت" یعنی اس کتاب کا امام رضا کی تالیف ہونا ثابت نہیں ہے

(۲) اور جناب حر عاملی جیسا محدث جلیل و فاضل نبیل (جامع وسائل

الشیعہ الی مسائل الشریعہ) باوجودیکہ وسائل الشیعہ لکھتے وقت یہ کتاب انکے پیش نظر تھی مگر وہ اسے ناقابلِ اعتبار سمجھ کر اس کی کوئی روایت اپنی اس عظیم کتاب میں نقل نہیں کرتے (ملاحظہ ہو خاتمہ الوسائل جلد ۳)

"ولا ینبئک مثل خبیر"

(۳) آقائے رضا استادی نے اپنے مخصوص رسالہ "تحقیقے پیرامون کتاب فقہ الرضا" طبع ایران میں جو اسی کتاب کے بارے میں تالیف کیا ہے ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب دراصل مشہور بدعقیدہ آدمی شلمغانی کا رسالہ ہے۔

(۴) اور فاضل جلیل آقائے سید محمد ہاشم اصفہانی روضاتی نے اسی کتاب کی تحقیق میں ایک کتاب مرتب کی ہے بنام "رسالۃ فی تحقیق حال کتاب فقہ الرضا" انہوں نے بھی ناقابلِ رد دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ اس کتاب کی امام رضا علیہ السلام کی طرف نسبت قطعاً بے بنیاد ہے۔

علمی لطیفہ جس فقہ الرضا نامی کتاب کو یہ لوگ حضرت امام رضا علیہ السلام کی تالیف قرار دیکر تشہد میں شہادت ثالثہ پڑھتے ہیں تو اگر وہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ یہ کتاب واقعاً حضرت امام رضا علیہ السلام کی تالیف ہے تو پھر ان پر لازم ہے کہ وضو بھی اسکے مطابق کریں۔ اذان و اقامت بھی اس کے مطابق دیں اور لباس بھی اسکے مطابق زیب تن کر کے نماز پڑھیں ع

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم [1]

---

[1] مخفی نہ رہے کہ فقہ الرضا نامی کتاب میں اذان و اقامت میں اشہدان علیاً ولی اللہ مذکور نہیں ہے۔ نیز اس میں وضو کے بارے میں لکھا ہے کہ پاؤں کا دھونا بھی صحیح ہے اور مسح کرنا بھی درست ہے نیز اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ حرام جانور کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ فراجع

نیز پھر تشہد بھی وہ پورا پڑھیں۔ اس کتاب میں مذکور ہے جس کا (خود) ایک فقرہ پڑھتے ہیں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے (اور یقیناً نہیں کریں گے اور نہ ہی کر سکتے ہیں) تو پھر معلوم ہو جائے گا

کہ ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ ٭ دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا۔

والی اللہ المشتکیٰ وہو المستعان وعلیہ التکلان

(۳) نیز یہ چیز بھی پیش نظر رہے کہ متقدمین ومتاخرین شیعہ علماء مجتہدین میں سے آج تک کسی قابل ذکر فقیہ نبیہ نے اس شہادت ثالثہ کی نماز میں اور وہ بھی جزو تشہد سمجھ کر پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ اس کے برعکس اس کے پڑھنے کو نہ صرف یہ کہ ناجائز قرار دیا ہے بلکہ بعض بہت بڑے مراجع تقلید نے اس اضافہ کو مبطل نماز بھی قرار دیا ہے

ذیل میں بطور نمونہ مشتے از خروارے چند اعلام اور مراجع تقلید شیعان جہان کے گراں قدر فتاوی پیش کیے جاتے ہیں جو انہوں نے رائے عامہ اور لومۃ لائم کی پروا کیے بغیر اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے جاری کیے ہیں۔

چنانچہ در مختلف اعلام سے جو سوال کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں علماء اسلام اس مسئلہ میں کہ آیا نماز کے تشہد میں شہادت ثالثہ جائز ہے یا نہ؟ ــــ بینوا توجروا ــــ اور علماء اعلام اور فقہاء عظام نے اسکے جو جوابات دیے ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ نہیں، یہ جائز نہیں ہے ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ ان کے جوابات کا خلاصہ نہ

کے اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں ـــــ اصل ہمارے پاس محفوظ ہیں جو عندالضرورۃ دیکھے جا سکتے ہیں۔

(۱) شمس العلماء علامہ سید علی الحائری مجتہد پنجاب لکھتے ہیں۔

"نماز کے مقررہ ارکان میں کسی قسم کی تبدیلی زیادتی یا کمی نہیں ہو سکتی اسلیے تشہد نماز میں اداء شہادت ولایت کے لیے لوگ مامور نہیں کیے گئے" "نمقہٗ خادم الشریعہ علی الحائری بقلمہ۔ (محلہ شیعیان موچی دروازہ لاہور)

(۲) سرکار آیۃ اللہ السید محسن الحکیم اعلی اللہ مقامہٗ فرماتے ہیں۔

"جائز نیست و مبطل نماز است" (محسن الطباطبائی الحکیم)

(۳) سرکار آیۃ اللہ السید عبداللہ الشیرازی اعلی اللہ مقامہٗ فرماتے ہیں۔

"واجب نیست و الا لازم می آید کہ ترک واجب کردہ باشد چوں یقیناً پیغمبر خدا بعد از غدیر شہادت ولایت علی در نماز نمی دادہ واللہ اعلم۔ عبداللہ بن السید محمد طاہر الشیرازی)

۴:۔ سرکار آیت اللہ الخوئی اعلی اللہ مقامہٗ فرماتے ہیں

"شہادت بولایت در نماز جائز نیست و مبطل نماز است، واللہ العالم (ابوالقاسم الخوئی)

(۵) سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہٗ فرماتے ہیں

"تشہد میں کسی چیز کا اضافہ درست نہیں ہے"

(علی نقی النقوی)

اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ آیۃ اللہ آقای شریعت مدار، آیۃ اللہ آقای مرعشی اور آیۃ اللہ آقائے گلپائیگانی اور دیگر مراجع و مجتہدین کے فتاویٰ

بھی اس اضافے کے عدم جواز پر موجود ہیں۔

وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ انشاء اللہ تعالیٰ۔

☆

ان حقائق کی روشنی میں ان فریب خوردہ اہلِ ایمان کو اپنی روش پر نظرثانی کرنا چاہیئے جو کہ قرآن و ائمہ اطہار کے واضح فرمان اور مجتہدین عظام کے واضح فتاوی پر اپنے عمل کی بنیاد رکھنے کی بجائے بغیر سوچے سمجھے ان لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں پر اعتماد کرکے کہ جن کے قول و بول میں کوئی فرق نہیں ہے[۱] اپنے عقیدہ و عمل کو برباد کر رہے ہیں ؎

نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستان کب تک ؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے فرمایا!

" ادنیٰ ما یخرج بہ الرجل عن الاسلام ان یری الرأی بخلاف الحق فیقیم علیہ "

یعنی کم از کم وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی دین سے خارج ہوجاتا ہے یہ ہے کہ وہ خود ایک غلط رائے قائم کرے اور پھر اس پر ڈٹ جائے۔

(تفسیر صافی بذیل آیت ومن یکفر بالایمان)

---

[۱] عالم ربانی شیخ زین العابدین مازندرانی نے اپنی کتاب ذخیرۃ العباد ص طبع لکھنؤ پر لکھا ہے۔

" در واعظیکہ مجتہد نیست قولش مثل بولش می ماند در احکام شریعت اگر از طرف خود بگوید " — جو واعظ و مبلغ مجتہد نہ ہو (اور نہ کسی مجتہد کا فتوی نقل کرے) بلکہ اپنی طرف سے شریعت میں دخل اندازی کرے تو اس کا قول مثل اس کے بول (پیشاب) کے ہے — (منہ عفی عنہ)

ایک اور روایت میں وارد ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے بروز عید نماز عید سے پہلے ایک شخص کو جب نوافل پڑھتے ہوئے دیکھا تو اُسے ٹوکا۔ اس شخص نے کہا کہ آخر نماز ہے کوئی گناہ کا کام تو نہیں ہے؟ اس پر جناب امیرؑ نے فرمایا!

ان اللہ لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم او یحث فتکون صلواتک عبثاً والعبث حرام فلعلہ یعذبک بمخالفتک بنیہ "

"یعنی جب تک اس بات کا ثبوت نہ مل جائے کہ فلاں کام رسول خدا نے کیا ہے یا اُسکے کرنے پر آمادہ کیا ہے اس وقت تک خدا اس کام کے کرنے پر ثواب نہیں دیتا۔

بنا بریں تیری یہ نماز عبث کام ہے اور عبث کام حرام ہے کچھ بعید نہیں کہ خداوند عالم تجھے اپنے پیغمبر کی مخالفت کرنے کی وجہ سے عذاب کرے" (شرح مجمع البحرین کذا فی الجنۃ ص ۱۲۵ ونظم البیان ص ۲۳)

با انصاف قارئین کرام کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ اگر سُنّتِ نبویہ کے خلاف نماز پڑھنے پر عذاب کا اندیشہ ہے تو کیا خلافِ سُنّت دوسرے کام پر کس طرح اجر و ثواب کی توقع کی جا سکتی ہے؟؟

نیز ایک حدیث میں وارد ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ شب و روز میں فرائض و نوافل کی کُل کتنی رکعتیں ہیں؟ فرمایا اکیاون ۵۱۔ اُس نے کہا اگر میں اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہوں اور پڑھوں تو کیا خدا مجھے عذاب کریگا؟

امام نے فرمایا نماز پڑھنے پر تو عذاب نہیں کریگا ۔ البتہ سُنت کی مخالفت کرنے (اور خلافِ سُنت کو سُنت سمجھ کر انجام دینے) پر ضرور عذاب کریگا ۔

(وسائل الشیعہ)

ے من آنچہ شرطِ بلاغ است باتو میگویم ۔ تو خواہ از سخنم پند بگیر و خواہ ملال

۷ : نمازِ چاشت پڑھنا بدعت ہے

برادرانِ اسلام چاشت کی چند رکعت نماز کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور بالالتزام پڑھتے ہیں ۔

حالانکہ یہ نماز نہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھی ہے اور نہ ہی اُن کے اوصیاء برحق نے پڑھی ہے بلکہ اسے صاف اور صریح لفظوں میں بدعت قرار دیا ہے ۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا

"صلوۃ الضحیٰ بدعۃ"

نماز چاشت بدعت ہے ۔ (کتاب وسائل الشیعہ)

۸ : نماز تراویح بدعت ہے

ہمارے ہاں ماہ رمضان میں اسلامی برادری سے زیادہ نوافل پڑھے جاتے ہیں (یعنی پوری ایک ہزار رکعت پڑھی جاتی ہے) بایں تفصیل کہ یکم ماہ رمضان سے بیس ۲۰ تک ہر رات بیس رکعتیں اور اکیس ۲۱ سے تیس تک ہر رات تیس رکعتیں اور لیالیٔ قدر (۱۹، ۲۱، ۲۳ ماہ رمضان) میں مزید برآں ایک ایک سو رکعت ۔ مگر چونکہ مستحبی نماز میں جماعت روا نہیں ہے نہ بانیٔ اسلام نے ایسا کیا ہے اور نہ ائمہ علیہم السلام نے اور نہ ہی دوسروں کو ایسا کرنے کی اجازت دی ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم یہ نوافل فرادیٰ پڑھا کرتے تھے

سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے یہ بدعت ایجاد کی - ہوا یوں کہ ایک رات جب وہ گشت کرتے ہوئے مسجد نبویؐ میں آئے تو دیکھا کہ لوگ الگ الگ ماہ رمضان کے نوافل پڑھ رہے ہیں تو کہا کہ کتنا اچھا ہوتا اگر میں ان کو ایک امام کے پیچھے کھڑا کر دیتا - چنانچہ اُبیّ بن ابی کعب کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو باجماعت یہ نوافل پڑھائیں - حسب معمول جب دوسری رات گشت کرتے ہوئے وہاں پہنچے اور لوگوں کو جماعت کے ساتھ یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو خوش ہو کر کہا "نعمت البدعة هذه" (یہ بڑی اچھی بدعت ہے -

(ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد ۳ ص ۵۸

باب فضل من قام رمضان)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں یہ وہ کھلی ہوئی بدعت ہے جس کا اقرار خود اس کے موجد نے واشگاف الفاظ میں کر لیا ہے - اب رہی یہ بات کہ یہ بدعت اچھی ہے یا بری - تو قبل ازیں گفتار اولین پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان فریقین کی مستند کتابوں کے حوالوں سے پیش کیا جا چکا ہے کہ فرمایا!

"کُلُّ بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار"

(ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں جائیگی")

بنا بریں شریعت میں بدعت کو تقسیم کر کے اور اُسے "بدعت حسنہ" اور بدعت سیئۃ" قرار دے کر اُسے مشرف بہ اسلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے -

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء (فصل اولیات عمر ص ۹۷ طبع مصر

پر اقرار کیا ہے کہ

"ھو اول من سن قیام شھر رمضان"

"حضرت عمر پہلا شخص ہے جس نے تراویح کی بنیاد رکھی"۔ اور ایسا ہی فاضل شبلی نے اپنی کتاب "الفاروق" میں اعتراف کیا ہے۔

(فراجع)

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار

یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

۹: نمازِ قضائے عمری بدعت ہے

پرانی تحفۃ العوام اور کئی دوسری غیر مستند کتابوں میں "نماز قضائے عمری" کے نام سے ایک مخصوص قسم کی چند رکعتی نماز مذکور ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے کہ جس بندے کے ذمہ بے حساب قضا نمازیں واجب الادا ہوں اور وہ اُن کو ادا نہ کر سکتا ہو تو شبِ دوشنبہ کو اس مخصوص طریقہ پہ یہ چند رکعت نماز پڑھ لے تو ایسا کرنے سے اسکی سب قضا شدہ نمازیں ادا ہو جائیں گی۔

سو واضح ہو کہ اس نماز کی کوئی اصلیت نہیں ہے قضا شدہ نمازوں کا شرعی حکم یہ ہے کہ قضا شدہ نمازوں کی تعداد اگر معلوم ہو تو اُسی قدر ادا کرنا ہوں گی۔ اور اگر تعداد کا صحیح علم نہ ہو تو پھر تخمینہ اور اندازہ لگانا پڑیگا اور اس قدر نمازیں پڑھی جائیں گی کہ اپنے فارغ الذمہ ہونے کا یقین ہو جائے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکے تو اپنے وُرثار کو اُن کی ادائیگی کی وصیت کریگا۔ بہر حال اس قضائے عمری کے طریقہ پر ان

نمازوں کی ادائیگی کی کوئی حقیقت نہیں ہے لہٰذا اسے بدعت سمجھا جائے گا۔
کیونکہ اس قسم کا کوئی مستند فرمان ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے منقول
نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہوتا تو بھی اسکی یہ تاویل کی جاتی کہ ایسا کرنے
سے ادا و قضا کا فرق اور تفاوت ختم ہو جائیگا۔ اور یوں سمجھا جائیگا کہ گویا یہ...
نمازیں اپنے وقت پر پڑھی گئیں ہیں۔

۱۰: نمازِ جنازہ میں چار تکبیر بدعت ہے

کتب فریقین سے ثابت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلم جب تک آپ کو منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں
کی گئی آپ سب مرنے والوں پر پانچ تکبیر نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے البتہ
اس ممانعت کے بعد منافقین پر چار اور مومنین پر پانچ پڑھا کرتے تھے
چنانچہ فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۶۵ طبع لکھنؤ بروایت صادق مذکور ہے
اذا کبّر علی رجلٍ اربعاً اتُّھم یعنی بالنفاق
یعنی جب آپ کسی آدمی پر چار تکبیر پڑھتے تھے تو اُسے منافق سمجھا
جاتا تھا۔ البتہ اہلِ سُنّت میں تکبیرات جنازہ کے متعلق خاصا اختلاف
پایا جاتا ہے کہ آنحضرت اور صحابہ کرام کس قدر تکبیریں پڑھا کرتے تھے؟
شرح مسلم نووی جلد ۱ صفحہ ۳۰۹ پر حضرت علیؑ سے عملِ رسول اس طرح
مروی ہے کہ آپ اہلِ بدر پر سات اور دوسرے صحابہ پر پانچ تکبیریں پڑھا
کرتے تھے ——— مخفی نہ رہے کہ کتاب نصب الرایہ صفحہ ۱۴۳ پر جناب
امیرؑ کا بھی یہی عمل نقل کیا گیا ہے۔
میزان کبریٰ شعرانی جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ پر ابن مسعود کا یہ قول نقل کیا ہے کہ
آنحضرت بعض پر نو ۹۔ بعض پر سات، اور بعض پر چار تکبیریں پڑھا کرتے

کرتے تھے۔

انہی حقائق کی بناء پر علامہ وحید الزمان نے ترجمہ سنن ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۵۰۸ پر لکھا ہے کہ

"چار تکبیروں پر اجماع کا دعوے غلط ہے

صحابہ میں اختلاف مشہور ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ پانچ تکبیروں پر عمل نہ کیا جائے ــــــــ جب حدیث صحیح اس باب میں وارد ہوئی باوجودیکہ اس میں زیادت ہے اور زیادت پر عمل کرنا اولیٰ ہے"

تمام اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ چار تکبیروں پر لوگوں کو عمرؓ نے جمع کیا ــــــ چنانچہ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۷ طبع مصر جدید باب اولیات عمر میں لکھا ہے۔

واول من جمع الناس فی صلوٰۃ الجنازۃ علی اربع تکبیرات۔

یعنی عمرؓ پہلا شخص ہے جس نے لوگوں کو جنازہ میں چار تکبیروں پر جمع کیا۔

(وکذا فی الفارق للشبلی ص ۲۵۳ طبع لاہور)

اب تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ اہل اسلام وایمان پر چار تکبیر نماز جنازہ پڑھنا سنت رسول نہیں بلکہ بدعت عمرؓ ہے۔

۱۱: نماز کے بعد مخصوص تعداد میں درود پڑھنا:

سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام پر

درود پڑھنا بہترین کار ثواب ہے بلکہ یہ وہ عمل ہے جس میں خدا بھی شامل ہے (اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝) لہٰذا اس کا پڑھنا بخشش گناہ

اور بلندیٔ درجات کا بہترین ذریعہ ہے لیکن اگر اس میں بھی الزام مالایلزم کا ارتکاب کیا جائے مثلاً یہ رسم و ریت بنالی جائے کہ نماز کا سلام پھیرتے ہی باآوازِ بلند صرف پانچ یا دس مرتبہ درود پڑھا جائے تو یہ مقام اور عدد کی تعیین ممنوع ہو جائیگی کیونکہ خود محمدؐ و آل محمد علیہم السلام نے یہ التزام نہیں کیا اور جاہل اور جس عمل میں ان کے نقشِ پا نظر نہ آئیں تو وہ عمل صحیح نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ اگر طواف کی طرح اسکی تعداد معین نہ کی جائے بلکہ اسے کبھی کم و کبھی بیشی کر دی جاتی تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کسی ورد یا وظیفہ کی تعداد مقرر کرنا شریعت کا کام ہے

اسی بنا پر علامہ جزائری نے انوارِ نعمانیہ میں لا الہ الا اللہ کے وِرد کی حُسن و خوبی بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے اس کا خاص عدد اور خاص وقت مقرر کر کے پڑھے تو یہ بدعت بن جائیگی۔ (فراجع)

۱۲: مخصوص اوقات میں مصافحہ کا التزام

بے شک اہلِ ایمان کا باہمی مصافحہ کرنا کارِ ثواب ہے۔ اور شرعاً پسندیدہ فعل ہے اس سے دلوں میں میل و محبت اور لوگوں میں یک جہتی و یگانگت پیدا ہوتی ہے اس سے گناہ جھڑتے ہیں اور یہ ہمیشہ اور ہر وقت کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ التزام کہ نماز با جماعت کا سلام پھیرتے ہی لازماً مصافحہ کیا جائے اور پھر نماز کے اختتام پر بھی ضرور کیا جائے اور اس مقام کے لیے خاص شرعی حکم سمجھ کر کیا جائے کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے کیونکہ سرکار محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار میں اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا۔

انہی حقائق کی بنا پر برادرانِ اسلام کے علماء کبار نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس تخصیص و تعیین پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد ۴ ص ۱۲، الاعتصام شاطبی صفحہ ۲ وغیرہ ملاحظہ ہو) اسی طرح یہ بھی بیان گزرش ہے کہ کسی معصومؑ کی شہادت کے موقع پر

مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۳: نماز کے بعد صرف تین مخصوص زیارتیں پڑھنا

پہلے متحدہ ہندوستان میں اور اب پاک وہند میں یہ رسم ہے کہ ہر نماز فریضہ اور مجالسِ سید الشہداء کے خاتمہ پر تین زیارتیں ضرور پڑھی جاتی ہیں (جناب امام حسینؑ، امام علی بن موسیٰ الرضاؑ، اور امامِ زمانہ کی زیارت یا چار بہ شمول پیغمبر اسلام کی زیارت کے)

جبکہ دوسرے اسلامی ممالک میں ایسی کوئی رسم نہیں ہے اگرچہ نزدیک و دُور سے سرکارِ معصومین علیہم السلام کی زیارت پڑھی جا سکتی ہے بلکہ پڑھنا کارِ ثواب ہے مگر کلام اس میں ہے کہ جو کچھ ہم ایک شرعی عبادت اور اسلامی حکم سمجھ کر بجا لاتے ہیں یہ ایک رسم تو ہے مگر سیرت ائمہ طاہرین واسوۂ فقہاء کاملین میں اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ التزام صحیح نہیں ہے۔

ایک بار قدوۃ الصالحین سرکار پیر سید فضل شاہ اعلی اللہ مقامہ نے اس راقم آثم سے استفسار فرمایا کہ نماز کے بعد چودہ[۱۴] معصومین علیہم السلام میں سے صرف تین معصومین کی زیارات کیوں پڑھی جاتی ہیں دوسرے معصومین کی کیوں نہیں پڑھی جاتیں؟ اس اختصاص کی وجہ کیا ہے؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ ہم اسکی وجہ تب معلوم کرنے کی کوشش کرتے کہ جب یہ کوئی مخصوص شرعی حکم ہوتا اور شرعاً وارد ہوتا۔ مگر یہ تو محض ایک رسم ہے جو صرف ہمارے ملک میں [نہ معلوم کب سے] جاری ہے لہٰذا اسکی شرعی علت معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سرکار پیر صاحب اس جواب باصواب سے مطمئن ہو کر خاموش ہو گئے۔

ہاں! البتہ اگر ایسے مقامات پر اسکی بجائے تمام معصومین علیہم السلام کی کوئی مختصر مختصر سی مشترکہ زیارت جامعہ پڑھ لی جایا کرے اور وہ بھی خصوصی حکم سمجھے بغیر اور التزام کئے بغیر کبھی پڑھ لی اور کبھی نہ پڑھی۔

تو شاید یہ انسب[1] ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے جناب علامہ سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہٗ کو کئی بار ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ واللہ الموفق

۱۴: بالجہر ذکرِ خدا کرنا خداوند عالم کا ذکر کرنا بہترین عبادت اور اس کی بارگاہ میں دعا و پکار کرنا عبادت کا مغز ہے مگر یہ ذکر اور دعا و پکار اسی وقت عبادت قرار پائیں گے کہ جب شریعت مقدسہ کے قواعد کے مطابق ہوں گے اور وہ شرعی طریقہ یہ ہے کہ یہ ذکر و دعا اخلاص و انکسار کے ساتھ ہو اور آہستہ اور چپکے سے ہو۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (پارہ ۸ رکوع ۷۔ سورہ اعراف)

(اپنے پروردگار کو تضرع و زاری اور آہستگی سے پکارو وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا)

ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ۝ (پارہ ۹ سورہ اعراف رکوع ۲۴)

(اپنے پروردگار کا ذکر عجز و انکسار اور ڈر اور خوف کے ساتھ اور جہر سے کمتر آواز میں کر)

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بعض لوگوں کو بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے۔ بلکہ اسے پکار رہے ہو جو سمیع بھی ہے اور قریب بھی)

(بخاری و مسلم وغیرہ)

لہٰذا مساجد میں بلند آواز سے ذکر و دعا کرنا جہاں آدابِ مسجد کے خلاف

---

[1] جیسے بزیارت جامعہ "السلام علیکم یا اولیاء اللہ۔ السلام علیکم یا خلفاء اللہ۔ السلام علیکم یا حجج اللہ۔ السلام علیکم یا انصار دین اللہ۔ السلام علیکم یا حفاظ دین اللہ۔ السلام علیکم یا شفعاء یوم حساب۔ اہ الخ۔ یا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ہے وہاں سیرتِ نبی و امام کے بھی خلاف ہے۔

علاوہ بریں اس سے بعض اوقات نمازیوں اور قاریوں کی نماز و قرات میں بھی خلل پڑتا ہے جس سے وہ پریشان ہوتے ہیں لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے۔ اسی طرح صوفیہ کے ذکرِ جلی و ذکرِ خفی کی بھی کوئی اصلیت و حقیقت نہیں ہے ——— یہ ان کے طبع زاد نظریات ہیں جن کا شرعی نقطۂ نگاہ سے کوئی وزن اور کوئی جواز نہیں ہے بلکہ یہ ان کے احداث و بدعات میں سے ہے۔ واللہ العاصم۔

۱۵: بعض مخصوص نقوش کا بعض مخصوص اوقات میں دیکھنا

تحفۃ العوام اور عملیات کی بعض غیر معتبر کتابوں میں کچھ نقوش درج ہیں جن میں سے بعض کا تعلق ماہِ نو سے ہے کہ نیا چاند دیکھ کر دیکھے جاتے ہیں۔

بعض کا ایام ہفتہ سے اور بعض کا صبح و شام سے اور پھر اُن کے بہت سے فضائل لکھے ہیں ——— مثلاً جو شخص رات کو یہ نقش دیکھے گا۔ اُس کے دن بھر کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور جو صبح کو دیکھے گا اُس کے رات بھر کے گناہ بخشے جائیں گے۔

اور بعض کے متعلق تو یہاں تک لکھا ہے کہ جو عمر بھر میں صرف ایک بار اس نقش کو دیکھے گا اس کے تمام گناہ معاف اور آتشِ دوزخ حرام ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے نقوش ایجادِ بندہ ہیں اور بدعت کے زمرہ میں داخل ہیں۔ اور کسی نبی و امام سے مستند تو کجا غیر مستند طریقہ سے بھی منقول نہیں ہیں۔ جو شاید بدکاروں کو زیادہ بدکار و گنہگار بنانے کے لیے ایجاد کئے گئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جناب نجم العلما اور حضرت مفتی احمد علی لکھنوی نے تحفۃ العوام کامل کے حاشیہ پر وہاں صاف لکھا ہے جہاں یہ نقوش درج ہیں۔

کہ "نقوش مذکورہ آج تک کسی معتبر کتاب میں نظر قاصر سے نہیں گذرے"

اور ایسا ہی افادہ علامہ علی نقی نے فرمایا ہے مگر ناشرین کی جہالت اور غفلت کا یہ عالم ہے کہ علماء کی اس وضاحت کے باوجود وہ برابر یہ نقوش چھاپ رہے ہیں۔

۱۶:- زبان سے نیت کرنا: یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ہر عضو کا ایک خاص وظیفہ ہوتا ہے جو اسی سے انجام دیا جاتا ہے کسی اور عضو سے نہیں دیا جاسکتا۔ مثلاً جو کام آنکھ کے کرنے کا ہے وہ کان سے نہیں کیا جاسکتا اور جو کام کان سے متعلق ہے وہ آنکھ سے انجام نہیں دیا جاسکتا جو کام دل سے متعلق ہے وہ زبان سے نہیں کیا جاسکتا۔ اور جو کام زبان سے کیا جاتا ہے وہ دل سے انجام نہیں دیا جاسکتا۔

بنابریں دیکھنا یہ ہے کہ نیت کا تعلق کس عضو سے ہے؟ دل سے یا زبان سے؟ عوام یہ گمان کرتے ہیں کہ نیت زبان سے کی جاتی ہے مگر ارباب عقل و دانش جانتے ہیں کہ اس کا تعلق دل سے ہے نہ زبان سے۔

النیۃ فعلٌ یفعل بالقلب

(نیت ایک کام ہے جو دل سے انجام دیا جاتا ہے)

الغرض! نیت دل سے کی جاتی ہے زبان سے پڑھی نہیں جاتی۔ لہٰذا زبان سے نیت پڑھنا زمانۂ جہالت کی پیداوار اور اسی کی یادگار ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرکے صحیح شرعی طریقہ کے مطابق دل میں نیت کرنی چاہیے

بلکہ بعض فقہا کا فتویٰ ہے کہ زبان سے نیت کرنے سے عبادت باطل ہو جاتی ہے۔ اور یہ جو بعض چھوٹی بڑی کتابوں میں وضو و غسل کی اور نماز وغیرہ پڑھنے کی نیت لکھی ہوئی ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح دل میں قصد کیا جائے نہ کہ زبان سے پڑھی جائے۔

۱۷: مسجد میں آواز بلند کرنا: شریعت اسلامیہ میں مسجد کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ شریعت مقدسہ میں اسکے کچھ مخصوص احکام و آداب ہیں (جن کے ذکر کرنے کی یہاں نہ گنجائش ہے اور نہ ہی یہ اُن کا مقام ہے)

مختصراً عرض ہے کہ منجملہ اُن احکام کے ایک حکم اور ادب یہ ہے کہ مسجد خانہ خدا میں اُس کے احترام کے پیش نظر آواز بلند نہ کی جائے۔ حتیٰ کہ مستحب ہے کہ اس میں قرآن کی تلاوت بھی بلند آواز کی بجائے آہستہ کی جائے جیسا کہ کئی حدیثوں میں وارد ہے ملاحظہ ہو (وسائل الشیعہ وغیرہ) چہ جائیکہ اُس میں اور کئی قسم کی سیاسی یا مذہبی نعرہ بازی کی جائے یہ بات آداب مسجد کے خلاف ہے اور مکروہات میں داخل ہے لہٰذا اگر کوئی نعرہ وغیرہ لگانا ہو تو وہ حدودِ مسجد سے باہر لگانا چاہیئے۔

۱۸: جمعہ کے دن دوسری اذان دینا: جمعہ کے دن مقررہ اذان کے علاوہ دوسری اذان دینا یہ چیز خلاف سُنّت ہے اور بدعت ہے۔ جو مسلمانوں کے تیسرے دورِ خلافت کی یادگار ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو التفریق والتحریف فی الاسلام)

★

۱۹: مسجد کے دروازے بند کرنا:

مسجدوں کے دروازے بند رکھنا اور صرف اوقاتِ نماز میں اور وہ بھی صرف اوّل وقت پر کھولنا خلافِ سنّت ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد معدلت انگیز میں ایسا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ آپ کے عہد رسالت میں ہمیشہ اور ہر وقت خانۂ خدا کا دروازہ بندگانِ خدا کے لیے کھلا رہتا تھا۔ تاکہ جو بندۂ جب آئے خانۂ خدا میں خدا کی عبادت بجالائے۔

۲۰: مساجد کے مینار بنانا:

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مسجد خانۂ خدا ہے اور اس کی تعمیر بہت بڑی نیکی ہے۔ ارشادِ قدرت ہے۔

"إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ"

(اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں)

اور حدیث نبویؐ میں وارد ہے۔

مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ

(جو شخص خدا کی خوشنودی کے لیے (دنیا میں) مسجد بنائے خدا اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے)

مگر مساجد میں اونچے اونچے مینار بنانا اور ان کی تعمیر پر زرِ کثیر صرف کرنا شرعاً ممنوع ہے ۔ ۔ ۔ ۔ بکثرت روایات میں وارد ہے کہ جب امام زمانہ تشریف لائیں گے تو ان میناروں کو گرادیں گے

(سیزدھم بحار، اکمال الدین، النجم الثاقب وغیرہا)

راویٔ حدیث ابو ہاشم جعفری کا بیان ہے کہ میں نے خیال کیا کہ امام زمانہ کیوں ایسا کریں گے تو امام (حسن عسکریؑ) میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

معنیٰ هٰذا انها محدثة مبتدعة لم یبنها نبیّ ولا حجة

کہ ایسا اسلیے کریں گے کہ یہ (مینارے) بدعت ہیں اور نوایجاد۔ نہ کسی نبی نے بنائے ہیں اور نہ کسی حجت خدا (امام) نے (بحار جلد ۱۳)

اس حدیث سے بھی بعبارۃ النص ثابت ہے کہ ہر وہ کام جو نہ نبی انجام دے اور نہ امام۔ اور نہ ہی اس کے کرنے کی عمومی یا خصوصی طور پر اجازت دیں وہ کام بدعت بھی ہوتا ہے اور حرام بھی!

ویسے اگر عقلاً بھی غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ کسی بھی نقل کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ مطابق اصل ہو۔ بنا بریں ظاہر ہے کہ مسجد خانہ کعبہ کی نقل ہے تو جب اصل (کعبہ) میں مینارے نہیں ہیں تو اس کی نقل (مسجد) میں کہاں سے آئیں گے؟

بہر نوع اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی مسجدوں پر مینارے نہ بنائیں بلکہ اس سے کُلی اجتناب کریں (ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون)

۲۱: داخلی محراب بنانا:

اسی طرح متعدد اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ مسجدوں میں ایسے محراب بنانا کہ جس میں پیش نماز کھڑا ہو کر مقتدیوں کی نظر وں سے ادجھل ہو جائے یہ سلاطینِ بنی امیہ کے عہد کی ایجاد ہے جس سے بہر حال پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ فقہانے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

۲۲: روزہ میں بدعت، روزہ توکلی

انڈیا میں مخصوص طریقہ کے بعض روزے رائج ہیں۔

(۱) روزہ توکلی جس کا طریقہ یہ ہے کہ توکل بر خدا روزہ رکھا جاتا ہے افطاری کے لیے اتفاقاً کہیں سے کوئی چیز آگئی تو فبہا ورنہ فاقہ سے سو رہیں

گے۔

(۲) روزہ پیٹ پھاڑ، جس میں یہ معمول ہے کہ سات گھروں سے مانگ کر جو کچھ لائیں گے اس سے روزہ افطار کریں گے

(اصلاح الرسوم جونپوری)

(۳) روزہ عاشوراء محرم: یہی حال عاشوراء کے روزہ کا ہے جو بنی اُمیہ کی بدعت ہے جو اُنہوں نے شہادت امام حسینؑ کی خوشی کے سلسلہ میں ایجاد کی تھی لہٰذا اس دن مکمل روزہ رکھنے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ ہاں البتہ اس دن فاقہ کرنا چاہیئے اور غروب آفتاب سے قریبًا پونے تین گھنٹے پہلے سادہ غذا اور سادہ پانی وغیرہ سے فاقہ شکنی کر دینی چاہیئے۔ تاکہ حُزن و ملال کا اظہار بھی ہو جائے اور آدمی بنو اُمیہ کی بدعت سے بھی بچ جائے۔

(۴) اس میں کوئی شک نہیں کہ روزہ ایک بہترین عبادت ہے مگر ان شرائط و خصوصیات نے اسے بدعت بنا دیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ سمجھ کر چند رکعت نماز نوافل پڑھے کہ نماز ایک عبادت ہے خوشنودیٔ خدا کا ذریعہ ہے اور باعث اجر و ثواب ہے تو یہ عبادت ہوگی لیکن اگر یہ سمجھ کر پڑھے کہ غروب آفتاب کے وقت دو رکعت نماز فلاں فلاں سورہ کے ساتھ پڑھنا سُنت ہے۔ تو اب یہی نماز بدعت بن جائیگی اسی طرح کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ورد افضل الذکر ہے اور یہ ورد ہر وقت کیا جاسکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس وِرد کو فلاں وقت کی نماز کے بعد اتنی مقدار میں زانو بدلے بغیر پڑھنا چاہیئے تو پھر یہی وِرد بدعت بن جائے گا۔ اور ثواب کی بجائے اُلٹا باعث عذاب بن جائیگا۔ و علیٰ ہٰذا القیاس۔

کیونکہ کسی شخص کو اپنی عقل خام اور رائے ناقص سے شرائط و خصوصیات مقرر کرنے کا کوئی حق نہیں ورنہ یہ عبادت (پناہ بخدا) بدعت بن جائیگی اور اس پر نیکی برباد اور گناہ لازم والی مثل صادق آئے گی۔

یوم عاشورار کو مسرت و شادمانی کا دن قرار دینا: بدعت ہے

جس دن اسلام اور ناموس انسان کی بقار کے لیے رسول اسلام کا خاندان کٹ گیا اور اس کا گھر لُٹ گیا اسے بعض دشمنانِ اہل بیت مسرت و شادمانی کا دن قرار دیتے ہیں اور اس دن گریہ و بکا کرنے اور حزن و ملال کا اظہار کرنے کو بدعت قرار دیتے ہوئے اُلٹا اسے نہ صرف عام مسرت و شادمانی کا بلکہ عیدین کی طرح عید کا دن قرار دیتے ہیں اور اس دن کی فضیلت میں کئی خود ساختہ حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین)

مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے رسالہ " (ما ثبت بالسنۃ) میں یہ لکھ کر کہ " اس قسم کی تمام حدیثیں اہلِ بیت کے دشمنوں کذابوں، دجالوں کی وضع کردہ ہیں " ان لوگوں کی خاصیت اور خارجیت کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑ دیا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں ؛ گفتہ آید در حدیث دیگراں

زکوٰۃ و خمس ادا کرنے میں بدعت یعنی انکو ادا تو کرنا مگر حساب نہ کرنا

زکوٰۃ اسلام کے اُن بنیادی پانچ ارکان میں سے ہے جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے لہٰذا جو شخص اسکو واجب نہیں جانتا تو وہ مسلمان کہلانے کا روادار نہیں ہے اور جو واجب تو جانتا ہے مگر عمداً ادا نہیں کرتا وہ مومن عادل

کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔

اسی طرح خُمس کی اہمیت بھی فی الجملہ ناقابلِ انکار ہے مگر شرعی نقطہ نگاہ سے زکوٰۃ ہو یا خُمس اُن کی ادائیگی کا مخصوص طریقہ ہے (جسکی تفصیل فقہی کتابوں سے معلوم کی جا سکتی ہے) تو اگر کوئی شخص اُن کو اُن کے مخصوص طریقے سے ادا نہیں کرتا۔ بلکہ اس طرح بے حساب کتاب، دیتا ہے کہ اگر کوئی غیر سید سائل آگیا تو زکوٰۃ کی نیت سے اور اگر کوئی سید آگیا تو خُمس کے ارادے سے اس کی اعانت کر دی تو جب تک یہ حساب نہیں کریگا۔ کہ اُس کے ذمہ کتنی مقدار زکوٰۃ اور کس قدر خُمس ہے؛

اور پھر باقاعدہ اتنی مقدار ادا نہیں کریگا اس وقت تک شرعاً وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ حساب کے بغیر زکوٰۃ و خُمس ادا کرنے والا ایسا ہی متصور ہوگا جیسے کوئی شخص نماز پڑھتا جائے مگر یہ حساب نہ کرے کہ کتنی رکعتیں پڑھنی ہیں اور کس قدر پڑھی ہیں؟ یا رکوع و سجود کرتا جائے مگر یہ شمار نہ کرے کہ کس قدر کئے ہیں اور کس قدر کرنے ہیں تو جس طرح اس طریقہ پہ نماز پڑھنا درست نہیں ہے اسی طرح اس طریقہ پہ زکوٰۃ و خُمس ادا کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔

اسی طرح بعض نام نہاد مسلمان اور بعض نیم مُلّا خطرۂ ایمان قسم کے مولوی صاحبان بعض اوقات زکوٰۃ و خُمس کے مستحقین سے سودے بازی کیا کرتے ہیں کہ ایک بار رقم ان کے ہاتھوں پہ رکھ کر اور پھر تھوڑی سی طے شدہ مقدار دے کر باقی واپس لے لیتے ہیں اور بموجب ؎

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح (دست گردانی سے) وہ بری الذمہ ہو جائیں گے حاشا وکلاّ۔ وما یخدعون الا انفسہم۔ ع

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے

حج میں بدعت:

حج جیسی عظیم دینی عبادت بھی بدعتی لوگوں کے دستِ تصرّف سے محفوظ نہیں رہی اس میں بڑی بڑی دو بدعتیں ایجاد کیں۔

(۱) طواف النساء کو ختم کر دیا گیا (جس کی ادائیگی سے حاجیوں پر عورتیں حلال ہوتی ہیں۔

(۲) متعۃ الحج (حج افراد و قران کو حج تمتع سے بدلنے کا مخصوص شرعی طریقہ) ختم کر دیا گیا (تفصیل مطاعن کی مفصل کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے)

جہاد میں بدعت

اسی طرح اسلام کا عظیم ستون جہاد بھی بدعتی لوگوں کی ہوسِ بدعت کی بھینٹ چڑھنے سے محفوظ نہ رہ سکا ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ؛ تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد ایک اسلامی فریضہ ہے اسلام اور مسلمانوں کی بقا اور اسلامی حقائق و معارف کی نشر و اشاعت کا بہترین ذریعہ ہے جو شخص یہ فریضہ ادا کرتے ہوئے جاں بحق ہو جائے وہ شہید اور جو زندہ بچ جائے وہ غازی کہلاتا ہے

مگر اس کے انجام دہی کے کچھ مخصوص شرعی قواعد و ضوابط ہیں جن کی ... پابندی نہ کرنے سے جہاد، فساد بھی بن سکتا ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس اسلامی عظیم عبادت کا اس طرح حلیہ بگاڑا گیا اور "ملکے سیر" کیے ...

حسابِ شہادت کو یوں ارزاں کیا گیا کہ آتشِ انتقام کو بجھانے والی اور جوع الارض کے تحت ہر لڑی جانے والی جنگ کا نام جہاد رکھ دیا گیا۔ اور مذہب و فرقہ داریت کے نام پہ ہر فساد کا نام جہاد رکھ دیا گیا سچ ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اور اس طرح اغیار کی نظروں میں جہاد کے مقدس نام کو بدنام کر دیا گیا۔ اور بعض مسلمان بادشاہوں کی اسلام کے مقدس نام پر لڑی جانے والی غیر اسلامی جنگوں کی بنا پر دشمنانِ اسلام کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ اسلام اپنی صداقت و حقانیت کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ بزورِ شمشیر پھیلا ہے۔ سچ ہے کہ ؏

بدنام کنندہ نکو نامے چند۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ

چوتھا باب

اُن غلط رسوم کا بیان جو عزاداری سیّد الشہداء علیہ آلاف التحیّۃ والثناء میں رائج ہیں۔

ہم یہ حقیقت نہ صرف اپنی مدلّل تقریروں میں بلکہ اپنی مستند تحریروں میں بھی (جیسے اصلاح المجالس تجلّیاتِ صداقت، اصول الشریعہ اور سعادۃ الدارین میں) بارہا ثابت کر چکے ہیں کہ

"عزاداریٔ سیدالشہداء" اگر صحیح طریقہ پہ منائی جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ بہترین عبادت ہے بلکہ قومی و ملّی حیات کے لیے بمنزلۂ شہ رگِ حیات بھی ہے ——— احیاء دین و نشر تعلیمات ائمہ طاہرین کا بہترین ذریعہ ہے اسلامی عقائد و معارف معلوم کرنے اور اوامر و نواہی اور احکام الٰہی حاصل کرنے کی بہترین درسگاہ ہے اور اتحاد بین المسلمین کا بہترین وسیلہ ہے۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس اور تاریخ اسلام کے دیگر تاریک ادوار میں مذہب حق کی بقا بہت حد تک اسی عزاداری کی مرہونِ منت ہے یعنی امام حسین علیہ السلام کی بے مثل قربانی نے اسلام کو حیاتِ جاوداں

بخشی ہے اور اسی عظیم قربانی کی یاد منانے سے ہی اسلام کو زندہ رکھا جا سکتا ہے
سرکارِ محمد و آل محمد علیہم السلام کے فضائل پر خوش ہونا اور ان کے
مصائب پر رونا کارِ ثواب اور بخششِ گناہ کا بہترین ذریعہ ہے۔
الغرض اس عزاداری کے اور بھی بہت سے فوائد و عوائد
ہیں جن کا ایک شمہ ہم نے اصلاح المجالس و المحافل میں درج کر دیا ہے مگر
اربابِ بصیرت جانتے ہیں کہ مجالس و محافل منعقد کرنا اور ان ذواتِ قدسیہ
کے فضائل سن کر مسرور و شادکام ہونا اور ان کے مصائب پر غمناک و اشکبار
ہونا اصل مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد تک رسائی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے کہ مظلوموں اور
معصوموں سے محبت و الفت اور ظالموں اور قاتلوں سے نفرت کی جائے اور اسلامی
عقائد و عبادات کی بقا کا اہتمام کیا جائے۔
اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ موجودہ دور میں عزاداری
جس نہج پر جا رہی ہے۔ آیا اس سے وہ مطلوبہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں؟
اور وہ مقصد حاصل ہو رہا ہے جو اس کے برپا کرنے کا محرک و داعی ہے؟
اگر بہ نظرِ انصاف حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لیا جائے تو اس سوال کا جواب
نفی میں دینا پڑتا ہے اگرچہ "الوجود خیر من العدم" ایک مسلمہ حقیقت ہے
مگر آجکل عزاداری پر جس قدر روپیہ پیسہ اور نفس و نفیس خرچ ہو رہا ہے
اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں ہو رہا۔
بلکہ سچ پوچھیے تو نفع کی بجائے الٹا دین و ملت کا نقصان و زیاں
ہو رہا ہے تو کیا پھر ان مجالس کو بند کر دیا جائے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کوئی
صحیح الدماغ آدمی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا کہ اگر کسی باغ میں کوئی خود
رو پودا اُگ آئے تو باغ اکھیڑ دیا جائے یا مسجد میں قوالی ہوتی ہو تو مسجد
گرا دی جائے بلکہ اس کا صحیح طریقۂ کار یہ ہے کہ پہلے اصل خرابی کا

سراغ لگایا جائے - اور جب اُس کا پتہ چل جائے تو اُس کا ازالہ کیا جائے اور آئندہ کے لیے سدِّ باب کیا جائے - اگر کچھ غلط رسوم رائج ہو گئی ہیں جنہوں نے ان مجالس کی افادیت کو ختم کر دیا ہے یا اُسے کم کر دیا ہے تو ان کا استیصال کیا جائے اور اُنکو ختم کیا جائے -

تاکہ ان مجالس کے مطلوبہ نتائج و فوائد حاصل کئے جا سکیں کیونکہ عزاداری اگر عبادت ہے تو اسکے کچھ تقاضے بھی ہیں - جن کو بہر حال پورا کرنا چاہیئے کیا اصلاح ہونی چاہیئے ؟ اس سوال کا تفصیلی جواب تو ہمارے اصلاحی رسالہ اصلاح المجالس و المحافل میں مذکور ہے مگر یہاں بھی اس کا جامع خلاصہ عرض کیا جاتا ہے اور آخر میں عزاداری کے متعلق بعض ان اصلاحی باتوں کا تذکرہ بھی کیا جائیگا جو رسالہ اصلاح المجالس میں بھی مذکور نہیں ہیں -

سو واضح ہو کہ اس سلسلہ کی بعض خرابیاں تو وہ ہیں جو پڑھنے اور پڑھانے اور سننے والوں میں مشترک ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق صرف ایک طبقہ (صرف پڑھنے اور پڑھانیوالے) کے ساتھ ہے اور یہی تین عناصر عزاداری کے عناصر ہیں -

ہر عمل کی روح اخلاص ہے

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ جب تک خلوص نیت نہ ہو اس وقت تک نہ کوئی عمل عمل ہوتا ہے اور نہ کوئی عبادت عبادت - ارشاد قدرت ہے -

أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ -

[ان کو حکم نہیں دیا گیا مگر اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا]

مگر بد قسمتی یہ ہے کہ پڑھنے اور پڑھانیوالوں کی اکثریت اس وقت اسی روحِ عبادت سے تہی دامن نظر آتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہماری موجودہ

عام مجالس ایک کاروباری منڈی بن چکی ہیں۔ اور ان کی افادیت بالکل ختم ہوگئی ہے۔ اس دعوے کے ثبوت کے لیے بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں پنجگانہ شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) پہلا شاہد فیس طے کر کے مجالس پڑھنا

آجکل مجالس عزا پڑھنے پڑھانے پر جس طرح سودا بازی ہوتی ہے۔ یہ "تلخ حقیقت عیاں را چہ بیاں" کی مصداق ہے یہ عبادت ایک کاروبار بن کر رہ گئی ہے۔ لہذا یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان میں اور تو سب کچھ ہو سکتا ہے مگر اخلاص نہیں ہو سکتا۔

نذرانہ لینے کے جواز کا طریقہ صرف یہ ہے کہ چک چکاوا اور ٹکا دا کئے بغیر پڑھنے والا خلوص نیت کے ساتھ عبادت سمجھ کر مجالس پڑھے اور بانیٔ مجلس حسبِ توفیق جو کچھ کم یا زیادہ قربۃً الی اللہ اس کی خدمت میں پیش کرے وہ اسے بخوشی قبول کر لے۔

ہاں بانیانِ کرام کو چاہیئے کہ جو واعظ و ذاکر معاوضہ طے نہیں کرتے انکو معقول ہدیہ پیش کریں۔ اس طرح جہاں صحیح مجالس خوانوں کی حوصلہ افزائی ہوگی وہاں اس نیک عمل کو تجارت بنانیوالوں کی حوصلہ شکنی بھی ہوگی

۲: دوسرا شاہد۔ خدا و رسول کی رضا پر پبلک کی رضاجوئی کو مقدم جاننا

پڑھنے والے بھی وہی پڑھتے ہیں جو پبلک یا بانی پسند کرے اور پڑھانے والے بھی اُسی مقرر و ذاکر کو چاہتے ہیں جو اُن کی مرضی کے مطابق پڑھے اُن کی بلا جانے کہ اُن کا شرعی وظیفہ کیا ہے؟ معاشرہ کا روگ کیا ہے؟

اور اُس کا علاج کیا ہے انہیں تو بس اپنے ذاتی مفاد سے مطلب ہے وبس؛ یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اُن میں خلوص فی العمل نہیں ہے۔

۳۔ تیسرا شاہکار: **اہل ایمان و اہل علم کی توہین اور تفرقِ بین المسلمین** یہ لوگ اکثر و بیشتر حسد و حرص اور بُغض جیسے روحانی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں لہذا برسر منبر دوسرے اہل فضل و کمال کے اثر کو کم کرنے کے لیے کھلم کھلا اُن کی تذلیل اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ مگر اُن کی اس غلط روش و رفتار پر نہ انکو بانی روکتے ہیں اور نہ دوسرے لوگ ٹوکتے ہیں۔ اس غلط روش سے وہ خود بدنام ہوئے ہیں اور عوام کی نظروں میں اُن کی منزلت کم ہو رہی ہے۔

بہر حال یہ روش اس بات کی ناقابل رد دلیل ہے کہ ان میں اخلاص نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اس غلط روش و رفتار یعنی سٹیج کو ذاتی بُغض و حسد کی آتش انتقام بجھانے کے لیے استعمال کرنے سے کئی طرح نقصان ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ سامعین یہ تاثر لیتے ہیں کہ جب مصلحین قوم آپس میں دست بگریباں ہیں تو یہ ہماری کیا اصلاح کریں گے ؎

آں خویشتن گم است کرا رہبری کند؟

دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس سے منبر کا تقدس مجروح ہوتا ہے اور تیسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس سے سامعین کے قیمتی وقت کا ضیاع ہوتا ہے کیونکہ وہ یہاں روحانی غذا حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں وہ مقررین و ذاکرین کی باہمی چپقلش اور آویزش کا منظر دیکھنے نہیں آتے۔ اسی طرح بالعموم

مجالس میں ایسی گفتگو کی جاتی ہے جو دوسرے اسلامی فرقوں کی دل آزاری کا موجب بنتی ہے جس سے ہماری تبلیغ غیر موثر ہو کر رہ گئی ہے الغرض یہ طرزِ عمل روحِ عزاداری اور اسکے فلسفہ کے منافی ہے بھلا جبتک دوسرے لوگ ہمارے نزدیک آ کر ہماری بات نہیں سنیں گے تو اسے قبول کس طرح کرینگے۔

۴: چوتھا شاہد: جھوٹی روایات بیان کرنا

اس بات کا چوتھا شاہد کہ ان لوگوں میں خلوص نہیں ہے۔ وہ مجالس کی ظاہری کامیابی کے لیے (جو آجکل صرف فضائل سنکر واہ واہ کرنے اور مصائب سنکر آہ و بکا کرنے میں منحصر ہے) جھوٹی روایات اور بالکل بے سر و پا واقعات کو بے تحاشا بیان کرتے ہیں اور اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں۔ لوگ تو اور خود خدا و رسولؐ خدا اور ائمہ ہدیٰ پر کذب و افترا پردازی کرنے میں ذرہ برابر شرم و حیا نہیں کرتے جو کہ اکبر الکبائر گناہ ہے۔ اور ماہ روزہ کی حالت میں اس کا ارتکاب کرنا بنا بر اظہر بطلان صوم اور قضا و کفارہ کے لزوم کا موجب ہے۔

وانما یفتری الکذب الذین لا یومنون ٥

(کذب و افترا کا ارتکاب وہی لوگ کرتے ہیں جو بے ایمان ہوتے ہیں)

یہ لوگ اس قدر جری و بے باک ہو گئے ہیں کہ بلا جھجک امام یا اہلِ حرم کی طرف وہ کلمات یا افعال منسوب کرتے ہیں جس سے انکی سراسر توہین ہوتی ہے اور یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ان حضرات نے یہ مصائب بقاء اسلام کے لیے اختیاری طور پر نہیں برداشت کیے۔ بلکہ مجبوری میں گرفتار تھے جو کہ سراسر نامناسب ہے۔ ان لوگوں کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ امام عالیمقام ایک اعلیٰ و ارفع مقصد لیے مثال قربانیاں پیش کر رہے تھے اور اپنے عزم و ارادہ سے ایک ظالم و غاصب حکمران سے ٹکر لینے کے لیے گھر سے نکلے تھے۔ وہ مجبور و مقہور نہ تھے۔

بہرکیف اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اہلِ منبر بدنام ہو رہے ہیں۔ تبلیغ رک رہی ہے اور پڑھی لکھی نسل نو دین سے دور ہو رہی ہے اور اتحاد و اتفاق کی بجائے تشتت اور انتشار بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے ملت میں ضعف و انحطاط پیدا ہو رہا ہے لہٰذا اس صورت حال کی اصلاح لازم ہے

اس لئے ان پر واجب ہے کہ وہ جو کچھ بیان کریں یا تو وہ کسی مستند کتاب سے دیکھ کر پڑھیں یا کسی ذمہ دار عالم دین سے سن کر پڑھیں اور مزید احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کتاب یا اس عالم کا حوالہ بھی دیں۔ کیونکہ واقعاتِ کربلا کی صحت و سُقم کا معیار وہ نہیں جو فقہی روایات کا ہے کہ رجال سند دیکھے جائیں۔ بلکہ ان کا معیار ذمہ دار مورخین یا علمار کاملین کا بیان و کلام ہے۔ کما لا یخفیٰ۔ اس طرح سامعین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جب انہیں منبر کی کوئی بات شانِ امام کے خلاف معلوم ہو تو اس سے سوال کریں اور اپنی تسلی کرائیں۔

۵ :- پانچواں شاھد غنا و سرود کا ارتکاب:

ہمارے دعویٰ کی صداقت کا پانچواں اور آخری شاہد و گواہ یہ ہے کہ پڑھنے پڑھانے والوں کی اکثریت غنا و سرود کو پسند کرتی ہے اور اس گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتی ہے۔ جس کی حرمت پر اور قصائد و مراثی سید الشہدار میں اس گناہ کی اور زیادہ سنگینی پر سب علمار و فقہار کا اتفاق ہے چنانچہ عالم ربانی حضرت شیخ یوسف بحرانیؒ فرماتے ہیں

ولا خلاف فی حرمته فیما اعلم

(جہاں تک مجھے علم ہے اس (غنا) کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے)

(حدائق ناضرہ)

شیخ الفقہار حضرت شیخ مرتضیٰ انصاریؒ غنا و سرود کی تعریف بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وظهر مما سبق انه لا فرق بین استعمال هذه الکیفیة فی کلام حق او باطل ---- ولا فی تضاعف عقابها لکونها فی مقام الطاعة۔ یعنی سابقہ بیان سے ظاہر ہو گیا کہ غنا کی اس کیفیت

کے استعمال میں کوئی فرق نہیں ہے کہ کلام حق میں ہو یا کلام باطل میں آگے چل کر کلام حق جیسے قراءتِ قرآن و مراثی کا تذکرہ کر کے) فرماتے ہیں اور
"ورنہ اس بات میں کوئی اختلاف ہے کہ اگر کلام حق میں غنا کیا جائے تو اس سے عذاب دوگنا ہو جاتا ہے" (مکاسب شیخ انصاری)

صاحب رسالہ البرہان لدھیانہ کا تبصرہ:

پھر جب ایک اچھا گلوکار اور موسیقار اپنے فن کا منبر پر مظاہرہ کرتا ہے تو حاضرین کی طرف سے داد و تحسین کے جس طرح ڈونگرے برسائے جاتے ہیں اور واہ وا کا جس طرح شور بلند ہوتا ہے۔ اس پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے انسب یہ ہے کہ جناب مولانا سید محمد سبطین صاحب سرسوی مرحوم سرپرست مجلہ علمیہ البرہان لدھیانہ کا وہ تبصرہ من وعن نقل کر دیا جائے۔ جو جناب موصوف نے مذکورہ بالا مجلہ (البرہان) جلد نمبر ۳ ۱۹۲۲ء میں فرمایا ہے رقمطراز ہیں۔

"ایک ناواقف شخص انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہی نہیں کر سکتا کہ یہ مجلس عزا ہے یا محفلِ سرود و نشاط۔ ایک اچھا گانے والا اپنے فن کا عمدہ مظاہرہ کرتا ہے تو سامعین سے واہ وا سبحان اللہ کا وہ شور مچتا ہے کہ چھتیں اڑنے لگتی ہیں۔ ایک ناواقف شخص باہر سے سننے والا اُسے مجلس عزا تو کیا سمجھے گا۔ بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ کسی تھیٹر یا سینما کا تماشہ دیکھ رہا ہے۔ یا اگر بٹیر بازی کا شوقین ہے تو وہ یہ سمجھے گا کہ بٹیر لڑائے جا رہے ہیں اور اگر وہ نیک منش انسان ہے تو اپنے حسن ظن کی بنا پر یہ خیال کریگا کہ کوئی مشاعرہ ہے جس میں غزل خوانی ہو رہی ہے" انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ملخصاً

اس راگ و رنگ نے قوم کا علمی مزاج اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ اس کی اکثریت اس کے علاوہ کوئی علمی اندازِ خطابت پسند ہی نہیں کرتی۔

غنا بہرحال حرام ہے۔ ہاں البتہ سوز خوانی اور مرثیہ خوانی جائز ہے مگر اس سلسلہ میں یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیئے کہ وہ غنا کی حد میں داخل نہ ہو اور فلمی دھن پر بھی نہ ہو۔

توضیح عدم اخلاص کے یہ پنجگانہ شواہد اگرچہ مشترک ہیں مگر ان کا زیادہ تر تعلق مجالس پڑھنے والے گروہ سے ہے۔ ہاں درج ذیل پانچ شواہد کا تعلق پڑھانے والے طبقہ سے ہے۔

(۱) تیری میری مجلس کی تفریق (۲) بے جا تکلفاتِ باردہ (۳) تعیش دماغی کی تلاش (۴) صالح و طالح میں عدم تفریق (۵) سیرت حسینی کا فقدان۔ واللہ المستعان ہے۔

مجلس خوان طبقہ کے آداب دَہ گانہ

ان مجالس عزا کو اپنے مقصد میں مؤثر بنانے کے لیے ذیل میں ہم پہلے ان دس آداب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جو مجلس خواں طبقہ میں پائے جانے چاہئیں۔ اس کے بعد ان دہ گانہ وظائف کا تذکرہ کریں گے جو مجالس پڑھانے اور مجالس سننے والوں سے متعلق ہیں۔

پہلا ادب مجالس پڑھنے والوں کو صحیح العقیدہ ہونا چاہیئے ورنہ ان کی مجالس سے اتنا فائدہ حاصل نہیں ہوگا جتنا نقصان و زیاں ہوگا اور یہ حقیقت عیاں راچہ بیان کی مصداق ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ان پر یہ مثل صادق آئیگی کہ "آں خویشتن گم است کرا رہبری کند"

دوسرا ادب: اخلاص ہونا چاہیے ورنہ اس کے بغیر عمل ایک ایسا پھول ہوگا جس میں خوشبو نہ ہو یا ایسا بدن ہوگا جس میں روح نہ ہو کہ ؎

نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گُل بیکار ہوتا ہے

(۳) تیسرا ادب۔ اُس کا بیان مقتضاءِ حال کے مطابق ہونا چاہیے کہ اسی بات کا دوسرا نام بلاغت ہے جو کلام میں ایسی ہے جیسے طعام میں نمک کہ اس کے بغیر کلام مؤثر نہیں ہوتا اور بے محل دوسروں کے نظریات و عقائد پر فقرے کسنے سے اجتناب کرنا چاہیئے ہاں اپنی بات احسن طریقہ پر کرنی چاہیئے اور شائستہ طریقہ پر لوگوں کو اس کا قائل کرنا چاہیئے۔ فضائل کی جگہ فضائل، مواعظ کی جگہ مواعظ اور مصائب کی جگہ مصائب بیان کئے جائیں۔

۴، ۵، ۶۔ چوتھا، پانچواں اور چھٹا یہ کہ فیس طے کرنے، غناء سرود اور کذب و افترا کا ارتکاب کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ ان تینوں کی تباہ کاریوں پر ابھی اوپر مختصر سا تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

۷۔ ساتواں ادب حسینی سیرت و کردار کا خود عملی نمونہ پیش کرنا۔

مجلس خواں طبقہ کی شکل و صورت، وضع قطع، شرافت و نجابت اور ان کے اخلاق و اطوار اور اُن کی سیرت و کردار احکام شرع کے مطابق ہونے چاہیئں ظاہر ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی قربانی کا اہم مقصد ہی اسلامی احکام کا احیاء اور ان کی حرمت کو قائم رکھنا تھا۔ اگر ہم اس احترام کو ہی مٹا دیں یا بھلا دیں تو پھر اُس قربانی کی یاد منانے کا کیا فائدہ؟

عزاداری کو محض ایک رسم نہیں بلکہ با مقصد و با اثر ہونا چاہیئے۔ یہ ایک

کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ منبر کا تقدس، مصلّی کے تقدس سے اگر زیادہ نہیں تو کسی طرح اس سے کم بھی نہیں ہے۔ تو اگر ہر شخص مصلّی پہ کھڑا ہو کر لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکتا تو ہر شخص منبرِ حسینیؑ پر چڑھ کر مجلس بھی نہیں پڑھ سکتا ــــــ فقہائے کرام کا یہ فیصلہ ہے کہ منبر پر وہی شخص جا سکتا ہے۔ جو مصلّے پہ جا کر نماز پڑھا سکتا ہے۔

لوگوں کے دلوں کے راز اور اُن کی خلوتوں کے حرکات سکنات تو خدائے ذوالجلال ہی بہتر جانتا ہے جو علیم بذات الصدور ہے۔ کم از کم منبر پہ جانے والے کی ظاہری ہیئت اس کی وضع قطع، اس کا لباس، اور اس کی تراش خراش اُس کی حجامت اور اُس کا طریقہ تو شریعت مقدسہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ یعنی کم از کم اس کے چہرہ پر شرعی ڈاڑھی تو ہو۔ تاکہ ایک ظاہر بین بھی اُن کو دیکھ کر یہ کہہ سکے کہ یہ اسلام کا مبلغ اور مظلومِ کربلا کا ذاکر ہے (جیساکہ قدیم واعظین و ذاکرین ہوتے تھے)

خدانخواستہ اِس کے برعکس ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کی وضع قطع کو دیکھ کر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ تو کسی تھیٹر کے ایکٹر ہیں (جیساکہ آجکل کے اکثر مقررین و ذاکرین ہیں) ورنہ اس سے تقویت کی بجائے حسینی مشن کو ناقابلِ برداشت دھچکا لگے گا جیساکہ لگ رہا ہے اور اس وقت قوم عقائدی انحرافوں، عملی کج رویوں اور معاشرتی خرابیوں میں مبتلا ہے اس کا مرکزی سبب یہی ہے کہ منبر پہ نااہلوں کا قبضہ ہے ؎

آں خویشتن گم است کرا رہبری کند

ہر چیز کا کوئی نہ کوئی معیار ہوتا ہے لیکن اگر نہیں ہے تو منبر پر آنے کا کوئی معیار نہیں ہے ماسوا اس کے کہ اگر ذاکر ہے تو اُس کی آواز اچھی ہو

اور اگر مولوی مقرر ہے تو ایسے دو چار غلط یا صحیح نکتے یاد ہوں جن سے پہلے مجمع کو اُچھال سکے اور آخر میں جھوٹے یا سچے مصائب پر رُلا سکے۔ یہاں نہ علم کی ضرورت ہے نہ عمل کی۔ نہ عقل کی ضرورت ہے اور نہ خرد و دانش کی ـــــ یاد رکھیں جب تک منبر اور اہلِ منبر کی اصلاح نہیں ہوگی اُس وقت تک قوم کی اصلاح کا خواب کبھی... شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ اور یہ اصلاح اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک قوم کے اربابِ بسط و کشاد تطہیرِ انتخاب سے کام نہیں لیتے اور حقیقی علماء و فقہاء اور نام نہاد علماء میں تفریق نہیں کرتے۔ اور یہ تطہیرِ انتخاب اس وقت تک بروئے کار نہیں آسکتا جب تک قوم میں قوتِ احتساب پیدا نہیں ہوتی۔ دُعا ہے کہ خدا اسے خوابِ غفلت سے بیدار ہونے اور اہلِ منبر کا محاسبہ کرنے کی توفیق دے۔

آٹھواں ادب: انکا بیان امید و بیم کے درمیان ہو

یعنی نہ تو لوگوں کو اتنا ڈرائیں کہ لوگوں کو رحمتِ ایزدی سے مایوس کر دیں اور نہ اتنی امید دلائیں کہ لوگوں کو بے خوف کر دیں بلکہ موجب "

خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا "

اُن کا بیان امید و بیم کے درمیان ہونا چاہیئے۔

نواں ادب: معصومین کے ارشادات پر اکتفا کرنا:

مخالفین کی روایات نقل کرنے کی بجائے وہ اپنے پیشوایانِ دین کے فرامین (بیان کرنے) پر اکتفا کریں۔ اور اپنی قوم کی اصلاح کریں۔ موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدینِ خود

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے ٭ من قبلہ راست کردم بطرف کج کلاہے

★

۱۰: طولِ مُمل و اختصارِ مُخل سے دامن بچانا: یعنی مجلس خوانی کو نہ تو اتنا طول دیں

کہ سُننے والے ملول و آزردہ خاطر ہو جائیں اور نہ اتنا اختصار کریں کہ کسی کے پلّے کچھ نہ پڑے اسلئے کہ ہر کام کی طرح یہاں بھی اعتدال کی راہ اچھی ہے

وَخَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا

مجالس پڑھانے اور سُننے والوں کے متعلق ذُہ گانہ وظائف کا بیان

بنظرِ اختصار ہم یہاں صرف عنوانات پر اکتفا کریں گے اُن کی تشریحات معلوم کرنے کے خواہش مند ہمارے رسالہ "اصلاح المجالس" کی طرف رجوع کریں۔

پہلا وظیفہ خلوصِ نیت:

(۲) دوسرا وظیفہ جہاں غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو وہاں شرکت نہ کریں

تیسرا وظیفہ دنیوی خیالات سے فارغ ہو کر مجالس میں شریک ہوں ۴: چوتھا وظیفہ ان کا ذاتی ترفع ان کو مجالس میں شرکت کرنے سے مانع نہ ہو۔ پانچواں وظیفہ: بطور سوگوار مجالس عزا میں شامل ہوں۔ چھٹا وظیفہ: نجاست کی حالت میں مجالس میں شریک نہ ہوں بلکہ با طہارت ہو کر شامل ہوں۔ ساتواں وظیفہ: گریہ و بکا کریں یا کم از کم تباکی کریں۔ آٹھواں وظیفہ: عزا خانہ کو سادہ بنائیں اور سادہ رکھیں۔ نواں وظیفہ مجالس کے خاتمہ پر کچھ پاک و پاکیزہ تبرک تقسیم کریں نہ کہ نجس اور حرام۔ ارشاد قدرت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ

دسواں وظیفہ: عملی طور پر اسوۂ حسینی و شیوۂ شبیری کی تقلید و تاسی کریں

تاکہ ع افعالِ یزیدی سٹ جائیں مظلوم سے پیدا اُلفت ہو

اور یہی ان مجالس کے انعقاد کا مقصدِ اصلی ہے۔ واللہ الموفق المؤید

ہر سہ طبقات [پڑھنے، پڑھانے اور سننے والوں] کا فرض ہے کہ اپنے باہمی تعاون سے ان محافل و مجالس کے اندر ان کی اصلی روح پیدا کرنے کے لیے کد و کاوش کریں اور مناسب تدابیر اختیار فرمائیں اور مجالس کی افادیت کو ختم ہونے سے بچائیں۔ بالخصوص بانیان مجالس کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی پسند و ناپسند سے بالاتر ہو کر اسلام و مسلمین کے مفاد اور حضرت امام حسین کے مقصد اور عزاداری کے ہدف کو سامنے رکھیں اور مجالس کے مقررین کا انتخاب کرتے وقت ان کی علمی لیاقت اور اخلاق و اطوار دوسری تمام باتوں پر ترجیح دیں کیونکہ ایسے لوگ ہی امام کی شہادتِ عظمیٰ کے مقاصد اور اهداف بطریقِ احسن بیان کر سکتے ہیں۔

دعا ہے کہ خداوند عالم قوم میں صحیح شعور پیدا کرے "تاکہ وہ تمام عبادات شرعیہ کو بالعموم اور عزاداریٔ سید الشہداء والی عبادت کو بالخصوص شریعتِ مقدسہ کے مطابق بجالائیں" تاکہ دین و دنیا میں سرخرو اور کامیاب و کامران ہو سکیں۔ "وہو الغفور الرحیم"

ایک اور اہم اصلاح

مذکورہ بالا اصلاحات کے علاوہ ایک اور اہم اصلاح کی اشد ضرورت ہے اور وہ ہے مجالس میں پردہ کا خاص اہتمام اور مردوں، عورتوں کے مخلوط اجتماع کا انسداد، پردہ اس قدر اہم ہے کہ مرد و عورت اگرچہ باہم محرم ہی ہوں۔ بیک وقت ایک جگہ اکٹھے نماز نہیں پڑھ سکتے مگر یہ کہ ان کے مابین دس ہاتھ کا فاصلہ ہو یا درمیان میں پردہ حائل ہو یا مرد آگے اور عورت پیچھے ہو۔ تو ایک ہی جگہ بلا پردہ مجالس کی عبادت کس طرح ادا

کر سکتے ہیں؟ کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے کہ چودہ[۱۴] سو سال سے مخدرات کے بے ردائی پر رونے والی قوم کی مجالس میں پردہ کا انتظام نہ ہو؟ ؎

شرم ان کو مگر نہیں آتی

لہٰذا ضرورت اور سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ مجلس میں مجلس خواں اور دوسرے مردوں کے سامنے کوئی عورت نظر نہ آئے اور اس کے دو ہی طریقے ہیں۔

(۱) جہاں امام بارگاہ ہیں وہ اس طرح بنائے جائیں کہ مردوں کا حصّہ الگ ہو اور عورتوں کا الگ۔ حتیٰ کہ اُن کے آنے جانے کے دروازے بھی الگ ہوں (۲) اور جہاں امام بارگاہ نہ ہو وہاں عارضی طور پر عورتوں کے لیے علیحدہ پردہ کا اہتمام کیا جائے۔

اسی طرح عورتوں کے جلوس کے ساتھ بے پردہ چلنے پر اور بے پردہ سڑکوں کے کنارے کھڑے ہونے پر بھی پابندی لگائی جائے تاکہ نہ عورتوں کی بے پردگی ہو اور نہ ہی قومی وقار مجروح ہو۔ واللہ العاصم۔

مراسم عزاداری کے متعلق بعض غلط رسوم کا تذکرہ

عزاداری سرکار سید الشہداءؑ کی اہمیت و افادیت کے متعلق سطور بالا میں فی الجملہ تبصرہ کیا جا چکا ہے اور یہ تلخ حقیقت بھی واضح کی جا چکی ہے کہ موجودہ دور میں عزاداری سے وہ تمام مقاصدِ جلیلہ اور نتائج جلیلہ حاصل نہیں ہو رہے جن کی خاطر عزاداری منائی جاتی ہے اس کی وجہ کچھ پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ اور بعض علل و اسباب کا اجمالی تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ اگرچہ

یہ موضوع بہت ہی حساس اور نازک ہے اور اس سلسلے میں ہماری قوم بہت ہی جذباتی ہے۔ مگر حق گوئی کا فریضہ ادا کرتے ہوئے غلط روش پر قوم کو تنبیہ کرنا اور غلط و صحیح میں تمیز قائم کرنے کی تاکید کرنا علمائے حق کا فرض ہے جسے اگر وہ لوگوں کی رد و رعایت یا اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ادا نہیں کریں گے تو نہ صرف یہ کہ عنداللہ جوابدہ ہوں گے بلکہ لعنتِ خداوندی میں گرفتار بھی ہونگے۔

ارشادِ قدرت ہے

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت
وَالهدٰی من بعد ما بیناہُ للناس فی الکتٰب
اولٰئِك یلعنهم الله و یلعنهم اللاعنون ۝

(اور جو لوگ اسکو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ان پر نازل کر چکے بعد اس کے ہم نے کل آدمیوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یقیناً انہی پر اللہ لعنت کرتا ہے اور انہی پر لعنت کرنیوالے لعنت کرتے ہیں) (ترجمہ مقبول)

اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

اذا ظهرت البدع فی امتی فعلی العالم ان یظهر
علمه والا فعلیه لعنة الله

(جب میری امت میں بدعات کا ظہور ہو تو اہلِ علم کا فرض ہے کہ وہ اپنے علم کا اظہار کریں (حق کو آشکار کریں) اور جو ایسا نہیں کریگا اس پر خدا تعالےٰ کی لعنت ہو گی۔ (اصولِ کافی)

اس موجودہ زمانے میں جو چیزیں عزاداری کی ارکان سمجھی جاتی ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) مجالس عزا (۲) علم (۳) تعزیہ و دیگر شبیہیں (۴)

ذوالجناح (۵) ماتم ان میں جو جو غلط رسمیں رائج ہیں ذیل میں ہم انکی نشاندہی کا فریضہ ادا کرتے
دوسرے علماء و نقاد کا بھی فرض ہے کہ وہ قوم کی واضح راہنمائی کریں اور قوم کا بھی فرض ہے کہ علماء
کی راہنمائی سے استفادہ کرے:۔

(۱) جہاں تک مجالس عزا کا تعلق ہے ان کے اصلاح طلب پہلوؤں پر
باوجود اختصار کے جامع طریقے پر سطور بالا میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اس
سلسلہ میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) عَلَمِ مُبارک: یہ عَلَم مبارک جو ہماری قوم بناتی ہے۔ یہ سرکارِ
وفا حضرت ابوالفضل العباس کے عَلَم کی شبیہ ہے جو درحقیقت جناب
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عَلَم کی مقدس شبیہ ہے جس کے عَلمدار
جناب حیدر کرارؑ تھے۔

الغرض! یہ عَلَم عباسؑ بھی ہے اور عَلَمِ حسینؑ بھی۔ عَلَمِ حسنؑ بھی ہے
اور عَلَمِ علیؑ بھی یہ عَلَمِ جعفر طیارؑ بھی اور عَلَمِ احمد مختارؐ بھی۔ ہر دور میں
اس عَلَم کے علمدار بدلتے رہے ہیں۔ حقیقت میں عَلَم ایک ہی رہا ہے
ہر قوم کا عَلَم ہوتا ہے اور ہر جماعت کا (خواہ وہ مذہبی جماعت ہو یا
سیاسی) جس سے اس کا تشخص واضح ہوتا ہے بالکل اسی طرح ؎

عباسؑ کا عَلَم ہے ؛ قومی نشان ہمارا

جس سے سرکارِ وفا ابوالفضل العباسؑ اور اُن کے عَلَم کی یاد تازہ کرنا
اور حسرت کی تکمیل کرنا مقصود ہوتی ہے کہ اگر ہم میدانِ کربلا میں ہوتے
تو یہ عَلَم زمین بوس نہ ہوتا۔ اس کا جواز کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے کیونکہ
اس کے جواز میں کسی مذہب و مسلک کے مذہبی قواعد کی رُو سے قطعاً کسی قسم کا کوئی
اشکال نہیں ہے۔

عبادات اور دینی معاملات کے علاوہ کسی بھی چیز کا جواز محتاجِ دلیل نہیں ہوتا ہاں البتہ کسی چیز کی حرمت محتاجِ دلیل ہوتی ہے یا دیگر احکام وجوب، استحباب اور کراہت دلیل و برھان کے محتاج ہوتے ہیں۔

ارشادِ معصومؑ ہے

کُلُّ شَیْئٍ مطلقٌ حتی یرد فیہ نہیٌ

"ہر چیز جائز ہے جب تک اس کے متعلق کوئی (شرعی) ممانعت وارد نہ ہو"

برادرانِ اسلامی کے نزدیک بھی

المختار ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ عند الجمہور من الحنفیۃ والشافعیۃ۔

یعنی قولِ مختار اباحت فی الاشیاء ہے (ملاحظہ ہو شامی)

اسلئے بے شک ہماری قوم چاہے تو سو سو فٹ نہیں ہزار ہزار فٹ کے اونچے علم بنائے تاکہ یہ

اونچا ہے اپنا علم ...... بڑھتے رہیں یونہی قدم ... حیّ علیٰ خیر العمل

اور مشرق و مغرب تک اسکے پھریرے لہرائے اور اگر کوئی نادان معترض زبان اعتراض دراز کرے تو اسکے جواب میں ؎

گفتہ احقر ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

مگر اس سلسلہ میں صرف ایک بات قابلِ اصلاح ہے اور وہ ہے علم کو سجدہ کرنا۔

غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے:

یہ درست ہے کہ خواص... (سمجھدار، دیندار لوگ) ایسا نہیں کرتے مگر بعض عوام کو دیکھا گیا ہے کہ وہ علم مبارک بلکہ تعزیہ و ذوالجناح کو

سجدہ کرتے ہیں اور وہ اُسے سجدۂ تعظیمی کا نام دیتے ہیں۔
سو واضح ہو کہ شریعتِ مقدسہ اسلامیہ میں ہر قسم کا سجدہ تعبدی ہو یا تعظیمی خالقِ کائنات کے ساتھ مختص ہے۔ اور کسی بھی مخلوق کے لیے حتیٰ کہ نبیؐ و امامؑ کے لیئے بھی جائز نہیں ہے۔

اس موضوع پر ہم نے بڑی تفصیل کے ساتھ "احسن الفوائد فی شرح العقائد" میں بحث کی ہے یہاں اس کا ایک شمہ درج کیا جاتا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے۔

فاسجدوا للهِ واعبُدُوا

(خدا کے لیئے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو)

نیز ارشادِ قدرت ہے

وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ اَحَدًا

(پارہ ۲۹ سورۃ الجن رکوع ۱۰)

(یقیناً سجدہ گاہیں اللہ کے لیے ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو)

المساجد سے مراد اعضاءِ سجدہ ہیں یعنی پیشانی، دونوں ہتھیلیاں دونوں گھٹنے اور پاؤں کے دونوں انگوٹھے (کافی، تفسیر صافی، تفسیر قمی)

اور "فلا تدعوا مع اللہ احدًا" کے معنی امام رضا علیہ السلام نے یہ بیان فرمائے ہیں

"فلا تشرکوا مع غیرہ فی سجودکم علیھا"

یعنی فلا تدعوا ..... کا مطلب یہ ہے کہ ان اعضاءِ سجدہ پر خدا کے علاوہ کسی اور کا سجدہ کر کے شرک نہ کرو۔ (اربعین شیخ بہائی شرح حدیث)

یہ آیت مبارکہ اس بات پر نص صریح ہے کہ ہر قسم کا سجدہ خدا کے

ساتھ مخصوص ہے۔

پورا دفتر حدیث موجود ہے کوئی ایک روایت بھی غیر اللہ کے سجدہ کرنے کے جواز پر موجود نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا واقعہ موجود ہے کہ کسی نبیؑ امام نے کسی شخص سے اپنا سجدہ کرایا ہو۔ یا کسی نے کرنا چاہا ہو اور انہوں نے اجازت دی ہو؟ اس کے برعکس چہاردہ معصومین علیہم السلام کے حالات زندگی میں بیسیوں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کئی مرتبہ کم عقل و کم علم ارادت مندوں نے ان ذوات مقدسہ کو سجدہ کرنا چاہا (ظاہر ہے کہ وہ سجدۂ تعظیمی ہی تھا) مگر انہوں نے ان کو ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی۔

اور ساتھ ہی یہ وضاحت کر دی کہ

فلا تسجد لی واسجد للحی الذی لا یموت

(مجھے سجدہ نہ کر بلکہ اس حی و قیوم کو سجدہ کر جس کے لیے موت نہیں ہے)

(ارشاد رسول مقبولؐ بحوالہ دیلمی و کنز العمال وغیرہ)

"اسجد للہ و لا تسجد لِی

اللہ کو سجدہ کر اور مجھے سجدہ نہ کر۔ (ارشاد جناب امیرؑ اعماد الاسلام ج ۱ ص ۳۳۵)

جناب رسول خداؐ کا یہ فرمان بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ (اصول کافی)

ایک مشہور شبہ کا ازالہ

اس سلسلہ میں اہل زیغ و ضلال ہمیشہ ملائکہ اور والدین یوسفؑ کے سجدوں سے استدلال کیا کرتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی عظیم الشان مخلوق کو سجدۂ

تعظیمی کرنا جائز ہے اس کے متعلق دو گذارشات عرض کرنا ہیں۔

پہلی یہ کہ ائمہ طاہرین کی متعدد روایات سے واضح ہوتا ہے کہ جناب آدمؑ کو قبلہ بنایا گیا تھا اور سجدہ خدا کو کرایا گیا تھا۔ چنانچہ علامہ مجلسیؒ حیات القلوب جلد ۱ صفحہ ۴۴ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں امام حسن عسکریؑ سے نقل فرماتے ہیں۔

"نبود سجدہ ایشاں از برائے آدم بلکہ قبلۂ ایشاں بود از برائے خدا سجدہ می کردند امر نمود حق تعالیٰ کہ بجانب او رو آورند"

یعنی ملائکہ کا سجدہ آدم کے لیے نہ تھا بلکہ سجدہ خدا کو تھا اور حکم خدا سے آدم کو قبلہ بنایا گیا تھا" اور والدین برادرانِ یوسفؑ کا سجدہ، سجدۂ شکر تھا جو انہوں نے جناب یوسفؑ کو زندہ اور مسندِ اقتدار پر قابض دیکھ کر خدا کی بارگاہ میں ادا کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو العروۃ الوثقیٰ)

دوسری یہ کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ سجدۂ تعظیمی تھا۔ تو جن شریعتوں میں یہ جائز تھا۔ وہ اب منسوخ ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اب اُن سے ... استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ علامہ مجلسیؒ حیات القلوب جلد ۱ صفحہ ۲۶ طبع نولکشور لکھنؤ پر مباحثِ طویلہ کے بعد لکھتے ہیں

"محتمل است کہ سجدۂ تحیت در امم سابقہ مجوز بودہ باشد و دریں اُمت حرام شدہ باشد و احادیثِ بسیار بر نہی از سجدہ از برائے غیرِ خدا وارد شدہ"

یعنی ممکن ہے کہ بعض سابقہ امتوں میں یہ سجدۂ تعظیمی جائز ہو۔ مگر اس اُمت (اسلامیہ) میں اسے بہرحال حرام قرار دیدیا گیا ہے اور بہت سے احادیث میں وارد ہے کہ غیر خدا کے لیے سجدہ جائز نہیں ہے" علاوہ بریں یہ بات بھی واضح ہے کہ

ذرفا حفظہ فانہ بالحفظ جدیر ولا ینبئک مثل خبیر

ویسے عقلاً بھی اگر دیکھا جائے تو بات بالکل واضح ہے کہ جب کوئی عام عبادت غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے تو جو افضل عبادت نماز کا افضل رکن ہو (سجدہ) وہ غیر خدا کے لیے کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

لہٰذا علم مبارک، تعزیہ مبارک، ذوالجناح اور مشاہد مبارکہ مقدسہ و مزارات منورہ کو سجدۂ تعظیمی کرنے سے اجتناب واجب لازم ہے ہاں اگر مشرف بزیارت ہونے کے بعد اس سعادتِ عظمیٰ کے حصول پر خالق کا سجدۂ شکر ادا کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے۔

۳: تعزیہ مبارک: شرعی نقطۂ نظر سے اس کی اباحت و جواز یعنی اس کا مُباح اور جائز ہونا ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر ہے کیونکہ یہ بے جان، روضۂ مبارک سرکار سید الشہداء علیہ السلام کی بے جان شبیہ ہے جو بالاتفاق جائز ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تصویریں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ یا تو ذی روح مخلوق کی ہونگی یا غیر ذی روح کی۔ پھر ان دونوں قسموں کی آگے دو دو قسمیں ہیں یا تو وہ تصویر مجسم ہو گی (جسم دار) یا غیر مجسم (جیسے کاغذ پر نقش و نگار)

لہٰذا اگر یہ تصویر غیر ذی روح کی ہے تو یہ علی الاطلاق بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ آیت مبارکہ

یعملون له ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات کی تفسیر میں وارد ہے کہ (وہ تصویریں جو جنات حضرت سلیمانؑ کے لئے بناتے تھے) مردوں یا عورتوں کی نہ تھیں بلکہ یہ درختوں و مکانوں۔ الغرض غیر ذی روح چیزوں کی تھیں

(کافی وصافی وغیرہ)

اور اگر وہ تصویر ذی روح مخلوق کی ہے اور ہے بھی مجسم تو یہ بالاتفاق حرام ہے اور اگر غیر مجسم ہے تو اس میں فی الجملہ اختلاف ہے اظہر نہیں تو احوط یہ ہے کہ اس سے بھی اجتناب کیا جائے

جیسا کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مناہی میں مذکور ہے۔

نھٰی ان ینقش شئ من الحیوان علی الخاتم

کہ آپ نے انگوٹھی پر حیوان کی تصویر بنانے کی ممانعت فرمائی

(من لایحضرہ الفقیہ، از قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ جلد ۲ صفحہ ۱۸)

لہٰذا اگر کوئی شخص تعزیہ کے جواز پر زبانِ اعتراض دراز کرتا ہے تو وہ اپنے مذہبی وفقہی قواعد وضوابط سے اپنی جہالت ولاعلمی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ مگر یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اس کے بنانے کی اصلی غرض وغایت کیا ہے۔؟

ظاہر ہے کہ اس کے بنانے کی اصلی غرض وغایت صرف یہ ہے کہ مظلوم نینوا کی مزارِ مقدس کی شبیہ پیشِ نظر ہے اور واقعاتِ کربلا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے اور اس طرح حزن وملال اور گریہ وبکا میں اضافہ وازدیاد ہو۔ جو علاوہ باعث اجر وثواب بے حساب ہونے کے ایک مقصدِ اقصیٰ یعنی مظلوم سے الفت اور ظالم سے نفرت تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور اس طرح دراصل نظامِ مصطفیٰ اور انتظامِ مرتضیٰ کے احیاء کا سامان فراہم کرنا مقصود ومطلوب ہے۔

الغرض اسکے بنانے کا یہ تو ہرگز مقصد نہیں

تعزیہ سے متعلق غلط رسوم کی نشاندہی

ہے کہ (۱) اسکی طرف منہ کر کے زیارت پڑھی جائے جو بالاتفاق قبلہ یا اہلِ قبرِ مقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی جاتی ہے۔

(ملاحظہ ہو علامہ مجلسیؒ کی بحار الانوار جلد ۲۲ آداب زیارت و مجالس مفجعہ جناب آقائی سید میرن صاحب لکھنوی مرحوم) مگر یہ کہ وہ تعزیہ جانبِ قبلہ رکھا ہو اور روبقبلہ کی نیت سے زیارت پڑھی جائے۔

(۲) یا اس پر منت منوتی کے چڑھاوے چڑھا کر غیر مسلموں سے اپنے آپکو مشابہہ بنایا جائے۔ کیونکہ اسلام میں خدا کے نام کے علاوہ قطعاً کوئی منت جائز نہیں ہے ہاں البتہ ہندو اپنے بتوں پر کھانا اور پانی چڑھاتے ہیں۔

(۳) یا اس کے ساتھ عرضیاں باندھ کر یا اس سے حاجات طلب کر کے کھُلم کھُلا شرک کیا جائے۔

(۴) یا اُسے سجدہ کر کے یا رکوع کی طرح جھک کر سلام کر کے شرک جیسے ظلمِ عظیم کا ارتکاب کیا جائے۔ یا

(۵) ایک علاقے سے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ایک ہی تعزیہ کا جلوس نکالنے کی بجائے چڑھاؤوں کی آمدنی کی غرضِ فاسد کے ماتحت ہر گلی اور ہر کوچے سے تعزیہ کا دس پندرہ آدمیوں والا بے رونق جلوس نکالا جائے اور اس طرح غیروں کو متاثر کرنے کی بجائے الٹا متنفر کیا جائے۔

(۶) یا تعزیہ کے جلوس کے ساتھ ڈھول، شرنا یا اس قسم کے دیگر آلاتِ لہو و لعب کا استعمال کر کے محرماتِ شرعیہ کا ارتکاب کیا جائے اور جگ ہنسائی کرائی جائے۔

(۷) یا علموں اور تعزیوں پر چراغ جلائے جائیں۔ آخر اس بات کا مقصد کیا ہے؟

(۸) یا بچوں کو اُس کے ساتھ قید کیا جائے جیسا کہ بعض مائیں اپنے بچوں کو سُنّتِ سجادؑ سمجھ کر تعزیہ کے ساتھ بطور قیدی باندھتی ہیں جس کی کوئی بھی کل سیدھی نہیں ہے کیونکہ اوّلاً تو جیسے پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ اضطراری فعل کو سُنّتِ نبی و امام نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اور ظاہر ہے کہ امام کی قید اضطراری تھی۔ اور ثانیاً اگر بالفرض اس قید کو سُنّتِ امام بھی قرار دیا جائے تو کیا امام علیہ السلام کو تعزیہ مبارک کے ساتھ قید کیا گیا تھا۔

بہر حال یہ رسم بالکل غلط اور بے جا ہے جس سے اجتناب لازم ہے۔

(۹) اسی طرح کچھ لوگ بچوں کو حضرت امام حسینؑ کا فقیر بناتے ہیں اور اُن سے بھیک منگواتے ہیں یہ بھی محض غلط اور مہمل رسم ہے اس کا بھی استیصال ضروری ہے۔

(۱۰) یا تعزیہ مبارک کی تزئین و آرائش پر بے دریغ دولت صرف کی جائے؟ یہ درست ہے کہ اس سے امام عالی مقام کی ذات والاصفات سے بے پناہ عقیدت و ارادت کا اظہار تو ہوتا ہے مگر اس سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اس کا اصل مقصد تو حزن و ملال اور آہ و بکا میں شدت پیدا کر کے ماجور و مثاب ہونا ہے۔ مگر اس طرح تو آدمی تعزیہ مبارک کی چمک دمک اور اُس کی زیبائش و آرائش میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ بہتے ہوئے آنسو بھی رُک جاتے ہیں تو جس کام سے اصل مقصد ہی فوت ہو جائے اُس کا فائدہ کیا ہے؟

تتمہ: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر ایک بزرگ اور ہمدرد قوم و ملّت مرحوم عالم دین مولانا سید عمار علی صاحب اعلی اللہ مقامہ، صاحبِ تفسیر عمدۃ البیان کا کلامِ حق ترجمان پیش کر دیا جائے جو جملہ اہلِ ایمان کے لیے بالعموم اور عزاداران سید الشہداء کے لیے بالخصوص

کحل البصر بنانے کے قابل ہے۔

جناب موصوف اپنی تفسیر کی جلد نمبر ا ص ۶۹ طبع دہلی پر بذیلِ آیت " ولنبلونکم بشئ من الخوف الآیۃ رقم طراز ہیں۔

" یہ آیت حقیقت میں امام حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے اسواسطے کہ جو کچھ آیت میں ہے وہ ان کے حال پر صادق آتا ہے اور دوسرے شخص کو ہم ایسا نہیں کہتے اور یہ معرکہ آنحضرتؐ کا بڑا معرکہ ہے رونا رُلانا ان کی مصیبت میں ثواب عظیم رکھتا ہے لیکن اکثر آدمی محرّم میں بدعت کر کے ثواب کو ضائع کرتے ہیں باجے بجاتے بجواتے ہیں اور مرثیوں میں جھوٹی حدیثیں اپنی طرف سے ایجاد کر کے داخل کرتے ہیں اور غلو اور تفویض کی روایتوں کو مجلسوں میں بیان کر کے لوگوں کے ایمانوں کو فاسد کرتے ہیں۔ اور جو راگ شرع میں ممنوع ہے اس میں مرثیوں کو پڑھتے ہیں اور عورتیں بلند آواز سے مرثیوں کو پڑھتی ہیں اور نامحرم اُن کی آواز کو سُنتے ہیں۔ ان امور سے مؤمنین کو اجتناب لازم ہے اور تعزیوں پر محتاج آدمی تو اپنی احتیاج کی عرضیاں باندھتے ہیں یا کاغذ کی روٹی کتر کر باندھتے ہیں۔ اسکی مراد ہے کہ اگر میری آسودگی اور فراغت ہوئی تو میں چاندی کی روٹی گھڑ کر تعزیہ پر چڑھاؤں گا۔ اور بے اولاد آدمی کاغذ کا لڑکا کتر کر تعزیہ سے باندھتے ہیں اس ارادہ سے کہ اگر ہمارے ہاں لڑکا پیدا ہُوا تو ہم چاندی کا لڑکا گھڑ کر تعزیہ پر چڑھائیں گے۔ اول تو یہ تصویر انسانی ہے اور تصویر کے بنانے سے اجتناب لازم ہے اور سوا اس کے حاجت کا طلب کرنا اور تصویر کے بنانے سے اجتناب لازم ہے اور سوا

اسکی حاجت کا طلب کرنا پروردگار سے چاہیئے کہ وہ قاضی الحاجات ہے نہ غیر اُس کا۔ ہاں! حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام سے شفاعت کا چاہنا کہ خدا تعالےٰ ہماری حاجت کو برلائے اور اُن کے واسطے سے دعا مانگنا موجب قضائے حاجت اور موجب حصولِ مقصد ہے۔ جیسے کہ حدیث میں وارد ہے۔ اور بعض جُہلاد تعزیہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

یہ طریقہ کفار و مشرکین کا ہے اس سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اور تعزیہ و علم پر زیارت کا پڑھنا نہ چاہیئے۔ البتہ اگر کربلا معلّیٰ کی طرف منہ کر کے حضرت امام حسینؑ کے روضہ کی نسبت سے زیارت پڑھے تو مضائقہ نہیں ہے۔"

ے

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پند پیرِ دانا را۔

۴: جلوسِ مہندی اور سیج

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ شبیہ اس چیز کی بنائی جاتی ہے۔ جس کی کوئی اصل موجود ہو۔ مثلاً ہمارا علم، سرکارِ وفا کے علم کی شبیہ ہے۔ ہمارا تعزیہ سرکار سید الشہدار کے روضۂ اقدس کی شبیہ ہے۔ ہمارا جھولا شہزادہ علی اصغرؑ کے جھولے کی شبیہ ہے۔

وعلیٰ ہٰذا القیاس ہر شبیہ کی کوئی اصل ہوتی ہے۔ جس کی نقل بنائی جاتی ہے مگر معلوم نہیں کہ یہ جلوس مہندی اور گھڑولی بھرنا اور سیج نکالنا کس اصل کی شبیہ ہے؟ کیونکہ تمام محقق علمائے کاملین اور مستند مؤرخین کے بیان کی مطابق میدانِ کربلا میں جناب شہزادہ قاسم بن الحسنؑ کے عقد و ازدواج کی کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں ہے بلکہ یہ بالکل ایک بے بنیاد قصہ ہے اور اسکی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہے

نویں صدی تک کسی کتب میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ سب سے پہلے ملا حسین واعظ کاشفی نے نویں صدی میں اسے اپنی کتاب روضۃ الشہداء میں اکثر دوسری روایات و واقعات کی طرح بےحوالہ و بلے سند درج کیا اور اسی طرح جو انتخب ہیں، اور اسی آفائی دربندی نے اسرار الشہادۃ میں اور اس میں مزید کچھ برگ و بار لگا کر عرب و عجم کے روضہ خوانوں نے لیا اور اسی طرح رفتہ رفتہ یہ بے بنیاد قصہ عوام میں مشہور ہو گیا حالانکہ تمام علماء محققین اس قصہ کے پڑھنے اور سننے کو حرام اور ناجائز... جانتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ہماری کتاب سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین ع کی طرف رجوع کیا جائے) نیز محدث نوری کی کتاب لؤلؤ و مرجان اور مولانا شاکر حسین امروہوی کی مجاہد اعظم حصہ اول اور شہید مطہری مرحوم کی کتاب "فریادہائے مطہری بر تحریفات عاشورا" بھی اس سلسلہ میں قابل دید و داد ہیں۔

یا اس موضوع پر لکھے گئے بعض مستقل رسائل جیسے نزہۃ المشتاق اور رسالہ البیان المبرہن ملاحظہ کئے جائیں پس جب عقد کا کوئی اصل واقعہ موجود ہی نہیں تو یہ نقل و شبیہ کس کی ہے !؟ عقلائی مقولہ ہے

ثبت العرش ثم انقش

علاوہ بریں مہندی کا لگانا نوشہ کے لیے صرف جائز ہی ہے کوئی ایسی اسلامی لازمی رسم تو نہیں ہے کہ اگر مہندی گوندھنے کے لیے پانی نہ مل سکے تو میدانِ کربلا میں اسے آنسوؤں سے تر کرنے کا افسانہ گھڑا جائے

اور جہاں تک گھڑولی بھرنے کا تعلق ہے تو یہ خالص ہندوانہ رسم ہے جس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور "سیج" تو ایک ایسا لفظ ہے جو اپنی بہن و بیٹی کی نسبت سنکر ہی طبیعت کو گھن آتی ہے

اور کوئی شریف آدمی اپنی بیٹی اور داماد کی سیج دیکھنا گوارا نہیں کرتا چہ جائیکہ عوام کو دکھائے تو جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتے وُہ جناب سیّد الشہدار کی بیٹی اور اُن کے فرضی داماد کے متعلق کیونکر پسند کی جاتی ہے؟

دُختر حسینؑ کی سیج بنانے اور نکالنے والو! ؏

شرم تم کو مگر نہیں آتی؟؟

۵: جعلی مزارات:

ہاں اگر بنانا ہے تو جناب شاہزادہ قاسم کے جنازہ کی شبیہ بناؤ اور اسے کاندھا دے کر اپنی حسرت مٹاؤ۔

ے اسے دیکھ جو کچھ ہو رہا ہے ہونیوالا ہے ؛ دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں

اغیار میں تو یہ رسم بد بہت پرانی اور گہری تھی جعلی قبریں بنانا اور پھر اُن کی پرستش کرنا اور کرانا اور اس طرح روٹی کمانا۔ اگرچہ اُن کے علماء بھی اس فعل کو جائز نہیں جانتے۔

چنانچہ فاضل بریلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

" فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا ناجائز اور بدعت ہے "۔ (فتاوےٰ رضویہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۵)

مگر اسے قومی بدقسمتی کہنا چاہیئے کہ اُن لوگوں کی دیکھا دیکھی اب کچھ عرصہ سے ہماری قوم میں بھی جعلی قبریں بنانے اور پھر اُن کے ساتھ اصلی قبور مقدسہ والا معاملہ کرنے کی بدعت کا رجحان پیدا ہو رہا ہے اور جا بجا کہیں جناب سیدہ عالمؑ کہیں جناب زینب عالیہؑ، کہیں جناب امام زین العابدینؑ اور کہیں دوسرے ائمہ طاہرینؑ کے نام پہ قومی سرمایہ صرف کر کے قبے و محل تعمیر ہو رہے ہیں۔ اُن ذوات مقدسہ کے اصلی روضہ ہائے مقدسہ کے اصلی ڈیزائن منگوا کر اُنہی کے مطابق نقل کو اصل کے سانچے میں ڈھالنے

کی کوششیں جاری ہیں۔

وقتی طور پہ جذباتِ رنج والم اور احساسات حُزن وغم کو ابھارنے اور گریہ وبکا بڑھانے کے لیئے اور اصل واقعاتِ کربلا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لانے کے لیئے تعزیہ کی شکل میں تو یہ شبیہ بنانا جائز ہے (جیسا کہ سابقاً بیان کیا جا چکا ہے) مگر اصل قبر کی مستقل طور پہ ایک جعلی قبر کی شکل میں شبیہ بنانے کا کیا جواز ہے؟

اور پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس نقل پہ اصل والے تمام احکام مرتب کیئے جا رہے ہیں۔ اصل مزارات مقدسہ کی طرح یہاں ان نقلی مزارات کی طرف زیارت کے لیئے قافلے آ جا رہے ہیں وہاں نمازیں پڑھی جا رہی ہیں دعائیں مانگی جا رہی ہیں۔ اسی کے مواجہہ زیارات پڑھی جا رہی ہیں۔ طواف ہو رہے ہیں۔ مکالمات و مخاطبات کا سلسلہ جاری ہے حالانکہ ان میں سے اکثر امور تو وہ ہیں جن کا اصلی قبور مقدسہ پہ بجالانا بھی جائز نہیں ہے جیسے طواف اور براہِ راست طلبِ حاجت وغیرہ

تا چہ رسد بہ جعلی مزارات

اگر وارثانِ منبر ومحراب اپنی مخصوص مصلحتوں کے پیشِ نظر یونہی متعار زیرِ پا اور مُہر بلب رہے تو کل کلاں روضۂ رسول کی مستقل شبیہ بھی یہیں بن جائے گی۔ اور جناب امیرالمومنین اور دوسرے ائمہ طاہرین کے مزاراتِ مقدسہ کی شبیہیں بھی یہیں تعمیر ہو جائیں گی۔ اور پھر مدینہ منورہ اور کربلا ونجف کے مقامات مقدسہ پہ جانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

بلکہ حالات حاضرہ پہ نظر کرتے ہوئے یہ پیش گوئی کرنا چنداں مشکل نہیں کہ اگر یہی لیل ونہار رہے تو پھر ایک نہ ایک دن خانۂ کعبہ کی شبیہ بھی بن

جائے گی۔ اور اس طرح لاکھوں روپوں کی لاگت اور ہزاروں زحمتوں و تکلیفوں سے حجاز، عراق اور ایران اور مصر و شام کے سفروں سے بالکل گلو خلاصی ہو جائےگی۔ اور جو کچھ اجر و ثواب اور روحانی کیف و سرور وہاں حاصل ہوتا تھا وہ سب کچھ یہیں گھر بیٹھے بٹھائے حاصل ہو جائیگا اور "نہ ہینگ خرچ ہوگی اور نہ پھٹکڑی"، کیا یہ سب کچھ قوم کے ذمہ دار طبقہ کو خواب گراں گوشش سے بیدار کرنے کے لیے کافی نہیں ہے؟ ؏

نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستان کب تک؟

ے اٹھو ورنہ حشر بپا ہوگا نہ پھر کبھی دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

بعض حدیثوں میں بھی جعلی مزاروں کی مذمت وارد ہے چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من زار قبراً بلا مقبور جو شخص کسی ایسی قبر کی زیارت کرے جس میں کوئی دفن نہ ہو (از کتاب ذبیحین فی مقتل الحسینؑ علامہ کنتوری ص ۵۹۵)

میں قوم کے ارباب بسط و کشاد سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ ابھی وقت باقی ہے ابھی پانی سر سے اونچا نہیں ہوا اٹھو! اور اس غلط رجحان کی نہ صرف حوصلہ شکنی کرو۔ بلکہ اصل مزارات مقدسہ کے تقدس کی بحالی کی خاطر ہو سکے تو ان جعلی مزارات کو مسمار کردو۔ تاکہ آئندہ کسی قومی بازیگر کو ہمارے جذبات و احساسات سے غلط فائدہ اٹھانے کی جرأت و ہمت نہ ہو سکے اور آنے والی نسلیں کہیں نقل کو اصل نہ سمجھ بیٹھیں ورنہ تم سب کے سب احکم الحاکمین کی سرکار اور ائمہ طاہرینؑ کے دربار میں جواب دہی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ے

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے ؛ ہم نیک بد حضور کو سمجھائے جائیں

۶: عزاخانوں اور گھروں میں جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ کی جعلی تصویریں رکھنا

کچھ عرصہ سے ہمارے بعض برادر ہمسایہ ممالک سے جعلی لیا تی

وضمیاتی ذوق وشوق کے جذبہ کی تسکین کی خاطر وہاں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ھدیٰ علیہم آلاف التحیۃ والثنار کی جعلی تصویروں کی اشاعت اور ان سے عزاخانوں اور مسکنوں کی زیبائش میں افزائش کرنے کا رجحان ومیلان بہت عام ہوگیا ہے اور ان کی دیکھا دیکھی ۔ یہاں بھی یہ رجحان روز افزوں ہے ۔

حالانکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ جس قدر اسلام نے تصویر سازی اور تصویر نوازی کے غلط جذبہ کی حوصلہ شکنی کی ہے ۔ اس کی دوسرے مذاہب میں نظیر نہیں ملتی ۔ مگر سچ ہے کہ

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں ۔

جب یار لوگوں نے دیکھا کہ ان ذواتِ مقدسہ کی اصلی وواقعی تصویریں تو ملتی نہیں ہیں ۔ کیونکہ موجودہ فوٹوگرافی تو ان کے دور میں تھی نہیں کہ کوئی عیار فوٹوگرافر غیر ارادی طور پر آناً فاناً ان کی تصویر کھینچ کر محفوظ کرلیتا ۔ اور آنے والی نسلوں تک پہنچاتا ۔ باقی رہی مجسمہ سازی یا قلمی تصویر سازی کے طور پر تصویر کشی ۔ تو جناب رسول خداؐ ہوں یا دوسرے ائمہ ھدیٰ وہ اس غیر اسلامی فعل کے لیے کس طرح آمادہ ہوسکتے تھے ؟

ہم بھی تھے وہ حساب سو یوں پاک ہوگئے

حیران ہوں پھر معاملہ ہے کس حساب میں ؟

تو جھٹ اپنے خیال کی بے مثال قوت کا سہارا لیتے ہوئے خیالی تصویریں بنا ڈالیں ۔ اور پھر لگے دیوی دیوتاؤں کی طرح ان کی پوجا پاٹ کرنے جس کی شریعت مقدسہ اسلامیہ میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ اور نہ ہی ان کی خرید فروخت جائز ہے کیونکہ ادھر ان جعلی تصویروں کی نسبت سب ہی بزرگ و برتر ہستیوں کی طرف ہے لہٰذا

یہ یقین رکھتے ہوئے بھی کہ یہ من گھڑت اور جعلی وخیالی ہیں۔ اُن کی بے حُرمتی کرنے کی جسارت بھی نہیں کی جاسکتی۔ اُدھر ان کے رکھنے اور ان کا بے پناہ احترام کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی کہ یہ مداخلت فی الدین ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ان کو کسی محفوظ جگہ پر دفن کردیا جائے یا انہیں دریا بُرد کردیا جائے۔ وَاللہُ المُوَفّقُ وَالہادی۔

۷: قدم گاہِ نبیؐ وعلیؑ ودیگر تبرکاتِ نبوّت وامامت

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس چیز کی نسبت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا ائمہ ھُدٰے علیہم السلام کی طرف ہوجائے۔ وہ اس نسبت کی برکت سے لائق تعظیم وتکریم بن جاتی ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ وہ نسبت واقعی ہو جیسے اِن ذواتِ مقدسہ کے لباس کا کوئی ٹکڑا یا کوئی اور ایسی چیز۔ مگر جب وہ نسبت ہو ہی بے بنیاد اور غلطِ محض جیسا کہ کئی ایسے مقامات ہیں جہاں پیغمبر اسلام یا ائمہ طاہرین علیہم السلام کے کئی آثار بیان کئے جاتے ہیں جیسے بیت المقدس کے صخرے پر قدمِ رسول کا نقش، سری نگر میں مُوئے مبارک، لاہور کی بادشاہی مسجد میں آنحضرتؐ کے جوتے اور عمامہ وغیرہ۔

یا حیدر آباد سندھ میں مولا علیؑ کا نقشِ قدم۔ حالانکہ تاریخی طور پر ان باتوں کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں ہے۔ اور اُن میں سے اکثر مقامات تو وہ ہیں جہاں ان حضرات کا تشریف لے جانا قطعاً ثابت ہی نہیں ہے نیز تبرکاتِ نبوت وامامت خاندانِ رسول کے خواص یعنی ائمہ اطہار کے پاس ہوتے ہیں نہ کہ عوام الناس کے پاس۔

علاوہ بریں ان نقوشِ قدم کا بے ہنگم اور بے ڈھنگ ہونا بھی اس بات

کی قطعی دلیل ہے کہ یہ اُن ہستیوں کے نقوشِ قدم نہیں ہو سکتے جو حسن وجمال اور تناسبِ اعضاء اور ان کے اعتدال میں فخرِ یوسف تھے۔ ان سب باتوں سے قطع نظر چونکہ ہمیشہ ثبوت بذمہ مدعی ہوتا ہے تو ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ جو لوگ ان چیزوں کو اصل حقیقت سمجھنے کے دعویدار ہیں وہ ان کا کوئی قطعی ثبوت بزمِ عقلاء میں پیش کریں ورنہ دعوٰے بلا دلیل سے دستبردار ہو جائیں اگر دعوٰے بلا دلیل قبول کرنے کی رسم چل نکلی۔

تو کل کلاں کوئی طالع آزما عیار اور مذہبی دکاندار کسی سانپ کے متعلق یہ دعوٰے بھی کر دیگا کہ یہ اُس سانپ کی نسل سے ہے جس نے غارِ ثور میں فُلاں کو ڈسا تھا۔ اور یہ شیر کا بچہ اُس شیر کی نسل سے ہے جس نے روزِ عاشوراء سرکار سید الشہداء کی لاشِ اقدس کی حفاظت کی تھی[1] تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے ع

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

الغرض ان مختلف آثار کو حقیقی سمجھنا اور پھر بطور تبرک ان کو مسح کرنا اور ان کو چومنا چاٹنا بالکل غلط ہے۔ اور غیر مسلمانوں سے مشابہت ہے لہٰذا اس سے اجتناب لازم ہے اور اس غلط رجحان کی حوصلہ شکنی واجب ہے تاکہ کوئی عیار راہزن اسلام کے راہنما کے روپ میں لوگوں کے دین وایمان پر ڈاکہ نہ ڈال سکے اور اسلام کو بدنام نہ کر سکے۔

ذوالجناح مُبارک: وہ گھوڑا جسے عرف عام میں "ذوالجناح" کہا جاتا ہے (جس کا اصلی نام مرتجز تھا) حضرت

---

[1] جیسا کہ بعض ننگِ قوم ننگ دین اور ننگ وطن قسم کے عیار لوگوں کے بارے میں سننے میں آیا ہے کہ انہوں نے عرصہ سے یہ دھندا شروع کر رکھا ہے۔ واللہ اعلم

امام حسینؑ روحی وارواح العالمین لہ الفداء کے راہوار کی شبیہ ہے اور چونکہ یہ ایک جاندار کی جاندار شبیہ ہے اسلئے فقہی قانون شریعت کے مطابق اسلام کے تمام مکاتبِ فکر کے نزدیک اس کا جواز لا کلام ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یا کوئی گروہ اسکے جواز میں کلام کرتا ہے تو جہاں وہ اپنی ضلالت کا ثبوت دیتا ہے وہاں وہ اپنے مذہبی احکام سے اپنی جہالت کا بھی بزبانِ خود اعلان کرتا ہے۔

مگر یاد رہے کہ علم اور تعزیہ کی طرح ذوالجناح کے بنانے کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ ان شعائر حسینیؑ کو دیکھ کر واقعاتِ کربلا کی یاد کو اس طرح تازہ کیا جائے کہ گویا مجسم شکل میں واقعاتِ کربلا آنکھوں کے سامنے آجائیں اور اس واقعۂ ہائلہ کی تمثیل کو دیکھ کر اسکی یاد تازہ ہو جائے کہ امام مظلومؑ کی شہادت کے بعد یہ راہوار اپنا سوار شہید کرا کر کس طرح سوگوار وضع قطع کے ساتھ خیام حسینیؑ میں شہادت امام کا پیغام لایا تھا اور اُسے دیکھ کر مخدرات عصمت و طہارت نے کس طرح گریہ و بکا اور کہرام ماتم بپا کیا تھا؟

اور اس ذریعہ سے غم تازہ ہو جائے اور حُزن و ملال میں شدت اور گریہ و بکا میں حدت پیدا ہو جائے تاکہ اس طریقہ سے یادگار حسینی اور شہادت حسینی کی اصل روح کو زندہ رکھا جا سکے جو کہ ظالم اور اُس کے کردار سے نفرت اور مظلوم اور اس کی رفتار سے الفت کا جذبہ پیدا کر کے اسلام کی بقا اور بنی نوع انسان کی فلاح کا انتظام کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں بعض غلط رسوم کا تذکرہ

مگر نہایت افسوس اور قلبی دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ذوالجناح کے معاملہ میں بھی عوامی حلقوں کی طرف سے بالعموم کچھ اس قسم کی بے راہ روی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ جس سے اصل مقصد کو تقویت

کی بجائے الٹا ضعف و نقصان پہنچتا ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے

(۱) جب ایک مرکزی جگہ سے ایک مرکزی ذوالجناح کا جلوس نکالنا اور اُس کے ساتھ انبوہ کثیر کا رقت خیز منظر کے ساتھ شریک ہونا حصولِ مقصد کے لیے زیادہ مؤثر ہے تو پھر گلی گلی اور کوچہ کوچہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کے ساتھ کئی ذوالجناح نکالنے کا کیا مقصد ہے؟

نیز جب اصل مقصد ایک جگہ ایک ذوالجناح نکالنے سے حاصل ہو سکتا ہے تو پھر ایک وقت اور ایک مقام اکٹھے ستر ستر ذوالجناح برآمد کرنے کا کیا مطلب ہے؟

(۲) جب یہ ذوالجناح امام مظلوم کے مظلوم راہوار کی شبیہ ہے تو پھر لاکھوں روپے خرچ کر کے اسے سونے چاندی کے زیورات پہنانے اور اسے قیمتی کپڑوں سے بنانے سنوارنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ اس سے گریہ و بکا میں اضافہ کرنا مطلوب ہے اپنے مال و دولت کی نمائش کرنا مقصود نہیں ہے اس کی وضع قطع اور ہیئت کذائی ایسی مظلومانہ ہونی چاہیئے کہ اسے دیکھ کر آدمی بے ساختہ رونے پر مجبور ہو جائے۔ جیسا کہ بعض مقامات[1] پر ایسا دیکھا گیا ہے اُسکی تاثیر بے نظیر ہوتی ہے گریہ و بکا میں اضافہ ہوتا ہے بخلاف صورت بالا کے کہ اس سے اپنے تموّل اور اپنی عقیدت کا ثبوت تو ضرور ملتا ہے مگر اس سے اُسکی اثر میں خاصی کمی واقع ہو جاتی ہے اور اسوقت مظلوم کی مظلومیت اور اسکے مقصدِ شہادت پر نظر نہیں پڑتی بلکہ ایک ماہر کاریگر کے فنی شہ پارے پر نگاہ پڑتی ہے اور بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے اس لئے وہ رقم جو ذوالجناح یا تعزیہ کو بناوٹ اور بناوٹ پر صرف کی جاتی ہے وہ غریب سادات و مومنین کی ضروریات پر صرف کی جائے اور وہ زیورات ان غریب سیدانیوں کو دیئے جائیں جنکی شادیاں غربت کی وجہ سے رکی ہوتی ہیں تاکہ ان کے ہاتھ پیلے ہو سکیں تو اس سے حضرت سید الشہداءؑ کی روح مقدس خوش ہو گی۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہ

(۳) جب اسکے بنانے کا مقصد ہی افراطِ گریہ کا سامان مہیا کرنا ہے تو

---

[1] جیسے جہانیاں شاہ ضلع سرگودھا جو کہ اس راقم آثم کا آبائی گاؤں ہے

اسکی نیچے سے بچے گذارنے اور اسے کچھ دلانے کھلانے اور باقی اسکے جوٹھے دانے تبرک سمجھ کر خود کھانے، اسکے اوپر چڑھاوے چڑھانے اور اسکے گلے میں عرضیاں باندھنے کا کیا جواز ہے؟ (جیسا کہ کئی جگہ عوام الناس بالخصوص عورتیں ایسا کرتی ہیں) کیا ذوالجناح امام کی یا خدا کی بارگاہ میں یہ عرضیاں پہنچائیگا۔؟

بھلا ایسا کام کیوں کیا جائے جس سے جگ ہنسائی ہو؟ غیروں کی نظر دل میں مذہب کی رسوائی ہو اور سب سے بڑھکر جس سے اصل مقصد بھی فوت ہو جائے ؎

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی؟؟

(۴) جس گھوڑے کو ذوالجناح بنا دیا جائے پھر اس پر کوئی شخص سوار نہیں ہوتا کیونکہ اب یہ امام عالی مقام کی سواری کی طرف منسوب ہو گیا ہے یہ استدلال کس قدر کمزور ہے؟ کیا یہ ایک تاریخی حقیقت نہیں ہے کہ سائل ائمہ طاہرین سے اُن کی سواری کے گھوڑے اور ان کے بدنِ مقدس سے مَس شدہ کپڑے مانگتے تھے اور وہ اُنہیں عنایت فرماتے تھے۔

ظاہر ہے کہ وہ سائل ان سواریوں پر سوار ہوتے تھے اور وہ کپڑے پہنتے تھے۔ جب امامؑ کی سواری کے اصل گھوڑے پر سوار ہونا جائز ہے تو صرف نسبت والی سواری پر سوار ہونا کیوں ناجائز ہوگا؟ ہمارا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ضرور ہی کوئی آدمی اس پر سوار ہو۔

بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ایسا کرنے کو ناجائز نہ ٹھہرایا جائے اور قبل از اسلام "بدکوتل" گھوڑوں کی رسمِ بد زندہ نہ کی جائے۔

(۵) ثقہ بیانات سے معلوم ہوا ہے کہ بعض مقامات پر ذوالجناح کی موت پر اُسے غسل دیا گیا۔ کفن دیا گیا۔ اور پھر باقاعدہ اہتمام سے دفنایا گیا اگر نسبت کے احترام کی وجہ سے گڑھا کھود کر اُسے دفن کر دیا جائے تو اس میں

ہیں شرعاً و عرفاً بظاہر کوئی قباحت نہیں ہے مگر اُسے غسل دینے اور پھر اسے کفن دینے یا اُس کی باقاعدہ قبر بنانے یا اس پر خرچہ تعزیہ کرنے کا کیا جواز ہے؟

اور کیا بعض لوگوں کے ایسا کرنے سے پوری قوم کی توہین اور مذہب کی تذلیل نہیں ہوتی؟ سچ ہے سے

چو از قومے یکے بے دانشی کرد ۔ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

(۶) بعض ابوجہل قسم کے لوگ اس مقدس شبیہ کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوتے ہیں جس کے حرام اور ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یک تقدم ۔ اگر ہماری ان جاہلانہ رسموں کو دیکھتے ہوئے دشمنانِ اہل بیتؑ در مخالفین مذہب ہمیں "گھوڑا اور تعزیہ پرست قوم" کہتے ہیں تو اس سے ناراض ہونے اور ان پر نزلہ گرانے کی بجائے اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کو یہ الزام دینے اور ہمیں بدنام کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ واللہ الموفق

ایک اور اصلاح طلب رسم

بعض ممالک میں یہ چیز بھی مراسم عزا میں شامل ہے کہ بعض لوگ مشترد وغیرہ ماتمین کا اور بعض جناب زینب عالیہ کا سوانگ رچاتے ہیں بھلا حسب عام حالات میں مرد کیلئے عورت اور عورت کے لئے مرد کا لباس پہننا حرام ہے تو کسی نامحرم مرد کا مخدراتؑ کی شبیہ بننا یا کسی مومن کا اپنے آپ کو کسی شقی کے مشابہ بنانا کس طرح مباح ہو سکتا ہے! لہٰذا ایسی تمثیلی عزاداری سے بلکہ اس رسم سے اجتناب لازم ہے جو کہ مذہب کی کمزوری اور قوم کی رسوائی اور جگ ہنسائی کا باعث ہو۔ واللہ الموفق۔

ماتم

اگرچہ امت مسلمہ میں ماتم کے جواز اور عدم جواز میں بہت سخت اور قدیمی اختلاف موجود ہے مگر ہم نے تجلیاتِ صداقت بجوابِ آفتابِ ہدایت میں اور ہماری طرح (بلکہ ہم سے بھی بڑھ چڑھ کر) ہمارے بہت سے علمائے کرام نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اسلئے وہ فطری باتوں کی ممانعت نہیں کرتا۔ اور فطرت کا تقاضا ہے کہ کسی مرنے والے کے ساتھ کسی زندہ کا جتنا تعلق خاطر ہوتا ہے اُتنا ہی اسکی موت سے وہ متاثر ہوتا ہے

یعنی اگر بالکل معمولی سا تعلق ہو۔ تو وہ اُس کی موت کی خبر سُن کر صرف آہ کرتا ہے اور اگر اس سے کچھ زیادہ لگاؤ ہو تو پھر کچھ گریہ و بکا بھی کرتا ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ قلبی ربط ہو تو پھر دھاڑیں مار کر روتا ہے اور اگر اس سے بھی بڑھ کر دینی یا دنیوی اعتبار سے اس سے محبت و مودت یا عشق ہو تو پھر جس طرح وہ بے ساختہ دھاڑیں مار کر زار و قطار روتا ہے اسی طرح اُس کے ہاتھ بھی اُس کے قابو میں نہیں رہتے بلکہ وہ بے ساختہ کبھی اس پیٹنے منہ پر لگتے ہیں۔ اور کبھی سر و سینہ پر پڑتے ہیں۔

جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات پر عاشقان رسول، مخلص صحابہ کرام نے اس کا عملی مظاہرہ کیا تھا۔

(ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام، طبری، کامل، مدارج النبوۃ اور معارج النبوۃ وغیرہ)

اور دراصل اسی چیز کا نام "ماتم" ہے جو اگر اپنے حقیقی مفہوم کے ساتھ ہو تو کوئی صحیح الفطرۃ آدمی اس کے فطری اور جائز و مباح ہونے میں شک و شبہ... نہیں کر سکتا۔

اس سے دوسرے عام ناظرین پر بھی خوشگوار اثر پڑتا ہے اور وہ بھی ایسے سوگوار کو دیکھ کر اشکبار ہو جاتے ہیں۔ ویسے بھی متعدد حدیثوں میں وارد ہے۔

"کل جزع و فزع قبیح الا علی الحُسین"

(ہر قسم کی جزع فزع قبیح ہے مگر حسین ابن علی علیہ السلام پر)

(فصول مہمہ شیخ حر عاملی)

لہٰذا جن عمومی روایتوں میں منہ اور رانوں پر ہاتھ مارنے سے مصیبت زدہ شخص کے اجر و ثواب کے ضائع و اکارت ہونے کا تذکرہ پایا جاتا ہے اس سے

اُن عمومی روایتوں کی تخصیص ہو جاتی ہے (وما من عام الاوقد خص)

اِس سلسلہ میں بعض غلط رسوم کا تذکرہ

لیکن بدقسمتی سے جس طرح دوسرے مراسم عزا غلط رسم و رواج سے محفوظ نہیں رہے وہاں یہ فطری عمل بھی غلط رسم و رواج کے خس و خاشاک سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ اس میں بعض غلط رسمیں جاری ہوگئیں ہیں جن کا ذیل میں اس خیال کے تحت اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے کہ شاید ہماری ماتمی برادری ان باتوں پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرے اور ہمیں اپنا بدخواہ نہیں بلکہ اپنا حقیقی اور سچا خیرخواہ سمجھ کر ہمارے معروضات پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔

(۱) خلوص کے ساتھ سید الشہداء کے غم میں ڈوب کر ماتم کیا جائے۔ انہیں اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ کس کا ہاتھ کس کے ساتھ مل کر سینہ پر پڑ رہا ہے اور کس کا بے ہنگم طریقہ پہ۔ پھر ایسے شخص کو حلقہ ماتم سے نہ نکالا جائے بلکہ اس کے خلوص کو دیکھ کر اسکی قدر کی جائے

(۲) اُجرت لے کر محض رسمی ماتم کرنے سے گریز کیا جائے۔ مجالس عزا پہ تو عرصے سے سودا بازی ہو رہی تھی مگر اس انقلابی دور میں بعض مقامات کے متعلق یہ افسوسناک انقلابی خبر بھی گوش گذار ہوئی ہے کہ اب ماتم پر بھی سودے بازیاں ہوتی ہیں (لاقدر اللہ) جو ہر لحاظ سے قابلِ مذمت فعل ہے۔ ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی بجائے حوصلہ شکنی لازم ہے تاکہ اِس رسم بد کا استیصال ہو جائے۔

(۳) ڈھول پہ ماتم کرنے سے بالکل اجتناب کیا جائے۔ اگرچہ بحمداللہ جوں جوں علم کی روشنی پھیلتی جاتی ہے توں توں غلط رسموں کے بادل چھٹتے جاتے ہیں۔ تاہم بعض مقامات پر اب بھی ڈھول پہ سُر تال سے ماتم ہوتا ہے۔ جس سے اجتناب لازم ہے ڈھول آلاتِ لہو میں سے ہے۔ جس کا استعمال بہرحال ناجائز و حرام ہے۔ جو شادی کی تقریب میں جائز نہیں وہ عزاداری اور سید الشہداء کی سوگواری میں کس طرح روا ہو سکتا ہے۔؟ جو کہ شریعت مقدسہ کے احکام و اصول کی پاسداری کے لئے عمل میں آئی تھی لہذا عزاداری کو شاہ شہیداں کی شہادت

کے اعلیٰ و ارفع مقاصد کو اجاگر کرنے کے لیے قائم کی جاتی ہے کس طرح فقیہ شریعت سے آزاد کیا جا سکتا ہے
اور بعض بے توفیق اہل علم کے لیے اس عذر کا کیا جواز ہے؟ کہ جب ان سے کسی غلط روایت کی تعمیم یا کسی غلط رسم
کے استیصال کے بارے میں استفسار کیا جائے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ "من از مادرِ حسینؑ می ترسم" گویا مادرِ حسینؑ معاذ اللہ
حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے سے ناراض ہوتی ہیں؟ (معاذ اللہ)

مالکم کیف تحکمون

(۴) بھنگ و چرس وغیرہ منشیات کا استعمال کر کے ماتم نہ کیا جائے کیونکہ شریعت مقدسہ میں یہ چیزیں حرام ہیں اور ان کے استعمال کا کوئی جواز نہیں ہے۔ لہٰذا اگر سید الشہداء کے مراسم عزا میں ان چیزوں کا ارتکاب کیا گیا تو فائدہ کی بجائے الٹا دینی نقصان و زیاں ہوگا۔

(۵) مرد و زن کے مخلوط ماتم سے احتراز کیا جائے۔ کیونکہ اس طرح پردہ جیسے اہم اسلامی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے جس کا ملحوظ رکھنا ہر حال میں ضروری ہے۔ ورنہ ایسے ماتم کی افادیت تو ختم ہو ہی جائیگی الٹا یہ چیز جگ ہنسائی اور ہماری قومی ذلت و رسوائی کا باعث بھی بن جائیگی۔

(۶) زنجیر، تلوار اور قمع کے ماتم کے بارے میں ہمارے فقہائے شیعہ خیر البریہ میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ حضرات اسے جائز جانتے ہیں اور کچھ حضرات جیسے سرکار آقائی بروجردیؒ[1] آقائی علامہ سید

---

[1] چنانچہ سرکار موصوف اپنے رسالہ عملیہ جامع المسائل اردو ص۲۰۲ طبع لاہور پر رقم طراز ہیں:
"مسئلہ.. اگر کوئی امام حسینؑ کی تعزیہ داری میں قمع وغیرہ سے ماتم کرنے میں زخمی ہو جائے جو جسم کے لیے ضرر رساں ہو تو یہ فعل حرام ہوگا۔ لیکن اگر اس طرح ماتم کیا جائے کہ تعزیہ داری کے وقت ہی درد و الم محسوس ہو بعد میں تکلیف نہ ہو۔ جس طرح عموماً سینہ زنی کرتے ہیں۔ جس سے سینہ سیاہ یا سرخ ہو جاتا ہے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے"
اور سرکار عاملی نے اس موضوع پر ایک مکمل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "تنزیہ الشبیہ" اور آقائی کاظمینی نے اس پر تقریظ لکھ کر اسکی تائید مزید کی ہے۔ (فراجع)
ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا است ؎ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند (احقر عفی عنہ)

محسن ابن عاملی اور علامہ سید مہدی کاظمینی اعلی اللہ مقامہم اور بہت سے دیگر علماء و فقہاء اسے ناجائز جانتے ہیں۔

اسلئے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ اس قسم کا ماتم کرنے سے پہلے اپنے مرجع تقلید کی طرف رجوع کر کے اس کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ کرالیا جائے اور پھر اسکے مطابق عمل کیا جائے۔

ویسے ہماری اپنی ناچیز تحقیق کے مطابق جو قرآن و سنت پر مبنی ہے اس کا عدم جواز راجح ہے ہاں البتہ اگر کوئی شخص شدتِ غم والم اور جذباتِ عشق و محبت سے سرشار ہو کر بے خودی کے اس مقام پر پہنچ جائے کہ اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جائے اور پھر ایسا کوئی کام کر گزرے جو ظاہری شریعت کے قواعد و ضوابط کے منافی ہو تو اس پر قلم شریعت جاری نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں "شریعتِ عشق" کی عملداری ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ ؎

کہ مذہبِ عشق از مذہبہا جدا است

مگر جب تک عقل و ہوش بجا ہے اور اختیار بحال ہے تو اپنے آپ کو ضرر پہنچانے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے اور موجب وہن مذہب کوئی کام و اقدام کرنے کی بمقتضائے قواعد و ضوابطِ شرعیہ کوئی گنجائش نہیں ہے۔

"لاتلقوا بایدیکم الی التھلکہ (اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)" فرمانِ قدرت ہے "لاضرر ولا ضرار فی الاسلام" فرمانِ رسولؐ۔ اور یہ جان جس ذات کی امانت ہے اسکے حقیقی مالک کی طرف سے اس طرح اسکے اتلاف و ضیاع کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ واللہ العالم

ہاں اگر ہو سکے تو یہ خون ان لوگوں کو دیا جائے جو ہسپتالوں میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور آپ کے خونی عطیات کے منتظر ہیں۔

من احیٰ نفساً فقد احی الناس جمیعا

ایسے نازک مقامات پر ہمارا عندیہ

ہم اس چیز کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی اس پر عامل۔ کہ اگر کسی بجد

میں قوالی ہوتی ہو یا کسی بزرگ کی قبر پر عُرس تو مسجد گرادی جائے یا قبر اکھاڑ دی جائے یا اگر باغ میں خس و خاشاک پڑ جائے تو باغ تباہ کر دیا جائے بلکہ اس غلط چیز کا استیصال کرنا چاہیئے جس سے اصل مقصد میں خلل پڑ رہا ہو۔

بنا بریں ہم یہ نہیں کہتے کہ چونکہ علم و تعزیہ اور ذوالجناح پر غلط رسوم کا ارتکاب ہوتا ہے تو اصل علم و تعزیہ اور ذوالجناح کو ہی ختم کر دیا جائے بلکہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان غلط رسوم کا استیصال کیا جائے تاکہ مراسم عزاداری کی افادیت میں چار چاند لگ جائیں۔

اُن ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی اِلاّ

باللہ علیہ توکلت والیہ انیب واللہ علیٰ

ما اقول وکیل

ے

سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

کیونکہ

کہتا ہوں سچ کر جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

والحمد للہ علیٰ احسانہ

پانچواں باب ۵

ان بدعات اور غلط رسوم کا بیان جو شادی بیاہ سے متعلق ہیں

اس سلسلہ کی بدعات اور غلط رسومات کی نشاندہی کرنے اور ان کے استیصال کی کدو کاوش کرنے سے پہلے انسب یہ ہے کہ یہاں بڑے اختصار کے ساتھ اسلام میں عقد و ازدواج کی اہمیت اور اس کے شرعی احکام کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے جو اس مبارک موقع پر شریعت مقدسہ اسلامیہ نے پیش کئے ہیں۔

عقد و ازدواج کی اہمیت:۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا) اس لیے اس میں رہبانیت (ترک دنیا) نہیں ہے ـــ بانیٔ اسلام کا ارشاد ہے

"لا رہبانیۃ فی الاسلام"

یعنی رہبانیت کا اسلام سے اور اسلام کا رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے ـــ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہے کہ اسلام صرف انسان کی انفرادی زندگی تک محدود نہیں اور یہ عبد و معبود کا صرف نجی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا مکمل ضابطۂ حیات ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے دائرہ کار سے باہر نہیں ہے اور انسان کی اعتقادی، فکری، اخلاقی، تمدنی، تہذیبی ثقافتی، سیاسی اور معاشی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے

ہے ۔ انہی گوناگوں شعبہ ہائے زندگی میں سے ایک انسان کی عائلی زندگی کا شعبہ بھی ہے یعنی جب خالق حکیم نے انسان میں غریزۂ شہوت ودیعت کیا ہے تو اس کی تسکین کے اسباب کی فراہمی کا بھی انتظام کیا ہے اسی کا نام شریعت اسلام میں نکاح ہے (خواہ منقطع ہو یا دائمی)

نکاح کے فوائد:- یہ نکاح صرف طبعی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ ایک شرعی ضرورت بھی ہے اور عفت عمومی کی حفاظت کا بہترین ذریعہ بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

"النکاحُ من سُنّتی فمن رغب عن سُنّتی فلیس منّی۔"

نکاح میری سنت ہے جو شخص میری سُنّت سے روگردانی کریگا وہ مجھ سے نہیں۔ (الوسائل)

۲:- نکاح کے بغیر مرد و زن جنسی تعلق بدترین گناہ ہے ارشاد قدرت ہے

لَا تقربوا الزِّنیٰ انہٗ کان فاحشۃ وساء سبیلاً۔

زناکاری کے قریب بھی نہ جاؤ کہ یہ بے حیائی ہے اور بُرائی کا راستہ ہے

۳:- نکاح بطریق صحیح بقائے نسل کا ضامن اور اولادِ صالح کی پیدائش کا واحد ذریعہ ہے۔

۴:- زنا سے بچنے کا واحد راستہ ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

من تزوج فقد احرز نصف دینہ فلیتق اللہ فی النصف الباقی

جو شخص شادی کر لیتا ہے وہ اپنے آدھے دین کو بچا لیتا ہے اب باقی آدھے دین میں خدا سے ڈرے (الوافی - الوسائل)

۵:- بغیر عذر شرعی نکاح نہ کر کے مرنے والوں کو "ذلیل" کہا گیا ہے (الوسائل)

۶:۔ شادی شدہ آدمی کی دو رکعت نماز کو غیر شادی شدہ کی ستر رکعت سے افضل قرار دیا گیا ہے (ایضاً)

۷:۔ عورت مرد کا لباس اور مرد عورت کا لباس ہے اس لئے ایک کے لئے دوسرے کا وجود ناگزیر ہے بالخصوص ؎

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

الغرض ! انسانی تمدن کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کی باہمی شرعی رفاقت سے وجود میں آتی ہے۔ ان دونوں انسانوں کے ملاپ سے جو چھوٹا سا اجتماعی دائرہ بنتا ہے اُسے انسان کی عائلی زندگی کہا جاتا ہے اور اس کے لیے جو ضابطے ہوتے ہیں انہیں "عائلی نظام" کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے اس معاہدہ نکاح کو "میثاقاً غلیظاً" (پختہ عہد) قرار دیا ہے اس معاہدے کے ذریعہ مرد و عورت ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر بھاری ذمہ داریاں لیتے ہیں جو خالق فطرت نے مرد و عورت کی فطرت کو مدنظر رکھ کر عائد کی ہیں۔ مرد اس اجتماعی وحدت کا نگرانِ اعلیٰ ہوتا ہے اور اقتصادیات فراہم کرتا ہے اور عورت اس کی زیرِ ہدایت گھر کا نظم و نسق چلاتی ہے۔

(الرجال قوامون علی النساء)

چنانچہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ خانوادے کا نگہبان مرد ہوتا ہے مگر عورت بھی گھر، شوہر اور بچوں کے بارے میں مسئول ہے

(مجموعۂ ورام)

اگر ہر فریق اپنی ان ذمہ داریوں کو سمجھے اور پھر ادا بھی کرے جو اس معاہدہ کے نتیجے میں اس پر عائد ہوتی ہیں تو گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے اور اگر کوئی فریق ان ذمہ داریوں کو سمجھنے یا پھر ادا کرنے کی طرف توجہ نہ دے تو اس سے

گھر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

بنا بریں خاندان کی نیک بختی سب سے پہلے مرد و عورت کے باہمی روابط کی خوشگواری پر موقوف ہے۔

شادی بیاہ میں خرد و ہوشمندی کی ضرورت: عقل مندی اور دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس پُرخار وادی میں پھونک پھونک کر قدم رکھا جائے اور پوری خرد مندی و ہوشمندی سے کوئی اقدام کیا جائے اور غلط جذبات کی رَو میں بہہ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھایا جائے۔ بلکہ اس سلسلہ میں چند امور کو ملحوظ رکھا جائے۔

۱: صرف جمال کی خاطر شادی نہ کی جائے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایاکم و خضراء الدمن» اوڑی کی سبزی سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اروڑی کی سبزی کیا ہے؟ فرمایا بُرے خاندان کی حسین و جمیل عورت۔ (البحار)

۲: صرف مال کی خاطر بھی شادی نہ کی جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جو صرف مال و جمال کی خاطر شادی کریگا وہ دونوں سے محروم رہے گا اور وہ اپنی محبوب چیز نہیں پا سکے گا اور خدا اس کو اُسی مال کے حوالے کر دیگا اور جو کمال کی خاطر کریگا یعنی طبعی و شرعی ضرورت اور سنتِ نبوی سمجھ کر کریگا خدا اُسے دونوں سے بہرہ ور کریگا۔ (ایضاً)

۳: بلوغت کے بعد لڑکی لڑکے کی شادی میں جلدی کی جائے آج جنسیات کے ماہرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نوجوانوں کے اکثر و بیشتر جنسی مسائل کا حل انہیں جلد از جلد رشتہ عقد و ازدواج میں منسلک کرنے کے اندر پوشیدہ ہے لڑکی پھل کی مانند ہے جب پھل پک جائے تو توڑ کر اسے محفوظ کر لینا چاہیے

ورنہ اسے خراب کرنے والی بہت چیزیں ہوتی ہیں ۔ جس طرح آفتاب کی حرارت اور فضائی عوامل اُسے تباہ کر دیتے ہیں بالکل اسی طرح اگر لڑکیوں کی شادی جلدی نہ کی جائے تو حالات انہیں فاسد کر دیتے ہیں ۔

۴: **کُفو کا لحاظ رکھا جائے** :۔ یعنی اسلام و ایمان کو ملحوظ رکھا جائے کہ "المؤمن کفو المؤمنة ۔ مومن مرد ہی مومنہ عورت کا کُفو ہوتا ہے" **العارفة لا توضع الا عند عارف** "مومنہ عورت مومن مرد کے ہی عقد میں دی جائے ۔ (الوسائل)

اور اس سلسلہ میں عمر، تعلیم اور مالی پوزیشن کو بھی بالکل نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے ۔ فتدبّر ـــــــ آج کل جو شادی بیاہ کی قدر و قیمت گھٹ گئی ہے ۔ معمولی معمولی باتوں پر طلاق و علیحدگی کی نوبت آجاتی ہے اُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس نازک معاملہ میں حزم و احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا اور واقعیات زندگی اور اس کے حقائق کا خیال نہیں رکھا جاتا ۔ بلکہ بالعموم شادیاں رومانی اور بچگانہ تصورات کی بنا پر اور نظریات کی ہم آہنگی کے بغیر محض دولت و شہرت اور ظاہری نمائش پر کر لیتے ہیں اسکے نتیجہ میں شادیاں ناکام ہوتی ہیں اور اُن کا مستقبل تاریک ہوتا ہے ۔

۵: **جہیز اور دعوتِ ولیمہ کے سلسلہ میں فضول خرچی اور اسراف سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے** اور اس طرح سادگی اور شائستگی کے ساتھ یہ فریضہ ادا کیا جائے جس طرح بانیٔ اسلامؐ نے اپنی فخر کائنات دختر نیک اختر کا فریضۂ عقدِ ازدواج ادا کیا تھا یا جس طرح حضرت امیر علیہ السلام نے جوانانِ جنت کے سردار شہزادوں کی شادی خانہ آبادی کا سادہ اسلامی طریقہ پر اہتمام کیا تھا اگر کسی شخص کو نبیؐ و علیؑ کا اسوۂ حسنہ پسند نہیں ہے تو اسے ان کا

کلمہ پڑھ کر انہیں بدنام کرنے کا کیا حق ہے؟ بلکہ

ے

بیفگن پردہ تا معلوم گردد   کہ یاراں دیگرے را می پرستند

۶:- ناچ گانا اور راگ و رنگ وغیرہ محرماتِ شرعیہ سے مکمل اجتناب لازم ہے ان غیر شرعی بلکہ غیر شریفانہ حرکات کی حرمت اور ان کی تباہ کاریوں پر آئندہ کسی مناسب مقام پر تبصرہ کیا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

عقدِ ازدواج کے معاملہ میں غلط رسوم وقیود کا تذکرہ

۱:- بہت دیر سے شادی کرنا۔ ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ لڑکی لڑکا جب ہی بالغ ہوں۔ تو ان کے والدین اور سرپرستوں کو سب سے پہلے مناسب جگہ پر ان کی شادی کا انتظام کر دینا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں ائمہ طاہرینؑ کے علاوہ خود بانیٔ اسلام کا اُسوۂ حسنہ امت کے لیے مشعلِ ہدایت ہے کہ جب ہی تماتونِ قیامت نے بلوغت کے سن و سال میں قدم رکھا تو آنحضرتؐ نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر جناب امیر المومنینؑ کے ساتھ اُن کی شادی خانہ آبادی کر دی مگر ہمارے ہاں بہت دیر سے (بالخصوص لڑکیوں کی) شادیاں کرنے کی غلط رسم جاری ہوگئی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو لڑکیاں شریف و نجیب ہوتی ہیں وہ تو زندہ درگور ہو جاتی ہیں۔

دورِ جاہلیت اور اس نام نہاد تہذیب و تمدن کے دور میں فرق صرف اس قدر ہے کہ اُس دور میں قبرستان میں اس مظلوم طبقہ کو زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ اور آج ظالم والدین کا گھر اس مظلوم گروہ کا قبرستان

ہوتا ہے۔ وہیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر وہیں سے ان کا جنازہ نکلتا ہے۔

قرآن میں ان زندہ درگور ہونے والی مظلوم لڑکیوں کی داستان خونچکاں مذکور ہے۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ ٥ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ

" زندہ درگور ہونے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم کی پاداش میں قتل کی گئی "

بعید نہیں کہ آج کی مظلوم لڑکی سے بھی خدائے عادل بروز قیامت سوال کرے کہ کس جرم کی سزا میں اُس کی زندگی تباہ کی گئی؟ اور لڑکی اپنے ظالم ماں باپ کی ان لفظوں میں شکایت کرے کہ میرا جرم اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا کہ تو نے مجھے لڑکی بنایا تھا ایسے ظالم ماں باپ کو روز رستخیز اس تیز و تند سوال کا جواب دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

اور جو لڑکیاں شریف و نجیب نہیں ہوتیں تو وہ ایسے گل کھلاتی ہیں کہ الامان والحفیظ! — ان میں سے کچھ تو اُس بازار کی زینت بن جاتی ہیں کچھ اغوا ہو جاتی ہیں اور کچھ اس بازار میں رہ کر کنواری مائیں بن جاتی ہیں۔ بھلا جس تمدن کے اندر شادی بیاہ میں اس قدر تاخیر کی جاتی ہو کہ تیس تیس چالیس چالیس سال تک لڑکے لڑکیاں غیر شادی شدہ ہوں وہاں اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے کہ انسان جنسی ہیجانات کا شکار ہو کر رہ جائے۔ اور غلط راہ روی سے بچانے کی قوت کمزور ہو جائے اور نتیجۃً پاک دامنی تار تار ہو کر رہ جائے۔

اب نوبت بایں جا رسیدہ کہ شرم و حیا اور پاکدامنی جو کبھی انسان کی زیبائش میں افزائش کر کے اس کے روحانی حسن و جمال میں چار چاند لگاتی تھی۔ مغرب میں

تو اس کا جنازہ مدت ہوئی نکل گیا تھا۔ اب رفتہ رفتہ مشرق بھی اس کی لپیٹ میں آتا جا رہا ہے اور حیاء و شرم ایک ناپسندیدہ عنصر بنتی جا رہی ہے۔

آج نوجوان اپنے گناہوں پر اتراتے ہیں اور اس طرح ایک غلطی کی وجہ سے کئی والدین کی شرافت اور عزت کا روز بروز جنازہ نکل رہا ہے۔ اور ناجائز بچوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اور اس طرح بالواسطہ دشمنانِ آلِ محمد کی تعداد بڑھ رہی ہے ؎

عاقلاں را اشارتے کافی ست

اس تاخیر کے علل و اسباب

آئیے ذیل میں دیر سے شادی کرنے کے علل و اسباب کا کھوج لگائیں کہ کن وجوہ کی بنا پر یہ خرابی جڑ پکڑ رہی ہے؟ جہاں تک ہم نے حالات کا بہ نظرِ غائر جائزہ لیا ہے، ہمیں بالعموم اس کے درج ذیل علل و اسباب معلوم ہوئے ہیں۔

۱: اپنی ہی برادری میں شادی کرنے کی غلط رسم:۔

ہندوؤں کے ساتھ طویل میل جول کی وجہ سے بدقسمتی سے مسلمان بھی ذات پات کے چکر میں پڑ گئے اور اسلام جن بتوں کو توڑنے کے لیے آیا تھا آج اُسی کے کلمہ گو اُن کی پرستش کر رہے ہیں۔ اسلام میں جس طرح افکار و عقائد کی بنیاد توحید پر رکھی گئی ہے۔ اِسی طرح اسلامی معاشرے کی بنیاد بھی وحدت پر رکھی گئی ہے۔

اسلام کی نگاہ میں انسانیت ایک بہت بڑے معاشرے کا نام ہے اور تمام افرادِ انسانی اس عالمگیر معاشرے کے اعضاء ہیں۔ بنا بریں اسلام ہر اس چیز کو ختم کرتا ہے جو اس عالمگیر انسانی معاشرے کی تشکیل میں سدِّ راہ ہو۔ وہ خواہ زبان ہو یا نسل، رنگ ہو یا وطن۔

خداوند عالم آسمان و زمین کی خلقت کی طرح رنگ و زبان کے اختلاف کو بھی اپنی قدرت کی نشانیاں تو قرار دیتا ہے (سورۂ روم آیت ۲۲) مگر ان چیزوں کو کسی پر برتری کی بنیاد قرار نہیں دیتا - بلکہ وہ تقوے و پرہیز گاری اور علم و عمل کی گرانباری کو معیار فضیلت قرار دیتا ہے -

(ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم)

(یعنی خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے بڑا مکرم و محترم وہ ہے جو سب سے بڑا متقی و پرہیز گار ہے)

ارشاد قدرت ہے

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

(اے لوگو! اس خدا کی مخالفت سے پرہیز کرو جس نے تم سب کو ایک نفس (آدم) سے پیدا کیا) (سورۂ نساء آیت ۱)

پیغمبر اسلام حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں فرماتے ہیں

" لا فضل لعربی علی عجمی ولا لہاشمی علیٰ غیر ہاشمی ولا لابیض علی اسود الا بالتقویٰ "

(کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی ہاشمی کو کسی غیر ہاشمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے اور پرہیز گاری کے ساتھ) (متفق علیہ)

کہیں فرماتے ہیں

" کلکم من آدم وآدم من تراب "

تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے -

(نعم وللسادات الکرام مقامھم لانتسابھم الی النبی والوصی علیھما السلام)

؎ الناس من جھۃ التمثال اکفاء ☆ ابوھم آدم والام حواء (دیوان حضرت امیر)

اسلام نے اسی وحدت کے ذریعہ سے تمام نوعِ انسانی کو متحد کیا ہے اور ہر قسم کے اختلاف وافتراق کی جڑ کاٹ دی ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ

(سورۂ حجرات آیت ۱۰)

"مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں میں صلح وصفائی رکھو"

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ایماندار معاشرے کے افراد مہر ومحبت کے اعتبار سے ایک بدن کی طرح ہیں جب بدن کے کسی حصہ میں تکلیف ہو تو سارے اعضاء اس سے متاثر ہوتے ہیں اور اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر اسلامی برادری کا کوئی فرد رنج والم میں گرفتار ہو تو معاشرے کے تمام افراد پر لازم ہے اُس کے دکھ میں شریک ہوں۔ اور اُس کی امداد کریں۔ (سفینۃ البحار ص ۱۳ ج ۱)

مگر آج سادات کرام کی دیکھا دیکھی ہر قوم اپنی قوم کے سوا کسی دوسری قوم میں رشتہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور بعض اوقات چونکہ قوم میں لڑکا نہیں ہوتا۔ یا ہوتا ہے مگر بہت چھوٹا۔ تو اسکی بلوغت کے انتظار میں لڑکی کی عمر تباہ ہو جاتی ہے حالانکہ شریعت مقدسہ کا حکم یہ ہے کہ

اذا جاءکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ والا تکن فتنۃ وفساد کبیر۔

(جب تم سے ایسا شخص رشتہ طلب کرے جس کا دین واخلاق پسندیدہ ہوں تو اُسے رشتہ دے دو۔ ورنہ بہت بڑا فتنہ وفساد پیدا ہوگا)

(وسائل الشیعہ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی سے ایک تومن جولاہے نے رشتہ طلب کیا اور اُس نے اُس کے جولاہے پن کی وجہ سے رشتہ دینے سے انکار کر دیا ــــــ اُس شخص نے امام کی خدمت میں شکایت کر دی امامؑ نے لڑکی کے والد کو بُلا کر (تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا) کہ اگر یہ شخص (جولاہا) اسی طرح ایمان پر مرجائے تو کیا خدا اُسے جنت میں حور العین دے گا۔

اُس شخص نے عرض کیا ہاں ، امامؑ نے فرمایا جو شخص حور العین کا کفو ہو سکتا ہے ۔کیا وہ تیری لڑکی کا کفو نہیں بن سکتا ۔ (ایضاً)

زینب بنت جحش دُختر اُمیمہ بنت عبد المطلب کا عقد زید سے ، دُلفا کا عقد جویبر سے اور ضباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب کا مقداد بن اسود سے عقد و ازدواج اسلامی اخوت و مساوات کے شاہکار ہیں۔ لیکن

" ما اکثر العبر و ما اقل الاعتبار "

کاخِ جہاں پُر است ز ذکرِ گزشتگاں
لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است

اِسلام میں اس تفریق کا بیج حضرتِ ثانی نے بویا ہے جس نے حکم دیا تھا کہ قریش تمام عرب میں تزویج کریں مگر عام عرب قریش میں تزویج نہ کریں ۔ اور عرب تمام عجم ، موالی اور غلاموں میں تزویج کریں ۔ مگر عجم ، موالی اور غلام عربوں میں تزویج نہ کریں۔

(الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ)

۲:۔ جہیز و حق مہر وغیرہ اخراجات کی کثرت و گرانباری

اکثر و بیشتر لڑکی لڑکے کی زندگی ہو سکیلے بھی تباہ ہو جاتی ہے اور اُن کا بروقت نکاح و بیاہ نہیں ہو سکتا۔ کہ لڑکی کے والدین کے پاس بھاری بھرکم جہیز دینے کے لیے رقم موجود نہیں ہوتی یا لڑکے کے والدین کے پاس بھاری بھرکم حق مہر ادا کرنے کی طاقت نہیں ہوتی یا پُر تکلف ضیافت کی قدرت نہیں ہوتی۔

اور اگر تھوڑا جہیز دیں تو برادری میں ناک کٹتی ہے یا اگر حق مہر تھوڑا مقرر کیا جائے تو چودھراہٹ میں فرق پڑتا ہے۔ اور نام و نمود میں کمی واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ اکثر اوقات یہ نکلتا ہے کہ ہر دو فریق کو قرضہ کی لعنت میں گرفتار ہونا پڑتا ہے یا گھر کا ساز و سامان فروخت کرنا پڑتا ہے یا جائداد گِروی رکھنا پڑتی ہے اور پھر ان باتوں کا خمیازہ مدت العمر بھگتنا پڑتا ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علاقوں میں لڑکی کی پیدائش کو ایک مصیبت سمجھا جاتا ہے کیونکہ بھاری بھرکم جہیز کو خاندان کی عزت کا مسئلہ سمجھ کر اور اپنے نام و نمود و نمائش کی خاطر اپنی حیثیت سے بڑھ کر اس قدر زیادہ جہیز دیتے ہیں کہ زندگی بھر قرض اور معاشی پریشانی میں گرفتار رہتے ہیں ـــــ یہ درست ہے کہ شادی کے موقع پر حدود شریعت کے اندر رہ

رہ کر خوشی کا اظہار کرنا، رشتہ داروں اور تعلق داروں کے لیے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کرنا اور خوشی کے اس موقع پر غرباء و مساکین کی امداد کرنا ایک جائز اور مناسب بلکہ سُنّت امر ہے مگر عقلمندی یہ ہے کہ کسی حال میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے اور پاؤں پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لی جائے اور جھوٹے وقار اور غلط نام و نمود کی خاطر روپیہ پیسہ برباد نہ کیا جائے اور فضول خرچی کی لعنت سے دامن کو بچایا جائے۔

اسراف اور فضول خرچی کی مذمّت :-

قرآن و حدیث اسراف و فضول خرچی کی مذمت سے لبریز نظر آتے ہیں ارشاد قدرت ہے۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین

(کھاؤ پیو۔ مگر اسراف نہ کرو۔ کیونکہ خدا اسراف کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مال درحقیقت خدا کا مال ہے اس نے بطور امانت کچھ لوگوں کے پاس رکھا ہے اور اس نے صرف میانہ روی سے خرچ کرنے کو روا رکھا ہے کہ میانہ روی سے کھائیں پئیں۔ میانہ روی سے پہنیں، میانہ روی سے نکاح کریں۔ میانہ روی سے سوار ہوں اور باقی ماندہ فقراء و مساکین مؤمنین کی اصلاح احوال پر خرچ کریں جو شخص ایسا کریگا اس کا کھانا پینا، پہننا، نکاح کرنا اور سوار ہونا حلال ہوگا۔ اور جو اس سے تجاوز کریگا تو وہ مال اس پر حرام ہوگا الخ (تفسیر برہان)

سورۂ انعام میں ہے

لا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔

(اسراف نہ کرو کیونکہ خدا اسراف کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا)

اس کی تفسیر میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک شخص کھیت کاٹتے (یا ڈھیری اٹھاتے) وقت دونوں کفِ دست سے خیرات کرے۔ یہ بھی اسراف ہے بلکہ ایک ہاتھ سے خیرات کرنی چاہیئے (تفسیر صافی)

خدا نے قرآن میں فرعون کو مسرف اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔

ان فرعون علا فی الارض وانہ لمن المسرفین (سورۂ یونس)

لاتبذر تبذیرا ۰ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین (سورۂ بنی اسرائیل)

اسراف وتبذیر کا باہمی فرق:- تبذیر بے محل خرچ کرنے کا نام ہے جبکہ اسراف برمحل مگر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ (مجمع البحرین)

خدا نے سورہ مؤمن میں اسراف کرنے والوں کو جہنمی قرار دیا ہے ارشاد فرمایا

ان المسرفین ہم اصحٰب النار (ع ۵)

(اسراف کرنے والے جہنمی ہیں)

کئی احادیث میں وارد ہے کہ چند قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی دعا قبول نہیں ہوتی اُن میں سے ایک وہ شخص ہے جس کو خدا مال و دولت عطا فرمائے اور وہ اسے فضول خرچی میں ضائع کر دے اور پھر خدا سے کہے "خدایا مجھے رزق دے" متعدد احادیث میں وارد ہے ما افتقر من اقتصد۔

"جو شخص میانہ روی وکفایت شعاری سے کام لیتا ہے وہ کبھی فقیر و

نادار نہیں ہوتا۔" (الکافی)

بلکہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو شخص میانہ روی سے کام لے گا، میں ضامن ہوں کہ وہ کبھی فقیر نہ ہوگا۔ (وسائل الشیعہ)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مومن کی تین علامتیں ہیں

(۱) صحیح اندازے کے مطابق خرچ کرنا (۲) مصیبت پر صبر کرنا (۳) دین میں سوجھ بوجھ رکھنا۔ ہے (ایضاً)

قصد در فقر و غنا از کف مدہ

عدل در قہر و رضا از کف مدہ۔ (اقبال)

خلاصہ یہ کہ فضول خرچی ایک بہت بڑی معاشرتی اور اقتصادی برائی ہے جو نہ صرف افراد کی بلکہ پوری قوم کی اقتصادی حالت پر برا اثر ڈالتی ہے اور کئی دوسری برائیوں کو جنم دیتی ہے اسلئے اس کا انسداد ضروری ہے ہم مسلمان ہیں ہمیں قیصر و کسریٰ اور دنیا کے جابر و جائر حکمرانوں کے نقشِ قدم پر نہیں بلکہ بانیٔ اسلام کے نقشِ قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(رسولِ خدا کی سیرت و کردار میں تمہارے لیے بہترین نمونہ عمل موجود ہے)

کیونکہ ع

نبی کا طرزِ زندگی منافقت کی موت ہے

لہٰذا ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ قیصر و کسریٰ نے اپنی شہزادیوں کی شادیاں کس دھوم دھام سے کیں بلکہ ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ دائی کونین نے شہزادیٔ یثرب کی شادی کس سادگی سے کی؟ اگر آنحضرتؐ چاہتے تو اپنی لختِ جگر بیٹی کو دنیا کے ریشم و دیبا کے کپڑے، دنیا بھر کے زیور اور دنیا بھر کا سامانِ آرائش و آسائش

بلکہ خاک کو اکسیر بنا کر جہیز میں دے سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ دیا تو کیا؟
(۱) ایک بستر (جس میں کپاس کی بجائے لیف خرما بھرا ہوا تھا) بچھانے کے لیے
(۲) ایک چکی آٹا پیسنے کے لیے (۳) ایک چرخہ سوت کاتنے کے لیے (۴) مٹی کے چند برتن گھر کے استعمال کے لیے (۵) چند موٹے جھوٹے کپڑے تن بدن ڈھانکنے کے لیے۔ (عاشر بحار الانوار)

کیوں؟ صرف اسلئے کہ امت کے غریب نادار لوگوں کے لیے نمونہ عمل پیش کیا جائے اور اُن کی ملبی ناک کو کٹنے سے اور اس طرح لڑکیوں کی زندگی کو تباہی و بربادی سے بچایا جائے مگر ع

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

تو اگر شہنشاہ دین و دنیا کی یہ سادہ اور مختصر جہیز دینے سے توہین نہیں ہوتی تو ہماری کیوں توہین ہوتی ہے سادہ جہیز دینے سے [1]

---

[1] مخفی نہ رہے کہ جہیز کے متعلق ہم نے ان سطور میں جو کچھ لکھا ہے کہ جہیز مختصر اور سادہ دینا چاہیے جس طرح کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی شہزادی کونین کو دیا تھا۔ یہ سطحی اور روائتی انداز فکر کا نتیجہ تھا لیکن اگر بہ نظرِ غائر اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جہیز کا سرے سے اسلام میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے متعدد شادیاں کیں مگر تاریخ میں کسی ام المومنین کا جہیز لانا نہیں ملتا۔ اور نہ ہی جناب رسول خداؐ و ائمہ ھدےٰ کا اپنی شہزادیوں کو جہیز دینا ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔ لے دے کے جناب رسول خدا رسالت مآبؐ کا اپنی خاتون جنت بیٹی

کاش کہ ہم آنحضرتؐ کی حیات طیبہ و سیرت مقدسہ کے اسی ایک پہلو کو
بھی اپنا لیتے تو معاشرہ کی ہزاروں بلکہ لاکھوں بیٹیاں ہاتھ پیلے ہونے کی حسرت
میں بوڑھی نہ ہوتیں اور اُن کے ماں باپ اس غم میں کُڑھ کُڑھ کر بیمار اور شکن
بستر نہ بنتے۔ مگر افسوس کہ جہیز اور پھر اُس کی غیر ضروری نمائش اور شادی کے
کمر توڑ اخراجات نے لاکھوں گھر تباہ کر دیئے ہیں مگر اب تو ایک اور مصیبت ہے
اور وہ یہ ہے کہ اگر لڑکی والے سادگی کا مظاہرہ کرنا بھی چاہیں تو کر نہیں سکتے
کیونکہ اب تو لڑکے والے جہیز کی فہرستیں خود مہیا کر دیتے ہیں کہ یہ یہ چیزیں ضرور
ہونی چاہییں۔

اس فہرست میں اگر بالفرض کار نہ ہو تو فریج اور ٹی وی سیٹ و ایئر
کنڈیشنز بلکہ وی سی آر تو ضروری ہوتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ع
بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی۔

(حاشیہ بقیہ از صفحہ گذشتہ)

کو مذکورہ بالا مختصر سا سامان دنیا ملتا ہے جس سے اس کے مشروع ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے
لیکن اگر اس کی حقیقت پر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں دیا تھا اور یہ جو کچھ دیا تھا یہ
مخدومہ کائنات کے حق مہر (مبلغ پانچ سو درہم) جو جناب امیر علیہ السلام نے
اپنی زرہ فروخت کر کے پیشگی ادا کر دیا تھا) کی رقم سے آنحضرتؐ نے بحیثیت
علیؑ و بتولؑ کے ولی اور سرپرست ہونے کے بی بی عالم کو اپنا نیا گھر بسانے
اور اس کی ضروریات کو پورا فرمانے کے لیے خرید کر بوقت رخصت دیدیا تھا۔ تو گویا رقم بھی
بی بی عالم کی اور سامان بھی بی بی عالم کا۔ جیسا کہ اس امر کی صراحت تمام متعلقہ روایات کے اندر

اس لیے لڑکے والوں کو بھی خوفِ خدا کرنا چاہیئے اور لڑکی والوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے۔

الغرض یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ لڑکی لڑکے کی باہمی شادی ہو، سامان وجائداد کی شادی نہ ہو جیسا کہ آجکل ایسی بعض شادیاں دیکھنے اور سُننے میں آرہی ہیں کہ دُولہا ماشاء اللہ ستر سال کا اور دُولہن چودہ[14] یا پندرہ[15] سال کی یا اس کے برعکس دُلہن ساٹھ ستر کی اور دولہا پندرہ بیس سال کا۔ کیونکہ اس عقد وازدواج سے مقصد صرف دولت وثروت کا حصول ہوتا ہے کوئی اور غرض وغایت پیشِ نظر نہیں ہوتی ع

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے ؟؟

لطف یہ ہے کہ جو لوگ تعلیم یافتہ ہیں اور ان غلط رسموں کی حماقت ونقصانات سے بھی بخوبی واقف ہیں وہ بھی انہی رسوم وقیود پر عمل کئے جاتے ہیں محض اسلئے کہ اگر انہوں نے ان فضول خرچیوں کی چھوڑ دیا تو لوگ اُن کو کنجوسی کا طعنہ دیں گے۔ حالانکہ ایک مؤمن کو راہِ حق میں کسی ملامت گو کی ملامت کی پرواہ نہیں کرنا چاہیئے۔ خدا فرماتا ہے۔

لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم

(وہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے)

۱۳۔ حق مہر مقرر کرنے میں میانہ روی کا بیان:۔

دیگر امور کی طرح زرمہر میں بھی میانہ روی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ اس کی ایسی کوئی حد ومقدار مقرر نہیں ہے جس میں کمی بیشی نہ کی جاسکتی ہو۔ بلکہ اس کا تعلق زوجین یا ان کے اولیاء کی صوابدید پر منحصر ہے (جبکہ زوجین صغیر سن ہوں یا مجنون یا مملوک ہوں) جو کم از کم

اتنا ہونا چاہیئے کہ عرف و عادت میں اسے مال کہا جاسکے۔

ہاں بعض اخبار و آثار کی بنا پر دس درہم سے کم ہو تو مکروہ ہے مگر زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ (گو اس کی مذمت وارد ہوئی ہے) مگر پاؤں پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لینی چاہیئے آخر اُسے ادا کرنا ہے ایسا نہ ہو کہ نام و نمود کی خاطر اس قدر زیادہ مقرر کیا جائے کہ جس کی ادائیگی جُوئے شیر لانے سے بھی زیادہ مشکل ہو۔

جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے کہ بعض لوگ صرف بطور نمائش کئی کئی لاکھ روپے مقرر کر دیتے ہیں مگر ادائیگی کی نیت ہی نہیں ہوتی ـــــ ایک حدیث میں ایسے نکاح کو زنا کا نام دیا گیا ہے۔ (وسائل الشیعہ)

البتہ افضل یہ ہے کہ "مہر السنۃ" مقرر کیا جائے جو کہ پانچ سو درہم ہے یہی حق مہر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مکرمات کا مقرر کیا تھا اور یہی حق مہر جناب امیرؑ نے جناب خاتونِ قیامت کا معین کیا تھا۔ اور چونکہ بنا بر تحقیق ایک درہم ساڑھے تین ماشے چاندی کا ہوتا ہے۔ اس طرح اس حق مہر کی مجموعی تعداد ساڑھے تیرہ سو ماشہ بنتی ہے۔ جو ایک سیر تین پاؤ ایک چھٹانک اور دس ماشے چاندی کے مساوی ہے لہٰذا اتنی چاندی یا اس مقدار کی رائج الوقت قیمت بطور حق مہر مقرر کرنی چاہیئے (قوانین الشریعہ)

آج اسی مہر اور شادی کے انہی ناقابل برداشت مصارف نے بعض نوجوانوں کے اندر شادی نہ کرنے کا رجحان پیدا کر دیا ہے اور وہ بے راہ روی کا شکار ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام ان چیزوں کا مخالف ہے اور وہ اس سلسلہ میں آسان سے آسان فارمولا پیش کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حق مہر ایک خالی خولی بے جان مذہبی رسم نہیں بلکہ

مہر کا اہم مقصد عورت کو کچھ معاشی تحفظ دینا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ مہر اتنا ہو کہ شوہر بآسانی ادا کر سکے مگر بدقسمتی سے تحفظ کے اس نظریہ سے غلط مطلب اخذ کرتے ہوئے اس کا مطلب یہ لیا گیا کہ مہر کی ادائیگی اس قدر مشکل بنا دی جائے کہ شوہر کبھی عورت کو طلاق نہ دے سکے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ شوہر چار یا پانچ ہزار روپے ادا کرنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا تاہم پچاس پچاس ہزار حق مہر مقرر کر دیا جاتا ہے محض اسلئے کہ وہ ادائیگی کی مشکل کے پیش نظر طلاق نہ دے سکے۔ حالانکہ اس غلط رسم کا ایک انتہائی غلط پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے بعض اوقات ازدواجی زندگی میں زہر گھل جاتا ہے۔

اور یہ زیادہ حق مہر فائدہ کی بجائے عورت کے لیے الٹا نقصان و زیان کا باعث بن جاتا ہے کیونکہ کبھی ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ خانگی... مشکلات سے گلو خلاصی کرانے کے لیے طلاق عورت کے لیے نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہو جاتی ہے مگر حق مہر کی کثرت کی وجہ سے شوہر کسی قیمت پر طلاق نہیں دیتا۔

ان حالات میں عورت کے لیے دو ہی راستے ہیں یا پھر زندگی بھر کڑھتی رہے اور مصیبت کی زندگی گزارتی رہے۔ یا پھر تمام حق مہر سے دستبردار ہو کر اور طلاق لے کر خالی ہاتھ واپس اپنے میکے جائے۔

بہر حال چونکہ ہر معاملہ میں افراط و تفریط مذموم ہوتی ہے لہذا جس طرح حق مہر میں افراط غلط ہے اسی طرح اس قدر تفریط بھی قابل مدح نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے کہ مہنگائی اور گرانی اور روپے کی بے وقعتی کے اس دور میں بھی پندرہ پچیس یا تیس یا ایک سو پانچ روپے حق مہر مقرر کیا جائے۔ اور پھر ستم

بالائے ستم یہ کہ اُسے شرعی حق مہر کا نام دیا جائے گویا کہ اس سے کم یا زیادہ مقدار غیر شرعی ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔

ابھی اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی ازداج کا حق مہر پانچ سو درہم مقرر کیا تھا۔ اور اسی طرح حضرت امیر علیہ السلام نے بھی جناب خاتونِ قیامتؑ کا حق مہر پانچ سو درہم ادا کیا تھا۔ اس لیے اسی مقدار کو "مہرالسُّنۃ" کہا جاتا ہے اگر اتنا مقرر کیا جائے تو افضل ہے ورنہ ہر شخص اپنی پوزیشن کے مطابق کم وبیش مقرر کرسکتا ہے مثلاً جن لوگوں کی مالی پوزیشن اچھی ہے اگر وہ پچیس، بتیس روپے حق مہر مقرر کریں تو جہاں یہ بات ان کے مرتبہ اور بیوی کے وقار کے خلاف ہوگی۔ وہاں اس سے بیوی کو کوئی تحفظ بھی حاصل نہ ہوسکے گا۔ جو حق مہر کا اصل مقصد ہے۔ اس لیے ہر معاملہ کی طرح یہاں بھی میانہ رَوی اچھی اور قابلِ تعریف ہے۔

وَخَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا

دعوتِ ولیمہ میں سادگی کا تذکرہ:- اسی طرح دعوتِ ولیمہ میں بھی اگر سادگی سے کام لیا جائے اور صرف سنت سمجھ کر سادہ سی دعوت کا اہتمام کیا جائے نہ کہ اپنے جاہ وجلال اور کثرتِ مال ومنال کا مظاہرہ کرنے کے لیے۔ تو یقیناً کئی معاشرتی روگوں کا تریاق ہوجائے گا۔ واللہ الموفق۔

نیز مخفی نہ رہے کہ متعدد روایات میں وارد ہے کہ ولیمہ ایک دن ہے ہاں دوسرے دن مکرمت (بزرگی ونیکی ہے) اور تیسرے دن ریاء وسمعہ ہے (خصال شیخ صدوق)

سادگی کا ایک اور فائدہ :-
طبقاتی غیر شرعی امتیازات کو مٹانے کے لیے بھی شادی کی تقریبات میں سادگی اختیار کرنا ضروری ہے اور اس کا آغاز بھی با اثر اور با ثروت لوگوں کو کرنا چاہیئے تاکہ معاشرہ پر اس کا خوشگوار اثر پڑے - اگر غریب طبقہ کریگا تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا - بلکہ لوگ یہی کہیں گے کہ یہ اسلئے ایسا کر رہا ہے کہ اخراجات کر نہیں سکتا -

۴ : زیادہ تعلیم کا کھڑاگ :-
لڑکیوں کو بقدر ضرورت دینی تعلیم دلوانا واجبات میں سے ہے مگر دنیوی تعلیم بھی فی الجملہ ممنوع نہیں ہے جائز ہے بلکہ کسی حد تک فی زمانہ ضروری بھی ہے مگر نہ اس حد تک کہ جس حد تک بعض مغرب زدہ لوگوں کو جنون ہے کہ پہلے پرائمری اسکے بعد مڈل پھر میٹرک ، میٹرک کے بعد ایف اے اور بی اے - اسکے بعد ایم اے اور ڈبل ایم اے پھر ڈاکٹریٹ (پی - ایچ ڈی) بالعموم اس ہائی تعلیم دلوانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس قدر تعلیم زیادہ ہوگی اتنا ہی زیادہ اچھی جگہ رشتہ ہوگا -

مگر عموماً نتیجہ اسکے برعکس نکلتا ہے - تقریباً بی اے کرنے تک تو مختلف مقامات سے رشتے آتے ہیں مگر ادھر سے تعلیم نامکمل ہونے کا عذر کر کے مسلسل انکار پھر جب ایم اے اور ڈبل ایم اے اور پھر مخصوص کورسز کا چکر چلتا ہے تو لبسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بال سفید ہونے لگ جاتے ہیں اور آنکھوں پر دبیز شیشوں والی عینک لگ جاتی ہے تو وہی لوگ جو پہلے سو جان سے قربان ہوتے تھے اب دُور بھاگتے ہیں اور جب ماں باپ کی آنکھیں کھلتی ہیں تو پانی سر سے اُونچا ہو چکا ہوتا ہے -

اب ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ جب لڑکی ایم اے ہے تو لڑکا ڈبل ایم۔اے یا کم از کم ایم اے تو ہونا چاہیئے اور ساتھ ہی بہت بڑا افسر بھی۔ مگر جب خوابوں کی تعبیر برعکس ظاہر ہوتی ہے تو پھر یا تو دفتر کی فائلوں سے (اگر ملازمت مل گئی) یا عام کتابوں اور رسالوں سے یا پھر گھر کی چار دیواری سے شادی ہو جاتی ہے (اگر ملازمت نہ مل سکے) یا پھر بامر مجبوری کم تعلیم یافتہ لڑکوں سے ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ اکثر و بیشتر قابل رشک نہیں ہوتا۔ بلکہ افسوسناک ہی ہوتا ہے۔

اس سے نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ کی طرح تعلیم میں بھی اعتدال کی راہ اچھی ہے اور اگر بعض حالات میں ہائی تعلیم ناگزیر ہو تو اثنائے تعلیم میں مناسب وقت پر شادی کر دینی چاہیئے یا کم از کم مناسب جگہ پر نسبت پکی کر دینی چاہیئے تاکہ بعد میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۵: ذاتی تفوّق کے غلط جذبہ کی کارفرمائی:-

زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض خاندانوں کے لوگ کسی بھی شخص کو خواہ وہ جتنے بڑے خاندان کا چشم و چراغ ہوتا تھا۔ اپنی لڑکیوں کا کفو یا ہمسر نہیں جانتے تھے

آج اس متمدن و ترقی یافتہ دور میں بھی شیطان نے بعض لوگوں کے ذہنوں میں گھونسلے بنا کر یہ انڈے دے رکھے ہیں کہ وہ بڑے لوگ ہیں کوئی اُن کا کفو و ہمسر نہیں ہے۔ اسلئے وہ اُٹھتے بیٹھتے زبان حال و مقال سے برابر یہی راگ الاپتے رہتے ہیں۔ کہ

"ما ہمچوں ما دیگرے نیست"

حالانکہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ اُن کی یہ سوچ اسلامی نہیں ہے بلکہ جاہلی ہے

اور زمانۂ جاہلیت کی باقیات سے ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ عقد نکاح میں "کفایت" شرط ہے مگر اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو عام لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم وہ ہے جو ائمہ اہل بیتؑ کے اخبار اور علماء ابرار کے انظار کے بحار میں غواصی کرنے سے واضح و آشکار ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر لڑکی مومنہ ہے تو اس کے کفو میں ایمان معتبر ہے۔ اور اگر لڑکا مومن ہے تو اس کے کفو میں صرف اسلام کافی ہے ۔۔۔ خلاصہ یہ کہ مومنہ لڑکی کا عقد صرف مومن لڑکے کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ ہاں مومن لڑکے کا عقد مومنہ و مسلمہ دونوں سے ہو سکتا ہے جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے

کہ "العارفة لا توضع الا عند عارف"

(مومنہ لڑکی صرف مومن لڑکے کے حبالۂ عقد میں دی جائے)

(کتب اربعہ)

مزید برآں لڑکے کے ذاتی اخلاق و اطوار درست اور اس کا دین و مذہب پسندیدہ ہونا چاہیئے و بس! جیسا کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا ارشاد ہے "اذا جاءکم من ترضون خلقه و دینه فزوجوه والا تفعلوه تکن فی الارض فتنة و فساد کبیر" (وسائل الشیعہ)

ہاں زیادہ سے زیادہ اگر لڑکی کے خاندان والوں کی پوزیشن اور ان کے رہن سہن اور ان کی طرز بود و ماند کے مطابق لڑکے والوں کی مالی حیثیت اور رہن سہن کا بھی کچھ لحاظ کر لیا جائے تو اس میں کوئی خاص قباحت نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا کفو وہ ہے جو عفیف و پارسا ہو۔ اور اس کے پاس لیسار ہو یعنی

کھاتا پیتا ہو محتاج نہ ہو۔ (وسائل الشیعہ)

اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اغوا و شیطان اور تلبیس ابلیس لعنۃ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ بھلا جو شخص دوسروں کی لڑکیوں سے شادی بیاہ کر سکتا ہے وہ اپنی لڑکیاں دوسروں کو کیوں نہیں دے سکتا۔؟؟

ان ھٰذا الا قسمۃ ضیزیٰ

خدائے قہار نے اسلام کے ذریعہ سے جاہلی کبر و نخوت کا خاتمہ کر دیا ہے پس سے جو مومن ہے وہ صاحب عزت و عظمت ہے اور جو کافر و مشرک ہے وہ صاحب ذلت و نکبت ہے۔

رر کائناً من کان (للّٰہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین)

اس کے علاوہ ع

جو کچھ بھی ہے وہ ثمرہ وہم و خیال ہے

رنگ و شکل اور وطن و نسل کے جن بتوں کو آج اسلام کے دعویدار اپنی دکانوں میں سجائے بیٹھے ہیں

ان کو اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے اپنی مساویانہ وعادلانہ تعلیمات سے پاش پاش کر دیا تھا۔ بانی اسلام صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے الفاظ آج بھی فضائے عالم میں گونج رہے ہیں کہ

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لھاشمی علی غیرھاشمی ولا لابیض علی اسود الا بالتقویٰ۔

یعنی کسی عربی کو کسی عجمی پہ اور کسی ہاشمی کو غیر ہاشمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پہ کوئی فضیلت نہیں سوائے تقوے و پرہیزگاری کے۔

(ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم)

اسلام تو ذات پات کی تفریق ختم کر کے اور نوعِ انسانی کو متحد کر کے ایک عالمگیر نظامِ معاشرت قائم کرنا چاہتا ہے اس نے انسانی نوع کو صرف دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) مُسلم اور (۲) غیر مُسلم

اس کے علاوہ سب تفریقیں اور تقسیمیں ختم کر دی ہیں۔

(نعم وللسادات الکرام منقامهم واکرامهم)

اور تمام کائنات کے مسلمانوں کو اسلامی و ایمانی اخوت اور بھائی چارہ کی سلک میں منسلک کر دیا ہے

(انما المؤمنون اخوۃ)

آج مسلمانوں میں بدقسمتی سے یہ ذات پات کی جو تفریق پائی جاتی ہے (اور بعض مقامات پر تو بڑی شدت سے پائی جاتی ہے) یہ سب غیر اسلامی... بالخصوص ہندوؤں کی تعلیم اور صدیوں تک اُن کے ساتھ رہنے سہنے اور ان کی تہذیب سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔ جن کے معاشرہ کی اساس ذات پات کی تفریق پر قائم ہے۔ اور انگریزوں نے بھی اپنے مخصوص مفادات کی خاطر اسی غیر اسلامی نظریہ کی آبیاری کی ہے۔

بہر حال اسلام میں برہمنوں اور راجپوتوں جیسی طبقہ بندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے لہٰذا اسلامی نقطۂ نظر سے اپنی ذات اور برادری سے باہر شادی بیاہ کرنا نہ معیوب ہے اور نہ ہی بے عزتی اور بدنامی کا باعث۔ اس تفریق کے نتیجہ میں معاشرہ میں بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں اور بہت سی بے جوڑ شادیوں کے باعث کئی زندگیاں تباہ ہوتی ہیں لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ نہ صرف اپنے قول و قرار سے بلکہ اپنے عمل و کردار سے اس تفریق کی حوصلہ شکنی کریں

تاکہ اسلامی معاشرہ اس کثافت سے پاک وصاف ہوجائے۔

اگر ڈاکٹری نقطہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو ایک ہی خاندان میں شادی بیاہ کرنے سے کئی جسمانی عارضے لاحق ہوسکتے ہیں لہٰذا اس لحاظ سے بھی خون بدلنے کی ضرورت ہے۔ نیز خاندان سے باہر مناسب جگہ رشتہ کرنا صلہ رحمی کے بھی منافی نہیں ہے جیسا کہ کچھ لوگ خیال کرتے ہیں۔

شادی بیاہ کی دوسری غلط رسموں کا بیان:-

اب ذیل میں اس سلسلہ کی بعض دوسری قبیح وشنیع رسموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن سے اہلِ اسلام وایمان کو اجتناب کرنا واجب لازم ہے کیونکہ ان سے اسلامی معاشرہ تباہ وبرباد ہورہا ہے۔

(۱) غنا وسرود:

نام نہاد اسلامی معاشرہ میں شادی بیاہ کے موقع پر جن غیر شرعی حرکات کا بے دریغ ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ان میں سرفہرست غنا وسرود اور ثقافت کے نام سے رقص وسرود کی محفلیں جمانا ہے۔ جن سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے اور بیچارہ زنا ہموار ذہن تیار رہوتا ہے۔ اولاً تو بھاری بھرکم رقمیں دیکر (جو اسراف وتبذیر ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین) گانے والے اور گانے والیاں بلوائی جاتی ہیں اور محافل رقص وسرود کا اہتمام کرکے شیطان کو خوش کیا جاتا ہے اور خدا ورسول ؐ کی لعنت مول لی جاتی ہے۔ اور ثانیاً اگر کسی وجہ سے یہ اہتمام نہ ہوسکے۔ تو پھر ریڈیو یا جنیجر پر فحش فلمی گانوں کی اس طرح بلند آواز سے ریکارڈنگ کی جاتی ہے کہ کئی محلوں تک لوگوں کی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں ——— حالانکہ شریعت مقدسہ اسلامیہ میں گانا بجانا بالکل حرام ہے اور اس کی حرمت اس طرح ذاتی اور مغلظ ہے کہ تخصیص کے

قابل بھی نہیں ہے بطور نمونہ مشتے از خروارے دو چار آیات و روایات پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) ارشاد قدرت ہے

"واجتنبوا قول الزور" (پارہ ۱۷ رکوع ۱۱ سورۂ حج)

(قولِ زور سے اجتناب (پرہیز) کرو)

اس آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ قولِ زور کی تفسیر میں روایات مستفیضہ وارد ہوئے ہیں کہ اس سے مراد غنا (گانا) ہے (کافی، تفسیر صافی، قمی اور برہان وغیرہ)

اسی طرح آیت مبارکہ "والذین لا یشہدون الزور" جس میں خداوند عالم اہلِ ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ "زور" کے مقام پہ حاضر نہیں ہوتے۔ بسندِ صحیح محمد بن مسلم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو وہاں حاضر نہیں ہوتے جہاں گانا گایا جائے (تفسیر برہان، صافی، نور الثقلین وغیرھا)

(۱) بسند صحیح زید شحام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آنجناب نے فرمایا

"بیت الغنا لا یؤمن فیہ الفجیعۃ ولا تجاب فیہ الدعوۃ ولا یدخلہ الملک"

"جس جگہ گانا گایا جائے۔ وہ جگہ ناگہانی مصیبت سے محفوظ نہیں ہوتی نہ وہاں کوئی دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی وہاں کوئی فرشتہ قدم رکھتا ہے۔" (کافی)

(۲) نیز انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا

"مجلس الغنا لا ینظر اللہ الی اھلہ"

"جس محفل و مجلس میں گناہ ارتکاب کیا جائے خدا تعالیٰ اس کے اہل کی طرف نظرِ رحمت نہیں کرتا۔" (قرب الاسناد و وسائل)

(۳) امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں
"الغناء مما اوعد اللہ علیہ النار"
(غنا اُن (کبیرہ) گناہوں میں سے ہے جن پر خدا نے جہنم کی دھمکی دی ہے)
(کافی و صافی)

الغرض اس سلسلہ کے روایات حدِ تواتر تک پہنچے ہوئے ہیں۔
"اگر در خانہ کس است یک حرف بس است"
"وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ ؛ لان العاقل یکفیہ الاشارۃ"

(۱) ایضاح :- مخفی نہ رہے کہ علماءِ محققین کی تحقیق یہ ہے کہ فقیہ کا کام صرف حکم شرعی بیان کرنا ہے مثلاً یہ کہ شراب حرام ہے
غنا حرام ہے، سود حرام ہے وغیرہ وغیرہ۔
باقی رہی اس حکم کے موضوع کی تشخیص کہ شراب کیا ہے؟ غنا کیا ہے؟
اور سود کیا ہے؟ تو یہ اُس کا کام نہیں ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں اس چیز کے جاننے والوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا ـــــ بنا بریں غنا کیا ہے؟ کس قسم کی آواز ہے؟ دیگر موضوعات کی طرح اس کی موضوع کی تعیین کے سلسلہ میں بھی عرف خاص (گانے بجانے والے لوگوں) کی طرف رجوع کیا جائے گا لہٰذا یہ لوگ جس مخصوص آواز کو راگ قرار دیں گے وہ حرام ہوگی اور اس سے اجتناب واجب ہوگا۔ (قوانین الشریعہ)

(۲) اونچے طبقہ کی روش و رفتار پر تنقید (افسران اعلیٰ اور سرمایہ دار) آج ملک کا اونچا طبقہ
ثقافت کے نام پر رقص و سرود کی محفلیں جماتا ہے اور اس کا جواز یہ پیش کرتا ہے کہ عصرِ رواں میں ہر انسان کو بہت کام کرنا پڑتا ہے اسلئے اُسے تھکاوٹ و

ثقاہت دُور کرنے کے لیے تفریح کی ضرورت ہے مگر کسے یہ نہ بھولنا چاہیے کہ یہ طبقہ مسلمان کہلاتا ہے اور اسلام میں اُسے صرف اُس تفریح کی اجازت مل سکتی ہے جو اخلاق و اسلام کے خلاف نہ ہو۔

اگر کسی محفل میں کوئی حسینہ بن سنور کر طبلے کی تھاپ پر ہیجان انگیز گیت گا رہی ہو اور سامعین کو اشاروں اور مسکراہٹوں سے گناہ کی دعوت دے رہی ہو تو کیا اسلام کا مزاج اسے گوارا کر سکتا ہے؟

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ جانتے ہوئے بھی کہ تقدیر امم کی آخری منزل طاؤس و رباب ہے" تاہم وہ اس انجام بد کی طرف سرپٹ بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اِن ثقافتی محفلوں کا ایک اور بڑا نقصان ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی بنگلوں میں رہنے کا عادی ہو جائے تو اُسے جھونپڑیوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ پلاؤ حلوہ نصیب ہو تو دال کی قدر نہیں رہتی۔ اگر آپ تفریح کے لیے ملک کی حسیناؤں کو سٹیج پر نچانے لگیں گے تو قوم کا مزاج بگڑ جائیگا اور آپ کے تمام علمی مشاغل یعنی مذاکرے، مشاعرے اور مباحثے سونے پڑ جائیں گے جب لوگ رقص و نغمہ کے عادی ہو جاتے ہیں تو پھر وہ نہ فلسفیوں کی بات سنتے ہیں اور نہ واعظ و معلم کی۔ دیگر اشیاء کی طرح قومی زندگی کے بھی مختلف مدارج ہیں بچپن، شباب، پیری ـــــــــ طاؤس و رباب کی منزل پیری میں آتی ہے لیکن جس نسل کا آغاز ہی رقص و سرود سے ہو۔ ع

آغاز ہو یہ جس کا انجام خدا جانے۔

یہی وجہ ہے کہ آج بئے خانے، رقص خانے، اور سینما آباد ہو رہے ہیں اور علم و ادب کی محفلیں اُجڑ رہی ہیں۔ (از کتاب رمز ایمان جیلانی) ان فی ذالک لآیات

لقوم یعقلون۔

۳: آلاتِ لہو ولعب کا استعمال کرنا:۔

جیساکہ ابھی اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ غنا فی نفسہٖ حرام ہے۔ اس کی حرمت کسی آلہ لہو ولعب کے ساتھ مشروط نہیں ہے مگر شادی بیاہ کے مواقع پر بالعموم یہ ہوتا ہے کہ راگ و رنگ کے ساتھ آلاتِ لہو ولعب جیسے ڈھول، طبلہ، سارنگی اور چنگ و رباب اور بینڈ باجے بھی بے تحاشا استعمال کیے جاتے ہیں۔ جس سے اس فعل حرام کی حرمت دوگنی ہو جاتی ہے۔

(۱) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا کہ حضرت آدمؑ کی وفات پر ابلیس وقابیل نے شماتت کی (خوشی منائی) اور آلاتِ لہو ولعب استعمال کیے پس اس وقت دنیا میں اس قسم کے جتنے آلات موجود ہیں جن سے لوگ لذت اندوز ہوتے ہیں وہ اسی کی یادگار ہیں۔ (کافی)

(۲) حضرت ابا جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء طاہرین کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا "میں تم کو ناچ، سننے اور ڈھول ڈھولک سے منع کرتا ہوں کیونکہ خدا نے مجھے ان چیزوں کے مٹانے کے لیے بھیجا ہے۔" (کافی۔ وسائل)

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس شخص پر خدا کسی نعمت کا انعام کرے اور وہ اس وقت مزمار (دنے) استعمال کرے تو اس نے اس نعمت کا کفران کیا ہے۔ (اصلاح الرسوم جونپوری)

کس قدر ستم ظریفی ہے کہ خدا نعمت اولاد سے نوازے۔ انہیں پروان چڑھائے پھر ان کی شادی وبیاہ کی خوشی دکھائے اور بجائے اس کے کہ اس کی

ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا جائے۔ الٹا کفرانِ نعمت کرتے ہوئے سنتِ ابلیس کا اختیار کر کے اسے خوش کیا جائے اور پھر نہ صرف یہ کہ دعوائے اسلام کیا جائے بلکہ محبت اہلِ بیتؑ کا دم بھی بھرا جائے؟

ع فلیبکِ علی الاسلام من کان باکیا ؎

ایسا کرنے والوں کو یہ حقیقت بھی ہرگز نہیں بھولنی چاہیئے کہ جو خدا کوئی نعمت دے سکتا ہے وہ کفرانِ نعمت کرنے سے واپس بھی لے سکتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ (پارہ ۱۳ سورۃ ابراہیم رکوع ۲)

(تم اگر میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو گے تو میں نعمتوں میں اضافہ کروں گا اور اگر تم نے کفرانِ نعمت کیا تو یاد رکھو میرا عذاب بڑا سخت ہے)

لہٰذا اُن لوگوں کو چاہیئے کہ خدا کے قہر و غضب کو دعوت دینے سے اجتناب کریں کیونکہ ع

سخت ہیں قدرت کی تعزیریں

(۴) امام عالی مقام فرماتے ہیں جس گھر میں شراب، طنبور، دف یا نرد ہو وہاں رحمت کے فرشتے قدم نہیں رکھتے، اور نہ ہی اس گھر والوں کی دعا قبول ہوتی ہے نیز اُن سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔

(خصال شیخ صدوق)

دعا ہے کہ خداوند عالم تمام اہلِ اسلام و ایمان کو اس لعنت سے کلی نجات عطا فرمائے۔ انہ علی کل شئی قدیر۔

۴۔ آتش بازی چھوڑنا: اس رسم بد میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اس سے اکثر و بیشتر آتش بازی چھوڑنے والوں یا دوسروں کو جان کا خطرہ رہتا ہے (جس کی شواہد موجود ہیں) اور ارشادِ قدرت ہے

لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ

(کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو)

اور دوسری خرابی یہ ہے کہ اس سے بلا مقصد مال و منال ضائع و برباد ہوتا ہے جو کہ اسراف بلکہ تبذیر کے زمرہ میں آتا ہے جو کہ بالاتفاق حرام ہے ارشا. قدرت ہے

ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین

(کہ تبذیر کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں)

لہٰذا اس رسم بد کا بھی استیصال ضروری ہے۔

(۵) گانا باندھنا (۶) گھڑا لی بھرنا، (۷) چھوٹی (گھڑے کی ڈھکنی) توڑنا۔ (۸) لوہا ہاتھ میں رکھنا (۹) سہرا باندھنا (۱۰) لڑکی والے گھر یا شہر یا محلہ کی لڑکیوں کا جمع ہو کر گانا بجانا اور فحش حرکات کرنا۔ (۱۱) کھڑے ہو کر کھانا کھانا (۱۲) شوال کے مہینے میں شادی نہ کرنا۔

یہ سب کی سب ہندوانہ رسمیں ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے ساتھ ان کا دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ بموجب ؏

ہر کفر کہ کہنہ شود مسلمانی شود

اب یہ چیزیں نام نہاد اسلامی کلچر کا حصہ بن گئی ہیں ارشاد قدرت ہے لَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ ۔ ظالموں کی طرف میلان بھی نہ کرو ۔ ورنہ تمہیں جہنم کی آگ چھوئے گی ۔

اور حدیث قدسی میں وارد ہے کہ خالق حکیم نے اپنے نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا

قل لعبادی لا تاکلوا ماآکل اعدائی ولا تلبسوا ملابس اعدائی

والا تکونوا اعدائی کما ھم اعدائی۔

(میرے بندوں سے کہو کہ میرے دشمنوں کے طریقہ پر کھانا نہ کھائیں اور میرے دشمنوں والا لباس نہ پہنیں ورنہ یہ بھی اسی طرح میرے دشمن بن جائیں گے۔ جس طرح وہ میرے دشمن ہیں) (جواہر سنیہ در احادیث قدسیہ)

اور بانیٔ اسلام فرماتے ہیں

مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ

(جو شخص اپنے آپ کو کسی قوم کے ساتھ مشابہ کرتا ہے تو وہ اسی قوم کا فرد شمار ہوتا ہے) (متفق علیہ)

لہٰذا تمام اہلِ ایمان کو بالعموم اور اُن کی نسلِ نَو کو بالخصوص چاہیے کہ توہمات اور ان پرانی رسومات کو پرکاہ کے برابر اہمیت نہ دیں اور یقین رکھیں کہ ع

وُہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

صحیح شرعی طریقہ پر شادی بیاہ کریں تاکہ ان پر یہ شعر صادق نہ آئے کہ

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود ؛ یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

بلکہ اُن کو چاہیے کہ یہ نعرۂ مستانہ لگا کر کہ

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم ؛ ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

تمام غلط رسوم کی بساط الٹ دیں تاکہ ہمیشہ کے لیے حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو جائے۔ ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارًا

خٰلِدًا فِیھَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیۡنٌ ۝

۱۳: **وٹہ سٹہ کی شادی اور اس کی خرابیاں:** اکثر مسلمان قوموں اور ہمارے ملک کے اکثر علاقوں میں وٹہ سٹہ کی شادی کی قبیح رسم جاری ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس لڑکی کے بدلے اپنے خاندان کی کسی لڑکی (بہن، بیٹی یا کسی اور رشتہ دار) کی شادی اس لڑکی کے خاندان کے کسی لڑکے (باپ، بھائی یا کسی اور رشتہ دار) سے کرے۔ اگر تو اس سلسلہ میں ان لڑکیوں کا علیحدہ کوئی حق مہر مقرر نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ اسکے بدلے اور وہ اسکے عوض ہو۔ تو اُسے شریعت کی زبان میں "عقد شغار" کہتے ہیں جو حرام ہونے کے علاوہ باطل بھی ہے اور اگر ان کا حق مہر الگ الگ مقرر کیا جائے تو گو اس صورت میں یہ عقد ازدواج حرام تو نہیں ہے مگر پھر بھی معیوب ضرور ہے۔ اور کئی قسم کی خرابیوں اور بربادیوں کا موجب ہے مثلاً اس میں یہ ہوتا ہے کہ

(الف) اس رسم بد کی وجہ سے بعض اوقات جوان یا بہت کم سن لڑکیاں بوڑھے مردوں سے بیاہ دی جاتی ہیں یا جوان عورتوں کی شادیاں کم سن بچوں سے کر دی جاتی ہیں۔ اور پھر اس قسم کی بے جوڑ شادیاں ازدواجی زندگی کو ناکام و نامراد بنانے میں جو کردار ادا کرتی ہیں وہ "عیاں را چہ بیاں" کا مصداق ہے۔

(ب) اس رسم بد کا دوسرا تاریک اور تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اس صورت میں اگر ایک شخص جائز یا ناجائز طریقہ پر اپنی بیوی سے بدسلوکی کرتا ہے یا اُسے طلاق دیدیتا ہے تو دوسرا شخص محض انتقامی طور پر اپنی بیوی سے بدسلوکی کرتا ہے یا اُسے طلاق دیکر اُس کی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے اور اگر

وہ کسی وجہ سے ایسا نہ کرے اور نہ کرنا چاہے تو گھر والوں کی طرف سے اس پر زور مطالبہ کیا جاتا ہے کہ جسے وہ ٹھکرا نہیں سکتا۔

الغرض اس غلط رسم کی وجہ سے دونوں لڑکیوں کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔

(ج) اور پھر اس طرح دو خاندانوں میں ایسی مستقل دشمنی کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ اس لیئے اس رسم بد کا استیصال ضروری ہے۔ بلکہ لڑکیوں اور لڑکوں کے رشتے وٹے سٹے کے بغیر مناسب و موزوں مقامات پر کر دینے چاہئیں۔

(واللہ الموفق)

(۱۴) قیمت لیکر بیٹی یا بہن کی شادی کرنا:-

بعض قبائل میں زمانہ جاہلیت کی یہ قبیح رسم اب تک جاری ہے کہ اگر کوئی رشتہ کے بدلے رشتہ نہ دے سکے تو پھر اسے اپنی بہن بیٹی کی قیمت وصول کی جاتی ہے جو لڑکی لڑکے کی عمر اور شکل و صورت وغیرہ دیگر خصوصیات کو مدنظر رکھ کر کم و بیش ہوتی ہے مثلاً جوان لڑکا جوان لڑکی سے شادی کرنا چاہے تو قیمت کم ہو گی اور اگر زیادہ عمر کا مرد کسی جوان دوشیزہ سے شادی کرنا چاہے تو قیمت زیادہ ادا کرنا پڑے گی۔

وعلیٰ ہٰذا القیاس! خوبصورت لڑکی کی زیادہ اور بدصورت کی کم اور لڑکے میں اس کے برعکس قیمت ادا کرنا پڑتی ہے ــــ اسی طرح اس کے باکرہ یا بیوہ یا مطلقہ ہونے کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس کی قیمت کا تعین کیا جاتا ہے۔

حالانکہ شرعی نقطہ نظر سے آزاد مرد اور آزاد عورت کی خرید و فروخت

مطلقاً حرام ہے لہٰذا اسلام کے دعویدار اور ایمان کے علمبردار کے لیے اس بُری رسم سے اجتناب کرنا لازم ہے اسی طرح لڑکے والوں سے لڑکی کی شادی کا خرچہ وصول کرنا بھی معیوب رسم ہے جو بعض علاقوں میں جاری ہے۔ جو بالکل نامناسب ہے کیونکہ اس سے جہاں لڑکی والوں کی کمینگی ظاہر ہوتی ہے وہاں لڑکے پر بہت زیادہ بوجھ بھی پڑتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکی ایک زرخرید لونڈی سمجھی جاتی ہے اور بیوی شوہر کی لونڈی بن کر رہ جاتی ہے۔ جس کا انجام بد یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کا شوہر مرجائے تو اُس کی بیوہ کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ متوفی کے بھائی سے لازماً شادی کرے۔

اس طرح متوفی کی دوسری جائیداد کی طرح اس کی بیوہ بھی اس کے وارثوں کو مل جاتی ہے۔ اور اگر متوفی کا کوئی بھائی نہ ہو تو پھر اسے کسی اور کے حبالہ عقد میں دیکر اس سے اپنی ادا کردہ قیمت وصول کر لی جاتی ہے۔ یہ ہے اس رسمِ بد کا بدانجام اور وہ تھا آغاز۔ جسے ”ولور“ کہا جاتا ہے لہٰذا اس رسم بد کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔

(۱۵) قرآن سے شادی کرنا

ذات پات کی غیر شرعی تقسیم اور اپنی ہی ذات میں شادی کرنے میں حد سے زیادہ شدت اور مبالغہ آرائی کے غلط نتائج اور بُرے ثمرات کی بدترین مثال قرآن سے شادی کرنے کی رسم بد ہے جو سندھ کے بعض خاندانوں میں جاری ہے کہ اگر انہیں اپنی ذات میں کوئی اچھا لڑکا نہیں ملتا تو پھر اس لڑکی کی شادی قرآن سے کر دیتے ہیں یعنی اُسے باقاعدہ طور پر دلہن بنا کر اور اس کے ہاتھ میں قرآن تھما کر اسے کہتے ہیں کہ بس تمہاری شادی اب قرآن سے ہوگئی

اپنی عزت و ناموس کی حفاظت تمہارا فرض ہے اس احمقانہ اور جاہلانہ رسم کا ایک تاریک ترین پہلو یہ بھی ہے کہ اگر اس فرضی شادی کے بعد کوئی موزوں و مناسب رشتہ مل بھی جائے تب بھی اس لڑکی کی شادی نہیں ہو سکتی کیونکہ قرآن سے شادی کرنے کے بعد اب کسی انسان سے شادی کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس رسم بد میں توہین قرآن کے علاوہ لڑکی پر وہ سخت ظلم ہے کہ جس کی اسلام کسی طرح بھی اجازت نہیں دیتا ؎

بدیں عقل و دانش بباید گریست۔

۱۶: غیر مشروط تعدد ازواج:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام نے مرد کو مخصوص حکم و مصالح اور مختلف علل و اسباب کے تحت بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے مگر اس کو عدل و انصاف کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے وضاحت کر دی ہے کہ (وان لم تعدلوا فواحدۃً) کہ اگر عدل و انصاف نہ کر سکو تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض نیم مذہبی، کم تعلیم یافتہ طبقوں اور بالخصوص بعض زمینداروں اور ہوس پرست امیروں نے اس شرط کو نظر انداز کر کے تعدد ازواج کو محبوب مشغلہ بنا لیا ہے اور پھر ہوتا یہ ہے کہ ایک آدھ کو حریم دل میں جگہ دے کر دنیا و مافیہا کی خوشیاں اور نعمتیں اس کی گود میں ڈال دی جاتی ہیں اور دوسری بیویوں کے حقوق پامال کر کے ان کو صرف اپنی بدقسمتی پر رونے دھونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے نہ اُن کو طلاق دے کر فارغ کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں وہ اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں اور نہ اُن کے حقوق ادا کرتے ہیں کہ وہ اسکو ضروری نہیں جانتے اور چونکہ یہ لوگ معاشرہ میں بااثر ہوتے ہیں اسلیئے اگر اس طبقہ میں کوئی برائی پائی جائے تو اسکے نتائج اور اثرات دُور رس

ہوتے ہیں۔ اس بلا وجہ اور بلا عدل تعدّدِ ازواج نے عام عورتوں کو اسلام سے اس قدر بدگمان کر دیا ہے کہ اگر نفاذِ اسلام کی بات کی جائے تو وہ اس سے بدکتی ہیں۔ حالانکہ اس سلسلہ میں جو کچھ قصور ہے وہ مسلمان کہلانے والے مردوں کا ہے اسلام کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔

۱۷: حرم رکھنا: تعدّدِ ازواج کی مشروط اجازت کو مردوں کے اپنا غیر مشروط حق سمجھ لینے کے نتیجہ میں معاشرے میں جو معاشرتی برائیاں پیدا ہوئیں ان میں حرم رکھنے کا رواج بھی ہے اُمراء کئی کئی شادیاں کرنا اپنی دولت و امارت کی علامت سمجھتے ہی تھے مگر اب تو نوبت بایں جا رسیدہ کہ عرب ممالک کے بعض حکمران اور ہمارے پاکستان کے صوبہ سندھ کے بعض وڈیرے صرف چار شادیوں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ روپیہ دے کر بعض قبیلوں سے عورتیں خرید لیتے ہیں اور ان کو حرم میں داخل کر لیتے ہیں۔ اور بیویوں کی طرح ان سے تمتّع حاصل کرنا اپنا نہ صرف حق سمجھتے ہیں بلکہ اپنی شانِ امارت کے اظہار کے لیے حرم رکھنا ضروری خیال کرتے ہیں جو کہ کھلم کھلا شریعت سے بغاوت ہے اور علانیہ زناکاری ہے۔

مگر اسے دولت کی کرشمہ سازی سمجھیے کہ جس نے اس بدترین برائی کو جواز کی سند دے رکھی ہے۔ ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اہلِ علم کا فرض ہے کہ وہ قلم و زبان سے اور اہلِ قوت طاقت تیر و سنان سے اس رسمِ بد کے خاتمہ کے لیے میدان میں نکل آئیں اور اُس وقت تک آرام و اطمینان کا سانس نہ لیں جب تک اس خلاف شریعت رسمِ بد کو بیخ و بُن سے اکھیڑ نہ دیں۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم۔

۱۸: بچپن کی منگنی یہ درست ہے کہ شریعت مقدسہ نے ولی شرعی (باپ دادا) کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ان کے بچپن کی حالت میں منگنی بلکہ ان کا نکاح بھی کر سکتا ہے۔ مگر عام لوگوں نے زندگی کے عام معمولات کی طرح اس سلسلہ میں بھی افراط و تفریط سے کام لیا ہے بعض لوگ تو عائلی قوانین کے تحت نابالغی کی منگنی اور نکاح کو جائز ہی نہیں جانتے۔ اور بعض اس کے جواز میں اس قدر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں کہ وہ اس کو اپنی عزت و وقار کا مسئلہ سمجھ لیتے ہیں۔ اور اسکے توڑنے کو گناہ کبیرہ جانتے ہیں اور پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ منگنی کرتے وقت بالعموم لڑکی لڑکے کی عمر کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا مثلاً لڑکی بالکل چھوٹی ہے اور لڑکا بڑا یا لڑکی بڑی ہے اور لڑکا بالکل چھوٹا۔ پھر بعد میں اسکے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ عیاں راچہ بیاں کے مصداق ہیں۔

اب بعض علاقوں میں اس منگنی کی یہ اہمیت ہے کہ اگر کوئی لڑکا یا لڑکی شادی سے پہلے مر بھی جائے تو لڑکی کی بہن یا لڑکے کے بھائی سے منگنی کر دی جاتی ہے اگرچہ وہ انمل بے جوڑ ہو۔ کیونکہ اگر ان کی منگیتر کسی اور گھر میں بیاہ دی جائے تو اس میں وہ اپنی بے عزتی خیال کرتے ہیں۔

اور سندھ کے بعض علاقوں میں تو یہ جاہلانہ رسم جاری ہے کہ اگر منگنی کے دوران لڑکے کا انتقال ہو جائے تو اُس کی منگیتر بن بیاہی بیوہ بن جاتی ہے اور پھر وہ عمر بھر عقد ثانی کرنے کی روادار نہیں رہتی۔ اس سے بڑھ کر لڑکی پر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے؟

بچپن کی منگنی میں ہوتا یہ ہے کہ کہیں عمر کا اختلاف، کہیں طبیعت کا اختلاف کہیں تعلیم کا اختلاف (لڑکا ایم اے اور لڑکی کوری جاہل یا اس کے برعکس لڑکی

بی-اے اور لڑکا علم کی ابجد سے نابلد)

لہٰذا ان حالات میں جو شادیاں ہوتی ہیں وہ اکثر ناکام ہوتی ہیں اور پھر اس سے صرف دو شخصوں کی زندگیاں ہی متاثر نہیں ہوتیں۔ بلکہ دو خاندانوں کے تعلقات پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے انسب یہ ہے کہ اولیاء اپنا یہ شرعی حق استعمال نہ کریں اور بچپن میں اولاد کی منگنی کرنے سے گریز کریں بلکہ ان کے سنِ بلوغت میں قدم رکھنے کے بعد تمام حالات و کوائف کا مکمل جائزہ لینے نیز اولاد کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد اُن کے عقدِ ازدواج کا فیصلہ کریں ۔۔۔ اور اگر بالفرض بچپن میں منگنی کر بھی دیں اور بعد میں مذکورۂ بالا وجوہ میں سے کسی وجہ سے حالات ناخوشگوار ہو جائیں تو بلا جھجک اس منگنی کو توڑ دیں اور اس طرح اولاد کی زندگی میں زہر نہ گھولیں۔ بلکہ انکی زندگیوں کو تلخیوں اور ناکامیوں سے نکال کر ان پر اور خود اپنے اوپر رحم کریں۔

اس منگنی سے متعلقہ بعض غلط رسمیں: پھر اس منگنی پر خاصا اسراف کیا جاتا ہے۔ طرفین سے دھوتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور گراں قیمت تحفوں کا تبادلہ ہوتا ہے اور بعض ترقی یافتہ گھرانوں میں تو یہ رسم بھی ہے کہ منگنی کے بعد (نکاح سے پہلے) لڑکی لڑکا آپس میں آزادانہ طور پر ملنے لگتے ہیں جس سے کئی دینی و معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اگر ایسا کرنا ہو تو کم از کم منگنی کے ساتھ نکاح بھی پڑھ لیں تاکہ شرعاً ان کا میل ملاپ اور باہمی اختلاط تو جائز ہو جائے۔

(وما علینا الا البلاغ)

(۱۹) مانجھا بٹھانا (۲۰) گالا کی رسم (۲۱) وڑ اور سنبھال (۲۲) دیل-(۲۳) مائیاں بٹھانا (یعنی حبس بے جا) (۲۴) چول (۲۵) میل (۲۶) کھارا (۲۷) نیوندرا (۲۸)

سہرا زنا (۲۹) واگ پھڑائی (۳۰) بدیا و راسوئی (۳۱) نانک وانی (۳۲) دُلہن کی رُونمائی (منہ دکھلائی) (۳۳) آرسی مصحف (۳۴) دولہا کا سلامی لینا اور نامحرموں سے بے پردگی اور بے حیائی کی باتیں کرنا (۳۵) نوشہ کو گھر بُلانا اور چوکی پر کھڑا کر کے دھانیاں کا حق لینا (۳۶) برات کا اہتمام (۳۷) برات کی روانگی سے پہلے دولہا کا کسی مشہور قبر یا کسی متبرک جگہ پر حاضری دینا اور چڑھاوا چڑھانا (۳۸) مُکلاوا (۳۹) بن بُلائے برات اور کھانے میں شامل ہونا (۴۰) دُلہن کی رخصتی کے وقت دُلہن کو پالکی یا ڈولی میں بٹھا کر بڑے اہتمام سے باپ بھائی کو بُلا کر ہاتھ کھینچنا اور اس موقع پر عورتوں کا رونا (۴۱) سسرال پہنچ کر دلہن کا پلّو کھینچنا اور حسبِ خواہش مطالبہ پورا کرانا (۴۲) دولہا والوں سے کمیوں کا حق لینا (۴۳) دولہا والوں سے برادری کا کھانا لینا (۴۴) سسرال پہنچنے پر بہو کی گود میں بچہ بٹھانا وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب غیر اسلامی رسمیں ہیں جن کی ادائیگی پر نہ صرف یہ کہ وقت کا ضیاع ہوتا ہے بلکہ دولت کا بھی ضیاع ہوتا ہے اسلئے جتنا جلد ممکن ہو ان فضول رسموں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیئے۔ تاکہ ہماری شادیاں شرع شریف کے عین مطابق انجام پا سکیں اور ہر قسم کے غلط رسم و رواج سے منزہ اور مبرا ہو جائیں کیونکہ ؎

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم ؛ ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

بہر نوع ؎

گر نیاید بگوشِ حقیقت کس ؛ بر رسولاں بلاغ باشد و بس

۴۵: متحرک فلمیں بنانا: اسراف بلکہ تبذیر کی ایک شکل متحرک فلمیں (مووی) اور فوٹو ہیں جو متمول گھرانوں میں شادی کی جزءِ لاینفک سمجھی جاتی ہیں اور اُن کے البم تیار کر کے دونوں گھر ایک دوسرے کو پیش کرتے

ہیں۔ اس رسم بد میں قطع نظر فوٹو گرافی کے جواز و عدمِ جواز کے سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ اس میں دلہن اور اس کے خاندان کی دوسری خواتین اور سہیلیوں کے اسی طرح دولہا اور اُس کی رشتہ دار خواتین اور مردوں کے فوٹو بھی لئے جاتے ہیں۔ جن کو سب محرم اور نامحرم دیکھتے ہیں اور پھر یہ فوٹو گرافر بھی بالعموم مرد ہوتے ہیں جو عورتوں کے مجمع میں گھُستے ہوتے ہیں جو نہ صرف باعثِ ننگ و عار بات ہے بلکہ کھُلی ہوئی بے غیرتی ہے۔ جس سے اجتناب لازم ہے۔

۴۶: آرائش جمال میں اسراف:-

اسلام میں جو کہ دینِ فطرت ہے زیب و زینت اور آرائش حرام نہیں ہے بلکہ بعض مقامات پر مستحسن ہے مگر ایک تو محل بے محل کا لحاظ ضروری ہے۔ دوسرے ہر چیز کی طرح یہاں بھی اعتدال ضروری ہے مگر عصرِ جدید کی تہذیب نو نے اس کو نئی نئی شکلوں میں پیش کرکے نسل نو کو تباہ کر دیا ہے اور پھر ستم یہ ہے کہ اس سامانِ آرائش میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو عبادت خدا بالخصوص طہارت اور نماز میں خلل انداز ہیں جیسے ناخن پالش کہ اس کی موجودگی میں نہ وضو درست ہے اور نہ غسل کیونکہ وہ جرم دار ہے (جو پانی کو جسم تک نہیں پہنچنے دیتی) اور ظاہر ہے کہ اگر وضو و غسل غلط ہو جائے تو اس سے نماز رخصت ہو جاتی ہے۔

پھر بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے اجزاء ترکیبی میں "الکحل" جیسی اشیاء شامل ہیں جو بنا بر مشہور نشہ آور ہونے کی وجہ سے نجس بھی ہے اور حرام بھی اور یہی حال ہونٹ پالش وغیرہ کا ہے اس کا دوسرا غلط پہلو یہ ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے عورت اپنی زینت کو صرف شوہر یا اپنے محارم پر ظاہر کر سکتی ہے مگر تہذیب جدید نے یہ اسلامی اقدار اس طرح بدل دیے ہیں کہ اب تو عورتیں بناؤ سنگار

کرتی ہیں نامحرموں کو دکھلانے کے لیے ہیں جو قطعاً خلاف شریعت ہے۔ پھر شادی بیاہ میں صرف یہی نہیں کہ اس سے دولہا کے لباس اور سہرا بندی اور دُلہن کی آرائش پر بے دریغ دولت لٹائی جاتی ہے۔ اور صرف دو خاندان متاثر ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام عورتیں اور لڑکیاں جو اس تقریب میں شامل ہوتی ہیں وہ بھی اپنی آرائش، نئے لباس کی تیاری، بالوں کے بنوانے کٹوانے پر پانی کی طرح روپیہ بہاتی ہیں اور اپنے والدین یا شوہروں کی مالی حالت کا بھی لحاظ نہیں کرتیں۔

اب تو مغربی تہذیب کی تقلید وبا کی طرح اس طرح پھیل رہی ہے کہ کنواری لڑکیاں بھی شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر شادی شدہ عورتوں کی طرح آرائشِ جمال کی چیزیں استعمال کر رہی ہیں۔

الغرض! جدید تہذیب نے مشرقی اور اسلامی قدروں کو بالکل پامال کر دیا ہے۔ لہٰذا اس رجحان کی حوصلہ شکنی ضروری ہے تاکہ معاشرہ کو مزید تباہی سے بچایا جا سکے نیز یہ رنگ برنگے قیمتی دعوت نامے بھی اُسی اسراف کے زُمرے میں آتے ہیں جبکہ یہ کام سادہ دعوت ناموں سے بھی لیا جا سکتا ہے

(واللہ الموفّق)

شادی بیاہ کے موقع پر بعض مستحسن امور کا تذکرہ

(۱) نوشاہ کا لباس فاخرہ پہننا :-

متعدد اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے شادیوں کے موقع پر لال نیلے اور پیلے الغرض رنگ برنگے لباس زیب بدن کیئے ہیں اور لوگوں کے تعجب کرنے یا سوال کرنے پر فرمایا کہ ہم نے تازہ شادی کی ہے۔ (وسائل الشیعہ، بحار الانوار وغیرہ)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خوشی کے اس موقع پر دولہا کے لیے لباس فاخرہ پہننا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحسن بھی ہے — بعض آثار میں مرد کو اپنی بیوی کے لیے اسی طرح زینت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس طرح بیوی کو شوہر کے لیے زینت کرنے کا حکم ہے بشرطیکہ وہ زینت ایسی نہ ہو جو مرد کے لیے حرام ہے جیسے ریشم کے کپڑے اور سونے کی انگوٹھی وغیرہ۔

۲:- دلہن کو بنانا سنوارنا :-

یہ بات بھی شرعاً درست ہے کہ دلہن کو بنایا سنوارا جائے، ، سے عطریات لگائے جائیں اور قیمتی لباس پہنایا جائے۔

الغرض اسے ہر قسم کی زیب و زینت سے آراستہ کیا جائے چنانچہ متعدد روایات میں وارد ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم سے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی شادی خانہ آبادی کے مقدس موقع پر ایسا کیا گیا تھا۔ (عاشر بحار وغیرہ)

۳:۔ اپنی قوم و قبیلہ کی اور دیگر عورتوں کا دُلہن کے پاس جمع ہونا

رُخصتی سے پہلے اور رخصتی کے وقت عورتوں کا دُلہن کے پاس جمع ہو کر خوشی کا اظہار کرنا، مُختصر یہ رجز پڑھنا، اور خدائے عز و جل کی کبریائی بیان کرنا اور اسکی حمد و ثنا کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ ایسا کوئی کلام نہ کریں جس سے خدا ناراض ہو جیسا کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ نے جناب سیدہ کی شادی کے وقت دختران عبد المطلب اور زنان مہاجرین و انصار کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا (وسائل وغیرہ)

۴:۔ حجلہ عروسی کو آراستہ کرنا۔ اس بات کا جواز بھی اسوہ رسولؐ سے ثابت ہے کہ اُن کے حکم کے مطابق جناب سیدہؑ کی عروسی کے وقت ایسا کیا گیا تھا۔ (عاشو بحار وغیرہ)

۵:۔ دولہا دُلہن کو مہندی لگانا: گو اس موقع پر اس کا کوئی خصوصی حکم تو نہیں ہے مگر عام حالات میں ائمہ اطہار کا مہندی لگانا ثابت ہے اور احادیث میں اسکی فضائل و فوائد بھی مذکور ہیں لہٰذا اگر شادی کے موقع پہ بھی مہندی لگائی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی زینت ہے جو اس تقریب سعید کے موقع پر شرعاً مرغوب ہے مگر آج کل بظاہر چونکہ رسم کو اس قدر غلط رنگ میں رنگ دیا گیا ہے کہ وہ اسراف کے زمرہ میں آجاتی ہے اور اس تقریب کی ادائیگی پر مالدار طبقہ اس قدر دولت برباد کرتا ہے جس سے ایک غریب بلکہ متوسط گھرانے کی بیٹی کی شادی ہو سکتی ہے اس طرح یہ رسم اب ان رسوم میں داخل ہو گئی ہے جن کا قلع قمع کرنا عین منشائے اسلام ہے۔

۶:۔ دُلہن پر نثار کرنا:۔ کھجور یا بادام وغیرہ یا روپیہ پیسہ جو دلہن پہ نثار کیا جاتا ہے اگرچہ اسکے جواز و عدمِ جواز کے متعلق فقہاء میں فی الجملہ اختلاف ہے مگر بعض آثار سے اس کا جواز مترشح ہوتا ہے (عاشر بحار الانوار)

بہرحال اس موقع پر بطور صدقہ و خیرات غرباء و مساکین کو حسبِ توفیق کچھ دینا پسندیدہ فعل ہے اور خدا و رسولؐ اور ائمہ ھدیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔

۷: مردوں عورتوں کے لیے دعوتِ ولیمہ کرنا:۔ یہ چیز نہ صرف جائز ہے بلکہ پانچ مقامات پر دعوت ولیمہ مستحب ہے ان میں سے ایک مقام شادی بیاہ ہے ——— اور یہ دعوت ولیمہ ایک دن سُنت دوسرے دن مکرمت اور اس کے بعد ریاکاری ہے (خصال شیخ صدوقؒ)

۸: مبارکباد دینا:۔ اس تقریب سعید کے موقع پر مبارک باد پیش کرنا۔ اور زوجین کے لئے خیر و برکت میں اضافہ و ازدیاد کی دعا کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ سُنت ہے۔ (وسائل الشیعہ)

خداوند عالم تمام اہلِ ایمان کو ایسے مواقع ہمیشہ نصیب کرے اور مبارک و مسعود فرمائے ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ع رحم اللہ من قال آمینا آمین یارب العلمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرینؑ۔

وضاحت: باقی رہیں عقد و ازدواج کی باقی تفصیلات کہ کس قسم کی عورتوں سے شادی کرنی چاہیئے اور کس سے نہیں؟

صغیر و کبیر کے عقد کے احکام کیا ہیں؟

صیغہ ہائے عقد کی تفصیل کیا ہے؟ حقوق الزوجین کیا ہیں؟ زفاف و

رت کے احکام وآداب کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ
یہ باتیں معلوم کرنے کے لیے اس قسم کے سنن وآداب والی مخصوص کتابوں
جیسے علامہ مجلسی کی حلیۃ المتقین یا فاضل مامقانی کی سراج الشیعہ وغیرہ
یا اس احقر الانام کی قوانین الشریعۃ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔۔۔
اس مختصر کتاب اصلاح الرسوم میں ان تفصیلات کی گنجائش ہے اور نہ ہی
کتاب کا موضوع ان تفصیلات کے بیان کرنے کی اجازت دیتا ہے کما لایخفی

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیہا۔

چھٹا باب

اُن غلط رسموں کا بیان جو ولادت اولاد سے متعلق میں۔

شادی خانہ آبادی کے بعد ہر جوڑے اور اسکے لواحقین کی یہ دلی آرزو ہوتی ہے کہ خداوند عالم انہیں دولتِ اولاد سے (بالخصوص اولادِ نرینہ) کی نعمت سے نوازے یہ وہ جائز اور فطری خواہش ہے۔ کہ انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین بھی اس سے مستثنٰی نظر نہیں آتے۔ بلکہ وہ بھی اپنے حقیقی مالک و خالق کی بارگاہ میں گڑگڑا کر حصولِ اولاد کی دعائیں مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّاَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ

اور حقیقت الامر بھی یہی ہے کہ اولاد (بالخصوص اگر صالح ہو تو) منعم حقیقی کی بڑی نعمت ہے۔ زندگانیٔ دنیا کی زینت۔ ... اس کی چمک دمک گھر کا سکون اور اسکی رونق اولاد کے وجود سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا

جس گھر میں اولاد نہیں ہے وہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے کوئی چراغ نہیں ہے۔ خداوند عالم تمام اہلِ ایمان کو یہ دولت نصیب فرمائے مگر اتنی بڑی دولت کے عطیہ پر بجائے اس کے کہ واہب العطایا کا شکر ادا کیا جائے

تاکہ وہ اس عطا و بخشش میں مزید اضافہ فرمائے (جیساکہ اس کا وعدہ ہے لئن شکرتم لازیدنکم) بالعموم ہوتا یہ ہے کہ ایسے مواقع پر الٹا کفرانِ نعمت کرکے خالق کو ناراض اور اسکے ازلی دشمن شیطان کو خوش کیا جاتا ہے اس تقریبِ سعید میں گوناگوں قسم کی ایسی غلط رسمیں انجام دی جاتی ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مگر قبل اس کے کہ ان غلط رسموں کا تذکرہ کرکے ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کی جائے۔ انسب یہ ہے کہ حسبِ سابق یہاں بھی پہلے ان مستحب امور کا تذکرہ کردیا جائے جو نعمت اولاد ملنے پر بجالانے چاہییں اور اور وہ یہ ہیں۔

ولادتِ اولاد کے بعد امورِ مسنونہ کا بیان

(۱) ولادت کے بعد مولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے تاکہ ایک تو بچے کے تحت الشعور میں عقائد حقہ راسخ ہو جائیں اور دوسرے وہ اس کی برکت سے شرِ شیطان سے محفوظ رہے۔

(۲) نہر فرات کے اس پانی جس میں خاکِ شفا کی آمیزش ہو مولود کا تالو ابھارا جائے اور اگر آبِ فرات نہ ملے تو پھر آبِ باران سے یا کسی بھی ایسے خالص پانی سے جس میں کھجور یا شہد کی آمیزش ہو ابھارا جائے کہ اس عمل کی برکت سے بچہ محب اہلِ بیت ہوگا اس عمل کو "گھٹی" دینا کہتے ہیں۔

(۳) مولود کو غسلِ ولادت دیا جائے تاکہ اسے نظافت و نزاہت حاصل ہو۔

(۴) ولادت کے بعد کوئی عمدہ سا نام تجویز کیا جائے روایات اہلِ بیت

کے مطابق افضل الاسماء وہ ہیں جن سے خالق کی معبودیت اور اپنی بندگی ظاہر ہوتی ہو جیسے عبداللہ، عبدالخالق عبدالرزاق وعبدالحکیم وغیرہ - اور اصدق الاسماء وہ ہیں جو انبیاء و ائمہ کے نام پر ہوں

ایضاح: مخفی نہ رہے کہ سنت یہ ہے کہ ہنوز بچہ شکم مادر میں ہو تو اس کا کوئی مشترکہ سا نام رکھ دیا جائے جو لڑکی اور لڑکے دونوں پر چسپاں ہو سکے اور کسی لاحقہ سے مخصوص ہو جاتے۔

جیسے شمیم، نسیم، کریم، منور اور مصور اور حشمت و شفقت و فرحت وغیرہ تاکہ اگر بچہ ساقط بھی ہو جائے تو بے نام نہ ہو - ہاں البتہ ولادت کے ساتویں دن یہ نام تبدیل بھی کیا جاسکتا ہے۔

(۵) مولود کی ولادت پر ہدیہ مبارک باد پیش کیا جائے جس میں واہب کے شکریہ کے ساتھ موہوب کے بابرکت ہونے کی دعا کی جائے۔

ساتویں دن کے مستحبات: (۱) باضابطہ طور پر سابقہ طریقۂ کار کے مطابق نام رکھا جائے۔

(۲) مولود کا سر منڈوایا جائے اور حسبِ توفیق بالوں کو سونا یا چاندی سے تول کر وہ سونا یا چاندی بطور صدقہ غربا کو دیا جائے۔

(۳) **عقیقہ کیا جائے:** افضل یہ ہے کہ عقیقہ کے جانور میں قربانی والے جانور کے شرائط کو مدنظر رکھا جائے اور بعض اخبار کے مطابق بہتر یہ ہے کہ نر کے لیے نر اور مادہ کے لیے مادہ جانور ذبح کیا جائے۔ اور گوشت تقسیم کرنے کی بجائے افضل یہ ہے کہ گوشت پکا کر اور کم از کم دس اہل ایمان کو کھلایا جائے البتہ جس قدر زیادہ ہوں زیادہ بہتر ہے۔

۴: ختنہ کیا جائے: اور اگر کسی وجہ سے اس دن اس کا اہتمام نہ کیا جاسکے تو بلوغت تک شرعی ولی پر ختنہ کا انتظام کرنا مستحب ہے اور بلوغت کے بعد خود مکلّف پر واجب ہے۔

۵: ختنہ کے موقع پر پھر ضیافت کا اہتمام کرنا سنت ہے جو کہ ایک دن سنت دو دن مکرمت اور تیسرے دن ریا و سمعہ ہے۔ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ "ولیمہ" پانچ چیزوں میں ہے۔

(۱) شادی کے وقت (۲) ولادت (عقیقہ) کے وقت (۳) ختنہ کے وقت (۴) نیا مکان بنانے یا خریدتے وقت (۵) سفرِ حج سے واپسی کے وقت۔ (خصائل صدوق و وسائل الشیعہ وغیرہ)

لہٰذا بطورِ شکرانۂ نعمت ایزدی اس مقام پر دعوت کا اہتمام کر کے ایمانی برادری کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا چاہیئے۔ اور ہر دعوت میں غرباء و مساکین کو مقدم سمجھنا چاہیئے۔ تاکہ جن کو گھر گوشت میسّر نہیں ہوتا اس بہانے انکو گوشت کھانے کا موقع مل جائے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس قسم کی ضیافتوں کے اہتمام سے جہاں اہلِ ایمان کے درمیان مہر و محبت کے رشتہ کو بڑھانا مطلوب ہوتا ہے وہاں سب سے زیادہ غرباء و مساکین کی شکم پُری کرنا مقصود ہوتی ہے۔

جیسا کہ ان موضوعات پر نگاہ رکھنے والے بالغ النظر حضرات پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے نیز دعوت ولیمہ میں اپنی استطاعت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر استطاعت نہ ہو تو قرضہ لے کر ولیمہ کرنا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ بلکہ اگر استطاعت موجود بھی ہو تو بھی اتنا خرچ نہیں کرنا چاہیئے کہ اسراف کی حد میں داخل ہو جائے۔ جیسا کہ عام طور پر بارات کے

کھانے اور دعوتِ ولیمہ میں مختلف انواع و اقسام کے کھانے تیار کرنے میں حد
سے زیادہ بے جا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ کئی احمق تو اس قسم کے مواقع
پر صرف نام و نمود اور جھوٹے وقار کی خاطر اس قدر قرض کے زیر بار ہو جاتے
ہیں کہ زندگی بھر اس بوجھ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ عقلمندی یہ ہے
کہ پاؤں پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لی جائے۔

۱۱: ماں کو چاہیے کہ بچہ کو اپنا دودھ پلائے

تربیت اولاد کے سلسلہ میں ایک چیز
جو بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ماں کو چاہیے کہ بچہ کو اپنا دودھ پلائے
نئی تہذیب میں مصنوعی دودھ پلانا ایک فیشن بن گیا ہے جسے اگر پاک اور
حلال بھی تسلیم کر لیا جائے جبکہ مغربی ممالک سے درآمد کیا جانے والا دودھ
بہر حال مشکوک ہوتا ہے۔ تاہم پرورش کی سب سے اہم بات بچے کی غذا کی
جو قدرت کی طرف سے ماں کے دودھ کی شکل میں بچہ کو فراہم کی گئی ہے۔
یہ کہہ کر بچہ کو اس سے محروم رکھنا کہ دودھ پلانے سے جسم کی خوبصورتی
میں فرق پڑتا ہے، کفرانِ نعمت ہے اولاً تو اس کو کوئی فرق نہیں
پڑتا۔ اور اگر ثانیاً پڑے بھی تو ہزار خوبصورتی بچہ پر قربان کی جا سکتی
ہے۔ دودھ کا اثر نہ صرف یہ کہ بچہ کی صحت پر پڑتا ہے بلکہ اس کے
اخلاق و اطوار اور سیرت و کردار پر بھی پڑتا ہے اسی لیے شرع مقدس
میں دودھ پلانے والی عورت کے اخلاق و کردار پر زور دیا گیا ہے اور
پھر دودھ پلانے میں وقت کی پابندی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔
بہتر ہے کہ ماں باطہارت ہو کر دودھ پلائے۔ بعض کتابوں میں مذکور
ہے کہ حضرت علامہ مجلسی کی والدہ صاحبہ نے انہیں کبھی طہارت کے بغیر

دودھ نہیں پلایا تھا (قصص العلماء) اس پاکیزہ تربیت کا اثر تھا کہ آسمان علم و فضل کا وہ آفتاب عالم تاب بن کر چمکا کہ جس کی ضیا پاشیوں سے پورا کرۂ ارض مستنیر و مستفیض ہو رہا ہے۔ سچ ہے

"کہ ماں کی گود تربیت کا پہلا گہوارہ ہوتی ہے"

بچوں کی نگہداشت خود کرنی چاہیئے:

کھاتے پیتے گھرانے بچوں کی پرورش نوکروں یا نوکرانیوں کے سپرد کر دیتے ہیں جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے بالعموم ان لوگوں کے خصائل و شمائل اچھے نہیں ہوتے تو اگر ان کی تربیت ان کے سپرد کر دی گئی تو ان کی غلط عادتیں ان میں سرایت کر آئیں گی اور پھر ان... بچوں سے اعلیٰ اخلاق و اطوار کی توقع نہیں کی جا سکے گی اسلئے والدین کو چاہیئے کہ بچوں کی تربیت و پرورش خود کریں اور خود ہی سے ان کی نگہداشت کریں تاکہ بچے بڑے ہو کر اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک بن سکیں۔

بے جا لاڈ پیار اور خطرناک کھیل سے اجتناب

بے شک بچہ سے محبت کرنی چاہیئے جو کہ ایک فطری تقاضا ہے۔ مگر ہر چیز کی طرح اس محبت اور پیار میں بھی اعتدال کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ حد سے زیادہ محبت جسے بے جا لاڈ پیار کہتے ہیں۔ مناسب نہیں ہے اس سے بچے خراب ہو جاتے ہیں اور اچھی عادتوں اور خصلتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اولاد سے سچی محبت کا تقاضہ یہ ہے۔ کہ بچہ کی جائز ضروریات پوری کی جائیں۔ اس کی تعلیم و تربیت کا اچھا انتظام کیا جائے۔ اسے اچھی خصلتوں کا عادی بنایا جائے نہ یہ کہ وہ غلط کام کرے تو اس کی حوصلہ افزائی کی جائے، وہ بری حرکتیں کرے تو

اسے شاباش دی جائے وہ لڑکوں سے لڑے بھڑے، جھوٹ بولے، سگریٹ نوشی کرے یا اس قسم کے غلط کام کرے تو اسے آفرین کہی جائے اس سے بچوں کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے اور کردار خراب اور برباد لہٰذا ضرورت ہے کہ بڑی حکمت عملی سے تربیت کا فرض ادا کیا جائے اگرچہ کھیلنا کودنا بچہ کی صحت کے لیے ضروری ہے مگر خطرناک کھیلوں جیسے آتشبازی، پتنگ بازی اور بٹیر بازی وغیرہ خطرناک کھیلوں سے اسے باز رکھا جائے جس سے جان کا نقصان ہوتا ہے اور مال کا بھی زیاں۔

۱۴: فحش رسالوں اور تحریروں سے احتراز

جدید تہذیب کے کڑوے پھلوں میں سے جو سب سے زیادہ کڑوا پھل ہے (مگر بظاہر میٹھا معلوم ہوتا ہے) وہ فحش ادب ہے۔ جس کی رسالوں، تصویروں، فلموں، ڈراموں، گانوں، وی سی آر اور رقص و سرود کے منظروں کی شکل میں ملک کے اندر بھرمار ہو گئی ہے۔

بالخصوص بیرون ملک سے آیا ہوا مواد زیادہ خطرناک ہے جس سے نسل نَو جنسی بے راہروی کا شکار ہو رہی ہے اور ان کے اعلیٰ اخلاق تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ اس سیلاب بلا کے سامنے بند باندھنے کی اشد ضرورت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس قسم کے لٹریچر اور مواد کے پڑھنے پڑھانے اور دیکھنے دکھانے پر سخت پابندی عائد کی جائے اور گھروں میں ایسے مواد کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے۔ بلکہ خدا حکومت کو توفیق دے تو اس قسم کے مواد کی درآمد۔ برآمد۔ طباعت و اشاعت اور فروخت بلکہ رکھنے پر پابندی عائد کر دے تاکہ فتنہ و فساد کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔ ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں ÷ نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

(۱۵) بُری صحبت سے اجتناب:

صحبت کا اثر ایک ناقابل انکار حقیقت ہے

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کُند

اس لیے اولاد کے اچھے مستقبل اور باکردار بننے کے لیے ضروری ہے کہ ان کو بُرے افراد کی صحبت و ہم نشینی سے روکا جائے۔ تاکہ وہ ان کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔ بلکہ اچھے اور شریف لوگوں کی صحبت اختیار کریں اس سلسلہ میں ان کی خلوت و جلوت کی دیکھ بھال ضروری ہے نیز ان کی اخلاق تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی اشد ضروری ہے واللہ الموفق والمعین علی الصراط المستقیم۔

(۱۶) تعلیم و تربیت میں اسلامی نظام کا اہتمام

الغرض والدین کا شرعی اور اخلاق فریضہ ہے کہ وہ صغر سنی میں اولاد کی تعلیم و تربیت کا شرعی نہج و طریقہ پر اہتمام کریں یعنی پہلے اسے اصول و فروع کی تعلیم دیں جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا زبانی حکم دیں اگر پابند ہو جائے تو فبہا ورنہ دسویں سال میں اسے مار کر نماز پڑھائیں۔

اسی طرح اسے روزہ رکھنے کی اس طرح مشق کرائیں کہ پہلے پہر دن کا پھر پورا دن کا بالآخر پورے دن کا۔ تاکہ جب بچہ بلوغت کے سن و سال میں قدم رکھے تو پابند شریعت بن چکا ہو۔

الغرض! اولاد کی تعلیم و تربیت کے بعد دیکھ بھال اور ساخت پرداخت اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے۔ اسی طرح انہیں مکارم اخلاق کی تعلیم دی جائے کیونکہ اولاد کا عمدہ نام رکھنا انہیں لکھنا پڑھنا سکھانا

اور بلوغت کے بعد جلد شادی کا انتظام کرنا۔ والدین کے ذمہ اولاد کے بنیادی حقوق میں سے ہے تاکہ بڑا ہو کر اگر لڑکا ہے تو وہ حسنین شریفین کا حقیقی غلام اور اگر لڑکی ہے تو وہ جناب سیدہ طاہرہ کی سچی کنیز ثابت ہو۔ اور وہ اپنے خاندان اور اسلام کے لیے نیک نامی کا باعث بنے اور ان کے لئے باعثِ ننگ و عار نہ بنے۔

واللہ الموفق یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ ط

ولادتِ اولاد کے وقت غلط رسموں کا تذکرہ

اس موقع پر اسلامی و ایمانی برادری میں بہت ہی غلط رسوم رائج ہیں جن میں سے بعض کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے

(۱) رقص و سرود کی محفلیں جمانا

اس موقع پر جو کھاتے پیتے گھرانے ہیں۔ وہ رقص و سرود اور گانے بجانے کا اہتمام کر کے روح ابلیس کو خوش کرتے ہیں اور جو غریب نادار ہیں وہ بھی اگر اور کچھ نہ کر سکیں تو ڈھول تو خوب پیٹتے ہیں جو قطعاً فعل حرام اور باعث قہر و غضب خالق دو جہاں ہے چونکہ اس کی حرمت اور دیگر قباحتوں کا تفصیلی تذکرہ سابقہ اوراق میں شادی کی غلط رسوم کے بیان میں کیا جا چکا ہے اس لئے یہاں اس کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر نوع اس قسم کی ناشائستہ حرکتوں سے اجتناب واجب لازم ہے۔

(۲) بزرگوں اور پیروں کے نام پر لٹیں رکھوانا

بزعم خویش موالیان اہلبیت اپنے بچوں کی سر تراشی کرواتے وقت ان کے سروں پر لٹیں چھوڑ دیتے ہیں۔ جنہیں چند سالوں کے بعد

اپنے پیروں سے یا بعض بزرگوں کے مزارات پر جا کر کٹواتے ہیں۔ ان کا یہ فعل ہرگز اسلامی نہیں ہے۔ بلکہ سراسر غیر اسلامی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا کہ اپنے بچوں کے لیے قزع نہ بناؤ۔ قزع کے معنی ہیں ایک جگہ چھوڑ کر باقی سر مونڈنا۔ نیز انہی جناب سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے بچے کو بغرضِ دعا لایا گیا۔ جس کے سر پر لٹیں تھیں تو آپ نے اُس وقت تک اس کے حق میں دعا نہیں فرمائی جب تک اس کا پورا سر نہیں منڈوایا گیا۔ (وسائل الشیعہ حلیۃ المتقین)

ایک اور روایت میں وارد ہے کہ آنحضرت نے ایک لڑکا دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ منڈا ہوا تھا اور کچھ بچا ہوا تھا تو آنحضرت نے اس کے سرپرستوں کو اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ اس کا سارا سر منڈواؤ یا سارا رہنے دو۔

(ابوداؤد)

ان حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ شریعت مقدسہ اسلامیہ میں لٹ رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بلکہ یہ رسمِ بد ہندوؤں کے سادھوؤں سے ماخوذ ہے۔ فاضل بریلوی نے بھی اسے حرام اور بدعت قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو الملفوظ حصہ دوم ص۱۱ نیز فتاوائے افریقہ ص۶۸ اور مجمع البحرین)

تو جب اس فعل کا جواز ہی ثابت نہیں تو پھر اسے متبرک سمجھ کر بزرگوں کے مزاروں پر یا پیروں کے ہاتھوں سے اس کے کٹوانے کا کیا جواز ہے؟

اور اگر کوئی حیلہ جو شخص بچہ کی نابالغی کا عذر پیش کر کے اسے جائز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرے تو اسے کہا جائے گا کہ اگر بچہ نابالغ ہے اور غیر

مکلف تو اسکے سرپرست اور بزرگ تو بالغ اور مکلف ہیں یہ انکی شرعی تکلیف اور ذمہ داری ہے کہ ہرگز ایسا نہ کریں۔

اسلام میں پیری مریدی کا کوئی تصور نہیں ہے

جب یہاں ضمنی طور پیروں کا ذکر آگیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس موضوع پہ قدرے تبصرہ کردیا جائے تو واضح ہو کہ جب اسلام میں (بالخصوص مذہبِ اہلِ بیت میں جو اسلام کی حقیقی تعبیر و تفسیر کا دوسرا نام ہے) اس نام نہاد پیری مریدی کا کوئی جواز بلکہ کوئی تصور ہی نہیں ہے، تو اس کے لوازمات کا جواز کہاں سے پیدا ہوگا؟

یہ چیز قرونِ وسطیٰ کے صوفیوں کی من گھڑت اصطلاح ہے جو کہتے ہیں سے

بے پیر مرد تو در خرابات ۔ ہر چند سکندرِ زمانی

اور ان کے ہاں اس پیر کے کئی مراتب ہیں (۱) شیخ (۲) پیر (۳) دلیل (۴) مُرشد (۵) قطب (۶) اور قطب الاقطاب (کتاب البدعۃ والتحرف) یہ تصوف (یا عرفان) اسلام کی سرزمین میں ایک اجنبی پودا ہے اور ہندو، یہودی اور عیسائی تعلیمات کا ملغوبہ ہے۔

اسی بنا پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا الصّوفیۃ کُلّھُم من اعدائنا وطریقتھم مبائنۃ لطریقتنا۔ (حدیقہ سلطانیہ)

"سب صوفی ہمارے دشمن ہیں اور ان کا طریقہ ہمارے طریقہ کے خلاف ہے"

حقیقت الامر یہ ہے کہ تصوف کی ایجاد و اختراع ائمہ اہل بیت کے خلاف بنی اُمیّہ کی ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے تاکہ مادی اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد ان کے روحانی اقتدار پر اس بہانے شب خون مارا جائے۔ لہٰذا اس کے نظریات فاسدہ کا

اسلام کے ساتھ بالعموم اور مذہب شیعہ خیر البریہ کے ساتھ بالخصوص ہرگز کوئی رابطہ و تعلق نہیں ہے یہ درست ہے کہ ہمارے مذہب میں آل نبی اور اولاد علیؑ کے اکرام و احترام اور ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کی بہت تاکید اور فضیلت وارد ہوئی ہے (جس کا ایک شمہ ہماری کتاب احسن الفوائد اور تجلیات صداقت میں مذکور ہے جو وہاں دیکھا جا سکتا ہے)

مگر اس پیر کا مروجہ پیری مریدی کے ساتھ اور اس کے لوازمات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اہل اللہ [illegible] کو اس سے دور ہی رہنا چاہیے [illegible] سادات کو بھی اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے [illegible] اور تعویذ گنڈے اور [illegible] کے [illegible] نہیں [illegible] چاہیے اور اگر کوئی [illegible] عالم دین ان کو اس غلط کاروبار سے روکے تو اسے اپنا دشمن اور بدخواہ نہیں بلکہ اپنا خیر خواہ سمجھیں۔ (والله [illegible])

ایک خیال کا ابطال:

یہ خیال کرنا کہ جس طرح خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے نبی و امام وسیلہ ہوتے ہیں اسی طرح نبی و امام کی بارگاہ اقدس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے پیر کامل کی ضرورت ہے یہ سراسر شیطانی قیاس ہے کیونکہ خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے تو عقلاً و شرعاً وسیلہ کا حکم ہے (وابتغوا الیہ الوسیلۃ) مگر نبی و امام تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وسیلہ ماننے کا کوئی حکم نہیں ہے اور اگر اس زمانہ غیبت کبریٰ میں فی الجملہ امام کے احکام حاصل کرنے کے لیے (نہ کہ معرفت یا ملاقات کے لیے) کسی واسطہ کی ضرورت ہے تو وہ علمائے اعلام اور فقہائے عظام ہیں نہ کوئی اور کما لا یخفی۔ اور یہ بات بھی کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ مذہب شیعہ میں سوائے معصوم (نبی و امام) کے اور کسی ہستی کی بیعت جائز نہیں ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مروجہ پیری مریدی کی کوئی بھی چول سیدھی نہیں ہے۔

یہاں یہ صرف سادہ لوح مریدوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے اور ان سے
پیسے بٹورنے اور اسی طرح اپنا دین برباد کر کے دنیا آباد کرنے کا ایک دھندا
ہے جس کی شرعی و مذہبی کوئی حیثیت و حقیقت نہیں ہے۔ یہ سچ ہے
"کل من فی الوجود یطلب صیدا" ؛ انما الاختلاف فی الشبکات
یعنی ہر شخص کسی نہ کسی شکار کی تلاش میں ہے یہ الگ بات ہے کہ جال جدا
جدا ہیں۔

الغرض: مسلم معاشرے کی بدترین خرابیوں میں سے ایک یہ پیری
مریدی کا رواج بھی ہے جو کئی اعتبار سے نہ صرف معاشرہ کے لیے خطرہ
ہے۔ بلکہ تباہ کن ہے اور مسلمانوں کے دور زوال کی یادگار ہے۔

بدقسمتی سے یہ بیماری پاکستان کے تمام طبقوں میں، تمام علاقوں میں
اور تمام فرقوں اور مسالک میں پائی جاتی ہے۔ بالخصوص جہاں جہالت زیادہ
ہو وہاں اس کاروبار کا بہت زور ہوتا ہے جس سے لوگوں کا دین، اخلاق اور
کردار تباہ ہو رہا ہے۔

یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اسلام میں کسی ایسے
طبقے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو برہمنوں اور پادریوں کی طرح مذہب
کا اجارہ دار بن جائے اور جس کی ذاتی خوشنودی یا ناراضگی پر کسی کے جنتی
یا دوزخی ہونے کا انحصار ہو۔

اس قسم کے طبقے غیر اسلامی اثرات کی پیداوار ہیں ہاں اگر کوئی شخص
کسی عالم و فاضل، متقی اور پرہیزگار اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل رہنمائے خلائق
پیشوا سے کسب فیض کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ امر
فرد و معاشرہ دونوں کے حق میں مفید ہے لیکن مذہب سے بالکل ناواقف جاہل"

نفس پرست اور بدکردار وعیار پیروں اور مُلّاؤں سے اندھی عقیدت، افراد اور معاشرہ کے لیے تباہ کُن ہوتی ہے۔

یہ عیار ومکار لوگ لوگوں کی جہالت اور اندھی عقیدت اور ان کے مذہبی جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھاکر اپنے ذاتی اغراض پورے کرتے ہیں اور بے سواد مریدوں اور سادہ لوح معتقدوں کو گمراہ کرکے ان کی دنیا و آخرت تباہ کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس پیری مُریدی کی غلط رسم نے روحانی نجات کو ایک قسم کا تجارتی کاروبار بنادیا ہے اور یہ لوگ مذہب اور اُخروی نجات کے نام پر مریدوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔

اور ان کی عزت وناموس پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور جب تک لوگ جاہل اور مذہبی حقائق سے ناواقف رہیں گے اس وقت تک ان پیران تسمہ پا کا یہ دھندہ چلتا رہے گا۔ اسلئے دینی مدارس کے ذریعہ علم دین کو عام کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ پیری مریدی اور اس رواج کی پیداکردہ گمراہیوں اور نقصانات سے معاشرہ کو پاک اور آئندہ محفوظ رکھاجائے۔ واللہ الموفق (از پاکستانی مسلمانوں کی رسوم ورواج)

ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ الکذب وھو یدعیٰ الی الاسلام واللہ لا یھدی القوم الظالمین۔

۳: عقیقہ کا خون سر پہ ملنا

جاہلیت کے زمانہ میں لوگ نومولود کے سر پر عقیقہ کا خون ملتے تھے اور بعض مقامات پر اب بھی ایسا کیا جاتا ہے (کما سمع)

اس فعل کو روایات اہل بیت میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے (وسائل الشیعہ

بعض آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسنین شریفین کے سر منڈوانے کے بعد دونوں بزرگواروں کے سر اقدس پر خلوق ملا تھا جو بقول علامہ مجلسی علیہ الرحمہ زعفران و دیگر مختلف خوشبوؤں سے مرکب ہے اور اس میں سرخی و زردی غالب ہوتی ہے لہٰذا ہمیں بھی آنحضرتؐ کی تاسی میں ایسا ہی کرنا چاہیئے۔

۴: نفساء کا چالیس دن تک الگ تھلگ رہنا

ہندو مذہب میں حیض و نفاس کو ایک ایسا پاپ سمجھا جاتا ہے کہ حیض و نفاس والی عورت کسی چیز کو ہاتھ لگانے کی روادار نہیں ہوتی۔ خصوصاً نفاس والی عورت پر پورے چالیس دن تک یہ پابندی عائد ہوتی ہے اور ان کی دیکھا دیکھی بعض جاہل مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں حالانکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ دونوں ایسے عوارض ہیں جنہیں عورت مخصوص طریقہ پر عبادتِ خدا نہیں بجالاسکتی ہے لیے دوسرے کام کاج کرسکتی ہے۔

اور حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہوتا ہے اس سے کم و زیادہ ہو تو وہ یا خون استحاضہ ہوتا ہے جس کے احکام الگ ہیں یا کوئی اور خون۔ بہر حال وہ خون حیض نہیں ہو سکتا اور جہاں تک خون نفاس کا تعلق ہے اس کے اقل کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ وہ ایک لحظہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بالکل نہ آئے اور بنا بر مشہور زیادہ کی حد خون حیض کی طرح دس دن ہے اگر اس کے بعد آئے تو وہ خونِ استحاضہ ہے نفاس نہیں ہے ہاں البتہ بنا بر احتیاط اٹھارہ دن تک استحاضہ کے وظائف پر عملدر آمد بھی کرے اور جو مخصوص چیزیں نفساء پر حرام ہیں ان سے اجتناب بھی کرے واللہ العالم

(اس موضوع کے تفصیلی احکام معلوم کرنے کے لیے قوانین الشریعہ کی طرف رجوع کیا جائے)۔ ہر نوع چالیس دن تک عبادت ترک کرنا اور ہر چیز سے الگ تھلگ رہنا اور اسکے بعد چلّہ کا غسل کرنا سراسر غیر اسلامی رسم ہے جس کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے اسلئے اس سے احتراز لازم ہے۔

۵: لوہے کی کڑی یا کڑا پہنانا:

کئی مائیں اپنے لاڈلے بچوں کو سنت سجاد سمجھ کر ہاتھوں اور کبھی پاؤں میں لوہے کی کڑیاں یا کڑے پہناتی ہیں۔ اور اب تو یہ چیز بڑھ کر یہاں تک بھی عام ہوگئی ہے جسے عرف عام میں کڑا قلابہ کہا جاتا ہے اور کبھی انہیں تعزیہ مبارک کے ساتھ باندھ کر امام سجاد کی قید کی سنت ادا کرتی ہیں اس کے متعلق ہمیں صرف دو باتیں عرض کرنا ہیں۔

ایک تو یہ کہ نبی ہوں یا امام ان کا کوئی بھی کام وا قدام اس وقت ان کی سنت کہلاتا ہے جب وہ اسے اپنے اختیار اور اپنی رضا و رغبت سے بجالائیں جیسے امام سجادؑ کی سنت ہے بکثرت سجدہ کرنا۔ زین العابدین کی سنت ہے بکثرت عبادت خدا بجالانا مگر وہ کام جسے وہ کسی ظالم و جابر کے ظلم و جور سے مجبور ہو کر بجا لائیں تو وہ ان کی سنت نہیں کہلاتا بلکہ وہ ظالموں کی سنت کہلاتا ہے جس طرح امام کا ہتھکڑیاں پہننا، قید ہونا اور زہر کھانا وغیرہ وغیرہ

اگر اختیاری و اضطراری فعل کے درمیان فرق نہ کیا جائے تو پھر سنت سجاد سمجھ کر زہر بھی کھانی پڑے گی اگر وہاں یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ امام نے زہر برضا و رغبت خود نہیں کھائی تھی بلکہ ظالموں نے کھلائی تھی تو یہاں بھی یہی کہا جائیگا کہ یہ بیڑیاں اور ہتھکڑیاں بھی امام نے برضا و رغبت

خود نہیں پہنتی تھیں بلکہ ظالموں نے جبراً پہنائی تھیں۔ بنابریں یہ ماننا پڑیگا کہ اس کڑی یا کڑا پہننے کی رسم کو کسی طرح بھی سنتِ سجاد کا نام نہیں دیا جا سکتا۔
بلکہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ یا تو ان ظالموں کی سنت ہے جنہوں نے امام پر ظلم کر کے ان کو پہنائی تھیں

یا پھر ان لوگوں کی سنت ہے جن کے مذہب میں ایسی سات چیزوں کا ہمراہ رکھنا ضروری ہے۔
جن کی ابتداء حرف (کاف) سے ہوتی ہے جیسے کیس، کرپان، کنگھا اور کڑا وغیرہ وغیرہ ؎

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

بہر حال اس چیز کا مذہب اہل بیت یا سنت سجادؑ سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اگر کوئی کم بخت کسی سامری کے کسی بچھڑے کی غلط محبت میں عقل و خرد سے اس طرح ہاتھ دھو بیٹھا ہے کہ کلیم خدا کے کسی غلام کی یہ حکمت و نصیحت آمیز واضح بات نہیں سمجھ سکتا تو پھر اس سے خدا ہی سمجھے۔
دوسرے یہ کہ لوہا وہ دھات ہے کہ بحالتِ اختیاری جس کا ایک چھلا بھی ہاتھ میں ہو تو نماز مکروہ ہو جاتی ہے اور روایات اہل بیت میں اسے جہنمیوں کا لباس قرار دیا گیا ہے۔
اور بعض اخبار و آثار میں نماز گزار کے لیے اس کا پہننا حرام قرار دیا گیا ہے۔ (وسائل الشیعہ ارشاد امام جعفر صادق علیہ السلام)

اور یہ ہی حکم قلادہ کا ہے اور اس بات کا ناقابل رد ثبوت کہ یہ امام کا۔۔ اضطراری فعل تھا یہ ہے کہ امامؑ نے رہائی کے بعد ان چیزوں کو اتار پھینکا تھا اور پھر اپنی زندگی کے آخری لمحات تک کبھی ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

؎ انہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

۸: بیٹوں کی ولادت پر خوشی منانا اور بیٹیوں کی ولادت پر ناک بھوں چڑھانا

یہ رسم بدزمانہ جاہلیت کی یادگار ہے کہ اولادِ ذکور کی ولادت پر جشن میلاد منانا اور بچیوں کی ولادت پر ناک بھوں چڑھانا۔ بلکہ یہ خبر سنکر چہروں کا سیاہ ہو جانا۔ چنانچہ خداوند عالم نے قرآن میں ان لوگوں کی اس کیفیت کی خبر دی ہے۔

واذا بُشِّرَ اَحَدُهُم بالاُنثیٰ ظَلَّ وَجهُهٗ مُسوَدًّا

"جب انہیں لڑکی کی پیدائش کی اطلاع دی جائے تو ان کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے"

معاشرہ میں اس دلہن کو منحوس تصور کیا جاتا ہے جس کے ہاں پہلوٹھی کی بیٹی پیدا ہو۔ اور اگر مسلسل دو تین لڑکیاں پیدا ہو جائیں تو پھر تو اس کی نحوست کی حد ہی نہیں رہتی۔

اور بعض جاہل تو ایسی بیویوں کو منحوس سمجھ کر طلاق بھی دے دیتے ہیں گویا ان کے زعم ناسد میں لڑکے یا لڑکیاں جننا عورت کا اختیاری فعل ہے حالانکہ یہ چیز خالق کون ومکان کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

یَھَبُ لِمَن یَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَن یَّشَاۗءُ الذُّکُوْرَ ۙ اَوْ

بِرَدِّجُهُمْ ذُکْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ

(وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے یا جسے چاہتا ہے اُسے جوڑا جوڑا عطا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے بانجھ بنا دیتا ہے۔)

اگر وہ عطا کرنا چاہے تو دنیا کے برتھ کنٹرول رکاوٹ نہیں بن سکتے اور اگر وہ نہ دینا چاہے تو تمام کائنات کے ڈاکٹر و حکیم مل کر کسی کے گھر چوہے کا بچہ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔

مروی ہے کہ ایک شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور وہ غصہ سے لبریز ہو رہا تھا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا (اور لڑکی کی پیدائش کا شکوہ کیا) امامؑ نے فرمایا اگر خداوند عالم تجھے کوئی چیز عنایت کرنا چاہے اور وحی کے ذریعے تجھ سے پوچھے کہ بتا کیا چاہتا ہے؟ تو تو کیا جواب دیگا؟ عرض کیا کہ میں کہوں گا کہ خداوندا تو جو چاہے عنایت فرما۔ اور جو چاہے میرے لیے پسند فرما۔ امامؑ نے فرمایا تو جب خدا نے تیرے لیے لڑکی پسند کی ہے تو تو کیوں پریشان ہو رہا ہے؟ اس طرح اس کا غصہ فرو ہوا۔ مزید تسلّی کے لیے امامؑ نے فرمایا جس لڑکے کو جناب خضرؑ نے قتل کیا تھا خدا نے اس کے والدین کو اس کے عوض ایک ایسی بابرکت لڑکی عطا فرمائی تھی جس کی نسل سے ستر نبی پیدا ہوئے تھے۔ (وسائل الشیعہ)

چونکہ آیت مبارکہ میں پہلے لڑکیوں کا تذکرہ کیا گیا۔ اسلئے صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔

بابرکت ہے وہ عورت جس کے ہاں شادی کے بعد پہلے پہل بیٹی پیدا ہو۔ (تفسیر برہان)

وارد ہے کہ ایک شخص جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ اسے بیٹی کی ولادت کی اطلاع ملی یہ اطلاع پا کر اس کا رنگ بدل گیا۔ آنحضرت نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا

زمین اس کا بوجھ اٹھاتی ہے سایہ آسمان ڈالتا ہے رزق خدا دیتا ہے اور وہ ایک پھول ہے جسے تو سونگھے گا (البلقا)

(پھر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ جو شخص تین لڑکیاں یا لے پوسے (اور ان کی شادی کرے) تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے (آخر میں دو یا ایک لڑکی کی پرورش کر کے شادی کرنے کا بھی یہی ثواب مروی ہے) (حلیۃ المتقین)

نبی آنحضرت سے منقول ہے فرمایا جو شخص اپنے اہل و عیال کے لیے بازار سے کوئی تحفہ خرید کر لائے تو وہ عند اللہ ایسا ہے جیسا کہ محتاجوں کے لیے صدقہ اٹھا کر لائے ـــــــ پھر فرمایا اسے چاہیئے کہ وہ تحفہ تقسیم کرتے وقت ابتدا لڑکیوں سے کرے (لڑکوں کو بعد میں دے) کیونکہ جو شخص ایک بیٹی کو خوش کرے تو گویا اس نے اولاد اسمٰعیلؑ میں سے ایک غلام آزاد کیا ہے۔ (وسائل الشیعہ)

کئی روایات میں وارد ہے کہ لڑکیاں حسنات ہیں اور لڑکے نعمات حسنات پر تمہیں ثواب عطا کیا جائیگا اور نعمات پر تمہارا حساب لیا جائیگا۔ پتا ہوتا ہے حقائق اگر بیٹیاں بیٹوں سے بہتر نہیں ہیں تو کسی طرح کم تر بھی نہیں ہیں لہٰذا دونوں کی ولادت پر یکساں مسرت و شادمانی کا اظہار کرنا چاہیئے۔

الغرض ! بیٹے کے مقابلے میں بیٹی کو حقیر سمجھنا غیر اسلامی تعلیمات واثرات کا نتیجہ ہے اسلام سے قبل عورت کو نہ صرف یہ کہ انسانی معاشرتی حقوق سے محروم سمجھا جاتا تھا . بلکہ اس کے وجود کو ایک بُرائی تصور کیا جاتا تھا اسی لیے ہندوستان اور عرب کے بعض قبائل میں اسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا ۔ مگر اسلام نے اس صریح ظلم وزیادتی کو ختم کر کے عورت کو تمام انسانی معاشرتی حقوق دلوائے اور اسے معاشرے میں باعزت مقام و مرتبہ عطا کیا بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہ صرف اپنے قول سے بلکہ اپنے قابلِ تقلید عمل و کردار سے اس بات کو واضح کر دیا کہ بیٹے اور بیٹی میں یہ امتیاز و تفریق نامناسب ہے۔

لڑکے کی پیدائش پر مٹھائی تقسیم کرنا، دعوتیں کرنا، بندوقیں چلانا، اور مبارک بادیوں کے شور بلند کرنا اور لڑکی کی ولادت پر چپ سادھ لینا۔ قریبی رشتہ داروں تک کو اطلاع نہ دینا ۔ اور اطلاع ملنے پر ان کا اظہار افسوس کرنا ۔ اور اس مصیبت کے بعد خوشی کے دن آنے (یعنی لڑکا پیدا ہونے) کی دعا کرنا پھر ساری جائیداد لڑکوں کے نام کرادینا اور لڑکیوں کو محروم کرنا۔

یہ سب کچھ غیر اسلامی اثرات کا نتیجہ اور غیر اسلامی دماغ کی سوچ کا غماز ہے ۔ جسے ختم کرنے کے لیے مؤثر کدوکاوش کی ضرورت ہے ۔

۹ : بچے کے سرہانے تلوار یا چھری رکھنا : بعض علاقوں میں بچہ کے سرہانے زچّہ کے چلّہ تک تلوار رکھی جاتی ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے زچہ و بچہ دونوں نقصان وزیاں سے محفوظ رہتے ہیں ــــ یہ غیر اسلامی رسم ہے اس

کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ بلکہ یہ خالص ہندوانہ اور غیر موحدانہ رسم ہے جس کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔ لہٰذا اہلِ اسلام کو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

۱۰: جوڑے اور زیور:

عام رواج ہے کہ پہلوٹی کا بچہ ننھیال میں ہوتا ہے لڑکی کے ماں باپ زچگی سے کچھ عرصہ پہلے اسے اپنے گھر لے آتے ہیں (اگرچہ حاملہ کو نقصان وزیان بھی ہو جائے) اور پھر بچہ کی پیدائش پر سونے کے کئی زیور اور کپڑوں کے کئی جوڑے اور کئی برتن نومولود کو دیتے ہیں اور لڑکی کو بھی سسرال بھیجتے وقت زیور اور کپڑے دیتے ہیں۔ اور اس کے سسرال والوں کے الگ اور برادری کی ہنجیری اس علاوہ ہے جسے "چھوچھک" کہا جاتا ہے جسے سسرال آنے کے بعد برادری کی عورتیں باقاعدہ طور دیکھتی ہیں۔

یہ سب غیر اسلامی رسمیں ہیں۔ اور دولت کے ضیاع کے سوا ان کا کچھ حاصل و محصول نہیں ہے۔ بلکہ انسب یہ ہے کہ زچگی سسرال کے گھر ہو۔ اور پھر ولادت کے بعد شرعی طریقہ پہ وہ آداب و مستحبات ادا کئے جائیں جن کا تذکرہ سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔

جب حضرت خاتونِ قیامت کی اولاد کی ولادت اپنے گھر میں ہوئی تھی تو کیا یہ مسلمان خواتین کے لیے بہترین نمونہ عمل نہیں ہے جس کی انہیں پیروی کرنا چاہیئے۔

۱۱: توہم پرستی:

بعض لوگ زچہ کے قریب ایسی عورت کو نہیں جانے دیتے ہیں جس کا حمل یا بچہ ضائع ہو چکا ہو۔ اور نہ بچہ کو اس کی گود میں دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بچہ اس طرح مر جاتا

ہے ـــــ اسی طرح بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ بعض عورتوں کو اٹھرا کی بیماری ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں اٹھ کا ہندسہ منحوس ہے اسلئے وہ آٹھ روز سے اٹھارہ سال تک بچہ کو خطرہ میں محسوس کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ایسی عورت نہا کر آئے اور اپنے بھیگے بال جس بچہ پر ڈال دے تو وہ بچہ مرجاتا ہے اور اس عورت کا اپنا بچہ زندہ رہتا ہے اسلیئے وہ ایسی عورت سے بہت ڈرتے ہیں۔

تو یہ توہمات غیر اسلامی ذہن کی فکر کی پیداوار ہیں ـــــ ورنہ ظاہر ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے موت وحیات خدائے قدیر کے قبضۂ قدرت میں ہے کوئی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مرسکتا۔

اذا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون

کیونکہ بقولِ حضرت امیر علیہ السلام

الموت خیر محافظ

موت بہترین محافظ ہے

کہ وہ اپنے وقت سے پہلے مرنے نہیں دیتی ہے

پھر نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

۱۲: چھلّہ اور دست بند: بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ اگر بڑی مدت کے بعد لڑکا پیدا ہو تو اس کے کان میں چھوٹا سا سوراخ کرکے اس میں چاندی یا سونے کا چھوٹا سا چھلّہ ڈال دیتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی کوڑیاں کسی دھاگہ میں پرو کر اور دست بند تیار کرکے بچہ کی کلائی پر باندھ دیتے ہیں اور اس سے اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ بچہ زندہ رہے گا اور آئندہ پھر بچہ ہوگا۔ چنانچہ وہ اگلے بچہ کی ولادت تک

برابر یہ چھلے اور دستِ بند پہنائے رہتے ہیں۔ حالانکہ لڑکوں کے کانوں میں چھلّے اور مُرکیاں ڈالنا غیر اسلامی یعنی ہندوانہ رسم ہے۔

اور شگونِ بد لینے کو اسلام نے شرک قرار دیا ہے لہٰذا اس رسمِ بد سے اجتناب لازم ہے۔

۱۳: پانی چھڑکنے کی رسم، ۱۴: چھٹی کی رسم

یہ سب غیر اسلامی رسمیں ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک مسلمان گھرانے میں ان غیر اسلامی رسموں کا ارتکاب نہیں ہونا چاہیئے۔

۱۵: سالگرہ منانا

بعض اعلیٰ بلکہ متوسط خاندانوں میں یہ رسم بڑے دھوم دھام اور بڑے تزک و احتشام سے منائی جاتی ہے اور یہ رسم خاصی قدیم ہے بالخصوص انگریزوں کے ہاں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے اسلئے جو لوگ مغربی تہذیب سے جس قدر زیادہ متاثر ہیں وہ بڑے اہتمام اور بڑی شان سے سالگرہ مناتے ہیں مگر ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ یہ رسم بھی کوئی اسلامی رسم نہیں ہے جسے سنت سمجھ کر بجالایا جائے بلکہ غیر اسلامی رسم ہے جس میں نام و نمود کے اظہار اور مال و منال کے اتلاف و ضیاع کے سوا کچھ بھی نہیں لہٰذا اگر اس (رسم) سے اجتناب کیا جائے تو زیادہ مناسب و اَولیٰ ہے۔

۱۶: مُوتراشی اور ختنہ کیوقت کٹوری پھیرنا

ایک عام رسم ہے کہ بچہ کی موتراشی اور ختنہ کے وقت نائی ایک کٹوری پھیرتا ہے جس میں صاحب خانہ اور برادری کے افراد حسبِ مقدرت بطور "نیوتہ" کچھ نقدی ڈالتے ہیں اور اگر

ایسا نہ کیا جائے تو برادری میں ناک کٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے یہ بھی غیر اسلامی رسم ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

۱۷: تعلیم کے لئے چار سال چار ماہ اور چار دن مقرر کرنا

سکولوں میں عام رواج ہے

کہ پانچ سال کے بچہ کو داخل کیا جاتا ہے اور بعض خاندانوں میں رسم ہے کہ تعلیم کی ابتدار کے لیے چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ پھر اس موقع پر شیرینی تقسیم کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور بعض مالدار لوگ سونے یا چاندی کے قلم و دوات سے چاندی کی تختی پر ابتدار کرتے ہیں۔ جو ایک جدید شریعت تصنیف کرنے کے مترادف ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بلکہ پڑھائی کی ابتدار سادہ اسلامی طریقہ پر اس سے بہت پہلے کرا دینی چاہیئے یہ سن و سال کی قید مہمل ہے۔

۱۸: خوشی کے مواقع پر دھیانیاں کو حق دینا

ہندو مذہب میں چونکہ لڑکیوں کو

کو والدین کی میراث نہیں دی جاتی اسلئے انہوں نے لڑکیوں کی اشک شوئی کی خاطر یہ رسمیں ایجاد کیں کہ لڑکے کی ولادت یا شادی یا کوئی اور تقریب مسرت تو دھیانیاں کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے ہیں اور وہ بے چاریاں بھی اس انتظار میں رہتی ہیں کہ ان کو اس قسم کے مواقع پر کچھ ملے مگر اسلام نے جب لڑکیوں کو میراث میں باقاعدہ حصہ دیا ہے اور لڑکوں کی طرح انکو باعزت مقام دیا ہے تو مسلمانوں کے لیے ہندوؤں کی دیکھا دیکھی یہ رسم بد ایجاد کرنے اور اس پر عمل کر کے لڑکیوں کو احساس کمتری دلانے کا کیا جواز ہے لہٰذا اوّلاً تو ماں باپ اور بھائیوں کو ایسا کرنا نہیں چاہیئے اور اگر دیا

اگر وہ ایسا کریں تو لڑکیوں کو اسلامی غیرت و حمیت کا ثبوت دیتے ہوئے اسے ٹھکرا دینا چاہیے ؂

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ÷ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

واللہ الموفق

دعا ہے کہ خداوند عالم تمام اہل ایمان کو سرکار محمد و آل محمد کی حقیقی سیرت و کردار پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ان خود ساختہ منتوں اور رسموں سے بچائے جن کا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے ایک مسلمان کو صرف خدا و مصطفیٰ اور ائمہ ھدیٰ کے احکام کا پابند ہونا چاہیے نہ کہ معاشرہ کی غلط رسموں، ریتوں کا کیونکہ یہ

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم ÷ ملتیں جب مٹ گئیں اجزا ایماں ہو گئیں

؂

گر نیاید بگوش حقیقت کس ÷ بر رسولاں بلاغ باشد و بس

وما علینا الا البلٰغ المبین

ساتواں باب

اُن غلط رسوم کا بیان جو غم یعنی موت سے متعلق ہیں

یہ ایک اٹل نظام فطرت اور قانون قدرت ہے کہ ؎

جہاں بجتی ہیں شہنائیاں وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ و قدرت کاملہ سے اس کارگاہ ہستی کا انتظام کچھ اس نہج پر چلایا ہے کہ جس نے بھی ایک بار یہاں قدم رکھا ہے اسے ایک نہ ایک دن چار و ناچار اس عالم ناپائیدار سے رخت سفر ضرور باندھنا ہے اور اپنے حقیقی وطن کی طرف جانا ہے بقول شاعر ؎

کل ابن انثیٰ وان طالت سلامتہ ✿ یوماً علی آلۃٍ حدباء محمولٌ

یعنی جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا۔ جب احمد مرسل نہ رہے کون رہے گا

جناب امیر المومنینؑ نے حضرت سیدہ عالم کی وفات حسرت آیات پر غم و الم میں ڈوبا ہوا جو مرثیہ کہا تھا اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے فرماتے ہیں ؎

وان افتقادی فاطماً بعد احمد ✿ دلیل علی ان لا یدوم خلیل

الغرض شادی و غم۔ راحت و الم، سکھ و دکھ، یُسر و عُسر اور موت و حیات وہ لازم و ملزوم ہیں۔ کہ ایک گونہ صرف یہ کہ دوسرے سے جدا نہیں۔

کیا جا سکتا۔ بلکہ ایک کا دوسرے کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا موت برحق ہے اس سے کسی متنفّس کو مفرّ نہیں ہے ؎

صبح دم طائرانِ خوش الحان ؛ پڑھتے ہیں کل من علیہا فان

الغرض! جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا یہی ہے اک حرف محرمانہ

ایک نہ ایک دن عمر نے بے وفائی تو ضرور کرنی ہے پھر بھی بقولِ متنبی ؎

ادنیٰ حیات الخابین مغبنۃ ؛ حیاۃ امرأ خانتہ بعد مشیب

یعنی وہ عمر بڑی وفادار ہے جو بڑھاپے کے بعد بے وفائی کرے۔

اس تمام قیل و قال سے غرض یہ ہے کہ جب اس بات کا یقین ہے کہ مالک عادل کے ملک میں اس قسم کی مختلف کیفیات، شادی و غم سے لازماً دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تو پھر شادی و خوشی کے مواقع پر حد سے زیادہ اترانا اور غم والم کے مقامات پر حد سے زیادہ غمناک ہونا اور گھبرانا شیوۂ عقلمندی و طریقۂ مردانگی نہیں ہے۔ بلکہ آدمی کو چاہیئے کہ ہر حال میں

کالمیت بین یدی الغسّال

مردہ بدست زندہ کی طرح راضی برضاءِ خدا رہے کیونکہ مرضیٔ مولا از ہمہ اولےٰ۔ اور یقین رکھے کہ ؏

کل ما یصل من الحبیب حبیب

بقولِ شاعر ؎

زرنج و راحت گیتی مشو رنجاں مشو خنداں
کہ آئینِ جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

موت کا وقت و مقام مقرر ہے اسے یاد کیا جائے تو وقت سے پہلے آ نہیں جاتی اور اگر اسے بھلا دیا جائے تو وہ ٹل نہیں جاتی۔

اذا جآء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃً ولا یستقدمون

لہٰذا اس سے گھبرانے کی نہیں بلکہ اس کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے ؎

موت کا ایک دن معین ہے ؛ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی ؟

موت کے لیے تیاری کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟ صادق آلِ محمد علیہ السلام کی زبانِ حق ترجمان سے سنیئے ۔

اداء الفرائض، والاجتناب عن المحارم والاشتمال علی المکارم

فرماتے ہیں تین کام کر لو پھر تمہیں اس بات کی فکر نہیں ہونی چاہیئے کہ تم موت کے منہ میں جا رہے ہو۔ یا موت تمہارے ہاں آ رہی ہے۔

وہ تین کام یہ ہیں (۱) فرائض و واجبات شرعیہ کی ادائیگی (۲) محرماتِ الہیہ سے پرہیز (۳) مکارمِ اخلاق و ستودہ صفات سے اتصاف ،

(ثالث بحار الانوار)

اسے کہتے ہیں "دریا بحباب اندر" سچ ہے

کلام الامام امام الکلام

مگر اس کے برعکس لوگ ایسے مقاماتِ (غم) پر کیا کیا غلط رسم و رواج ادا کرتے ہیں۔ اس کا تذکرہ بعد میں کیا جائے گا۔

حسبِ سابق پہلے ہم یہاں یہ بتاتے ہیں کہ ایسے مقامات پر شرعاً کیا کرنا چاہیئے۔ تاکہ تصویر کے دونوں رُخ سامنے آ جائیں یعنی شریعت مقدسہ کا جو منور و درخشاں رخ ہے وہ بھی اور غلط رسم و رواج کا جو تیرہ و تار رُخ ہے وہ بھی۔ تاکہ طالبان حق و حقیقت کو حق و باطل اور اصل و نقل میں امتیاز کرنا آسان ہو جائے۔

لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحیٰی من حیّ عن بینۃٍ

آثارِ موت کے ظہور سے لیکر دفن و کفن تک بلکہ اس کے بعد بھی کیا کرنا چاہیئے :

یہاں چند امور کی انجام دہی مطلوب ہے جن میں سے کچھ واجب ہیں اور کچھ مستحب ۔ (۱) سب سے پہلے وصیت کرنا ۔ شریعت مقدسہ میں تندرست و توانا آدمی کے لیے وصیت کرنا مستحب اور مریض کے لیئے سُنت مؤکدہ اور جس شخص کے ذمہ خالق یا مخلوق کے کچھ واجب الادا حقوق ہوں ان کے بارے میں وصیت کرنا واجب ہے ارشادِ قدرت ہے

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً ن الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقاً علی المتقین ۔ (الآیۃ)

(اے مسلمانو!) تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آئے اور وہ کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے حق میں واجبی طور پر اچھی وصیت کرے اور اللہ سے ڈرنے والوں پر یہ حق ہے ۔"

روایات اہل بیت میں بھی اس کی بہت تاکید کی گئی ہے ۔ بعض اخبار میں وارد ہے

الوصیۃ حق علیٰ کُلِ مُسلِم

(وصیت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)

(کتبِ اربعہ)

بعض آثار میں وارد ہے کہ مسلمان کو چاہیئے کہ جب رات کو سوئے تو اس کا وصیت نامہ اسکے تکیہ کے نیچے موجود ہو ۔ (البحار) بہر نوع وصیت میں

چند امور کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

(۱) اپنے عقائد حقہ ایمانیہ بیان کر کے ان پر اہل ایمان کی تصدیق ثبت کرائی جائے۔

(۲) اگر کوئی حق اللہ اسکے ذمہ ہو تو اسکی ادائیگی کے بارے میں اپنے ورثا کو تاکید کرے۔

(۳) اگر کچھ حقوق الناس اسکے ذمہ ہوں تو انہیں ادا کرنے یا متعلقہ لوگوں سے معاف کرانے کی وصیت کرے۔

(۴) اپنے بیوی بچوں کے متعلق کچھ ہدایات کرنا ہوں تو ان کا تذکرہ کرے۔

(۵) جن لوگوں کو اس کی وراثت سے کچھ حصہ نہیں ملتا ان کے حق میں کچھ وصیت کر جائے۔

(۶) غربار، مساکین، یتیموں، بیوگان اور دیگر بے سہارا لوگوں کے لیے کچھ مال کی وصیت کر جائے۔

(۷) صدقات جاریہ کے لیے کچھ وصیت کر جائے بلکہ اگر ہو سکے تو کچھ جائیداد وقف کر جائے اور بہتر یہ ہے کہ یہ وصیت تحریری طور پر کی جائے تاکہ سند رہے۔ اور بوقت ضرورت کام آئے۔

۲: وقت احتضار (جانکنی) اور اسکے بعد کے احکام

خداوند عالم تمام اہل ایمان پر یہ سخت مرحلہ آسان فرمائے۔ جب یہ کیفیت طاری ہو تو اس موقع پر شریعت مقدسہ نے کچھ واجبی اور کچھ مستحبی احکام مقرر فرمائے ہیں جن کو بجالانا چاہیئے۔

(۱) واجب ہے کہ مرنے والے کو رو بقبلہ کیا جائے یعنی اسے چارپائی

پر چت لٹا کر چارپائی اس طرح رکھی جائے کہ اگر وہ اٹھ کر بیٹھے تو رو بقبلہ ہو مثلاً جن ممالک کا قبلہ مغرب کی جانب ہے جیسے ہمارا ملک تو وہاں چارپائی شرقاً غرباً رکھی جائے۔ اور یہ تب ممکن ہے کہ اس کے پاؤں قبلہ کی جانب ہوں۔ (انما الاعمال بالنیات)

مرنے والے کو چند امور کی تعلیم و تلقین کیجائے: (الف) شہادتین (ب) ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی امامت کا نام بنام اقرار کرایا جائے (ج) کلمات فرج پڑھلئے جائیں۔ (د) کلمہ طیبہ پڑھایا جائے کیونکہ جس شخص کا آخری کلام کلمہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

مخفی نہ رہے کہ حتی المقدور مرنے والے کو بھی یہ چیزیں اپنی زبان سے ادا کرنی چاہئیں اور ایک بار ادائیگی کے بعد موت واقع ہونے تک ان امور کا تکرار کیا جائے اگر موت میں شدت واقع ہو تو پھر سورۂ یاسین اور سورۂ صافات کی تلاوت کی جائے جس سے سکرات موت میں آسانی ہوتی ہے مرنے والے کو توبہ و استغفار کرنے کی تلقین کی جائے کیونکہ جب تک روح حلق تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور اسے عدیلہ عند الموت سے بچانے کی کوشش کی جائے اور مرنے کے بعد اس کی آنکھیں اور منہ بند کیا جائے اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیے جائیں۔

۳: مرنے کے بعد غسل میت دیا جائے: جو کہ بالاتفاق واجب ہے۔

۴: کفن دیا جائے: جس طرح میت کو غسل دینا واجب ہے اسی طرح اسے کفن دینا بھی واجب ہے۔

(۵) حنوط کیا جائے یہ بھی منجملہ واجبات کے ہے جو غسل کے بعد اور کفن کے ساتھ یا اس کے بعد واجب ہے۔

۶: نماز جنازہ ادا کی جائے: (۷) جنازہ کی تشییع کی جائے (۸) ان سب امور کی بجاآوری کے بعد اسے دفن کیا جائے (۹) تلقین پڑھی جائے (۱۰) قبر مرتفع و مسطح (چوکور اور ہموار) بنائی جائے جو زمین کی سطح سے صرف چار انگشت کشادہ یا زیادہ سے زیادہ ایک بالشت تک بلند ہو اسے زیادہ بلند کرنا خلاف سنت ہے۔ بلکہ مکروہ ہے (۱۱) قبر پر مٹی ہموار کرنے کے بعد اس پر پانی چھڑکا جائے (۱۲) پانی چھڑکنے کے بعد حاضرین قبر پہ ہاتھ رکھ کر اور روبقبلہ ہو کر دعا کریں اور سورۃ انا انزلناہ سات مرتبہ پڑھیں (۱۳) مرنے والے کے نام کی تختی قبر پر نصب کی جائے (۱۴) مرنے والے کے پسماندگان کو تعزیت مسنونہ پیش کی جائے۔

(۱۵) پسماندگان کو تسلیم و رضا اور صبر و ضبط سے کام لینا چاہیئے۔

(۱۶) تین دن تک مرنے والے کا سوگ منایا جائے اس کے بعد صف ماتم برخواست کردی جائے۔

(۱۷) تین دن تک پڑوسی اور رشتہ دار مصیبت زدہ کنبہ کے طعام کا انتظام کریں۔ (۱۸) شب دفن میت کیلئے صدقہ دیا جائے اور نماز وحشت القبر پڑھی جائے۔

(۱۹) بعض آثار سے شب اول قبر پر قرآن خوانی کرنے کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے۔

۲۰: اہل ایمان کی قبروں کی زیارت کیجائے: نصوص وفتاوے اس بات پر متفق ہیں کہ

کہ اہلِ ایمان کی قبور کی زیارت کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ اور بے حد حساب ثواب کے علاوہ بے شمار دینی و دنیوی فوائد و عوائد کا باعث ہے صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب تم انکی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلائیں گی۔ اور دنیا سے بے رغبتی بڑھائینگی۔ اگرچہ زیارت ہر وقت کی جاسکتی ہے مگر شبِ جمعہ اور صبح جمعہ اس کی زیادہ تاکید وارد ہوئی ہے۔

اہلِ قبور کو سلام کرنے کا طریقہ یہ ہے۔

السلام علیٰ اہل الدیار من المومنین والمسلمین انتم لنا فرط ونحن انشاء اللہ بکم لاحقون۔

بعد ازاں آیت الکرسی ایک بار اور سورۃ توحید (قل ھو اللہ) گیارہ بار پڑھ کر ان کی ارواح کو ایصالِ ثواب کرنے کا بہت ثواب وارد ہوا ہے۔

تتمہ مہمہ در ثواب زیارت قبور ائمہ جب عام اہل ایمان کی قبور کی زیارت کا اس قدر ثواب ہے تو جو ذوات عالیہ اہل ایمان کے سردار اور ان کے آقائے نامدار ہیں۔ یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام ان کے حین حیات کی طرح ان کے مزاراتِ مقدسہ کی زیارت کرنے کا کس قدر ثواب ہوگا؟ اس کا اندازہ لگانا ہمارے عقول و افہام کا کام نہیں ہے۔ پس اتنا جاننا کافی ہے کہ جو مومن دارِ دنیا میں ان کی زیارت کریگا۔ وہ بروزِ محشر اس کی زیارت کریں گے۔ اور اسے شدائدِ قیامت سے نجات دلائیں گے

(کامل الزیارۃ)

ہاں البتہ۔ اس سلسلہ میں دو چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے وغیرہ ایک یہ کہ ان کے مزارات مقدسہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔ دوسرے حصولِ

حاجات کے لیے دعا خالق دو جہان سے کی جائے۔ اور وسیلہ و واسطہ ان ذوات مقدسہ علیہم السلام کا دیا جائے۔ (واللہ الموفق)

(والی غیر ذالک من الواجبات والمستحبات والآداب الکثیرۃ المذکورۃ فی کتب السنن والآداب الشرعیہ)

جہاں تک ان مذکورہ بالا امور کی تفصیلات و جزئیات کا تعلق ہے تو ان کے معلوم کرنے کے لیے کتب فقہیہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس مختصر میں ان کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

ویسے اس سلسلہ میں ہماری کتاب قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ کافی ووافی ہے۔ قد جاء کم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا علیکم بحفیظ۔

ان غلط رسموں کا بیان جو غم کے اس موقع پر ادا کی جاتی ہیں

اور یہ غلط رسمیں بہت سی ہیں جن میں سے جو زیادہ اہم ہیں ہم سلسلہ وار ان کا ذیل میں تذکرہ کرتے ہیں۔

(۱) غلط وصیت کرنا

کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مرنے سے پہلے وصیت تو کرتے ہیں مگر غلط اور وہ اس طرح کہ شرعاً جو جائز اور صحیح وارث ہوتے ہیں انکو محروم کر جاتے ہیں اور جو شرعی وارث نہیں ہوتے ان کو نواز جاتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں وارد ہے کہ جو دُور کے رشتہ دار ہیں انکو بھی کچھ دینے کی وصیت کرنا چاہیئے اور جو ایسا نہیں کریگا وہ اپنے اعمال کا خاتمہ گناہ پر کریگا۔

(من لم یوص عند موتہ لذوی قرابتہ ممن لا یرثہ فقد

خمتم عملہ بمعصیتہ) ——————— (وسائل الشیعہ

چہ جائیکہ کوئی شیعہ کہلانے والا اور زندگی بھر دختر رسولؐ کی محرومی پر آہ و بکا کرنے والا اپنے جگر کے ٹکڑوں یعنی بیٹیوں کو محروم کر کے ساری جائداد اپنی اولاد ذکور کے نام لکھوا کر جائے یا یہ وصیت کر جائے کہ لڑکیوں کو محروم کر کے اسکی ساری جائداد صرف لڑکوں کو دیدی جائے؟

حالانکہ شرعی نقطۂ نگاہ سے اگر لڑکیاں لڑکوں سے بہتر نہیں ہیں تو ان سے کسی طرح کمتر بھی نہیں ہیں لڑکے نعمات ہیں تو لڑکیاں حسنات ظاہر ہے کہ حسنات پر اجر و ثواب ملتا ہے اور نعمات کا حساب کتاب دینا پڑتا ہے۔ (ارشاد صادق آل محمدؐ

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدائے رحیم بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیوں پر زیادہ مہربان ہے (وسائل)

جناب خلیلؑ نے یہ کہہ کر خدا سے لڑکی مانگی تھی کہ

"جو روئے ان پر بعد ان کی وفات کے"

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

کیا اچھی اولاد ہیں لڑکیاں جو نیکی کرنے والیاں ہیں جو ہر وقت کام کرنے کے لیے تیار رہتی ہیں اور جانثار و محبت کرتی ہیں (ایضاً)

جس لڑکے کو جناب خضر علیہ السلام نے بحکم خدا قتل کیا تھا کہ مبادا بڑا ہو کر اپنے مومن ماں باپ کو بے ایمان نہ بنا دے۔ خلاق عالم نے اسکے قتل کے بعد اس کے والدین کو ایک ایسی بابرکت لڑکی عطا فرمائی تھی جس کی نسل سے ستر نبی پیدا ہوئے تھے۔ (ایضاً)

لڑکیوں کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانے والے بتائیں کہ لڑکے بہتر ہیں

لڑکیاں ؟ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ لوگ ایسے جگر گوشوں کو محروم وراثت کر کے ساری جائیداد کا وارث ان کو بنا جاتے ہیں جو نہ معلوم ان کی موت کے بعد ان کے لیے فاتحہ بھی پڑھیں گے یا نہ معلوم ایسے ظالم باپ خداوند عالم کو کیا جواب دیں گے ؟

اور ایسے لوگ بروزِ قیامت رسولؐ و آل رسولؑ کو کیا منہ دکھائیں گے ؟ ڈرو اس دن سے جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔

یوم لاینفع مال ولا بنون ۝ الا من اتی اللہ بقلب سلیم ۝

اسی طرح بعض بے اولاد لوگ اپنے جائز وارثانِ بازگشت کو محروم کر کے اپنی ساری جائیداد اپنی چہیتی بیویوں کے نام کروا جاتے ہیں اور پھر ان کی جائیداد کا جو حشر ہوتا ہے وہ دنیا دیکھتی ہے ۔ مقام عبرت ہے ۔

۲ ، قبر کا کوہان دار بنانا اور ان پر قبہ تعمیر کرنا :

پہلے گذر چکا ہے کہ قبر چوکور اور ہموار بنانی چاہیئے ۔ یہ جو عام لوگ کئی منزلہ قبریں بناتے ہیں اور کچھ نہیں تو درمیان میں ایک کوہان نما بلندی تو ضرور رکھ دیتے ہیں ۔ روایات اہلِ بیتؑ میں اسے یہودیوں کا شعار قرار دیا گیا ہے ۔ (فروع کافی)

اسی طرح بعض لوگ اپنے حین حیات میں اپنے لیے یا ان کے لواحقین ان کی موت کے بعد قبروں پر بڑے بڑے قبے تعمیر کراتے ہیں ۔

ارشادات معصومین میں اسکی بھی مناہی و ممانعت وارد ہوئی ہے ۔ (وسائل الشیعہ وغیرہ)

لہٰذا اس سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے ۔ ہاں البتہ بنا بر مشہور انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے قبور مقدسہ اس کراہت سے مستثنیٰ ہیں (واللہ العالم)

۳: میت کو کسی قبر کا طواف کرانا

اکثر لوگ مرنے والوں کو مزارات مقدسہ کا طواف کراتے ہیں

حالانکہ یہ رسم بدو وجہ غلط ہے۔ اولاً اسلیے کہ طواف صرف خانہ کعبہ کا جائز ہے (جو کہ ایک عبادت ہے اور ہر ایک طواف بمنزلہ دو رکعت نماز کے ہوتا ہے) اس کے علاوہ اسلام میں کسی اور چیز کا طواف بہ نیت طواف جائز نہیں ہے۔

عام اس سے کہ طواف کرنے والا زندہ ہو یا مردہ۔ ثانیاً اسلئے کہ روایاتِ اہلِ بیتؑ میں خصوصی طور پر اس عمل کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ صادقینؑ میں سے ایک بزرگوار سے مروی ہے فرمایا نہ پیشاب کرو کھڑے ہوئے پانی میں اور نہ طواف کرو قبر کا۔ (بحار الانوار ج ۲۲)

جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری قبر کو قبلہ و مسجد نہ بنانا۔ خدا لعنت کرے یہود پر جنہوں نے انبیاءؑ کے قبور کو قبلہ بنا دیا۔

(وسائل الشیعہ)

علاوہ بریں چونکہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے نہ خود کبھی کام کیا ہے اور نہ ہی اسکے کرنے کی کسی کو اجازت دی ہے اسلیے ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اور طواف صرف خانہ کعبہ کا کرنا چاہیئے و بس!

(۴) مخفی نہ رہے کہ قبور پر خیرات تقسیم کرنا اور جانور ذبح کرنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے لہٰذا اس سے بھی اجتناب کرنا لازم ہے۔

اسی طرح قبروں پر مسجد بنانے یا قبر کو مسجد بنانے سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے تاکہ یہ فعل کسی ظاہر بین کے لیے عبادت قبور کرنے کا سبب بن جائے

(۵) نیز قبروں پر چراغ جلانے کی بھی شرعاً ممانعت وارد ہوئی ہے لہٰذا ان

سب احداث و بدعات سے احتراز لازم ہے۔

(۱) خاندانی قبرستان یا دیگر مقامات مقدسہ کی طرف میت کا نقل کرنا

عام لوگ اپنے مرنے والوں کو ان کے آبائی قبرستان میں لے جاکر دفن کرتے ہیں۔

(خواہ وہ کتنا ہی دور کیوں نہ ہو) اور وہ آبائی خاندانی قبرستان کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اگر کہیں سفر میں مرجائیں تو ان کی لاش یا اس کی ہڈیوں کو بھی وطن لاکر اپنے آبائی قبرستان میں دفن کرتے ہیں جہاں بالعموم کسی نہ کسی پیر فقیر کا مزار ہوتا ہے۔

بلکہ شریعت مقدسہ کا حکم یہ ہے کہ مرنے والا جہاں مرے اسے وہیں دفن کرنا چاہیئے اور کچھ لوگ اپنے مرنے والوں کو زر کثیر صرف کرکے اور بڑی محنت و مشقت برداشت کرکے اپنے بزرگان دین کے مزارات مقدسہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور وہاں جاکر دفن کرتے ہیں۔ ان مقامات مقدسہ کی عظمت اور وہاں دفن کرنے کا فائدہ؟ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

مگر کلام اس میں ہے کہ جہاں کوئی شخص مرے اسے وہیں دفن کرنا چاہیئے یا دور دراز مقامات سے لے جاکر وہاں دفن کرنا چاہیئے۔؟ اس کے جواز و عدم جواز کے متعلق علماء اعلام اور فقہاء عظام میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس موضوع پر بعض علماء کرام نے مستقل کتب و رسائل لکھے ہیں۔

اگرچہ علماء متاخرین میں جواز والے قول کو شہرت حاصل ہے مگر بعض بڑے اکابر علماء اس فعل کے عدم جواز کے بھی قائل ہیں۔

یہاں اس اختلاف کی وجہ اور پھر ہر فریق کے دلائل ذکر کرنے اور پھر احقاق ما ہو الحق کرنے کی گنجائش نہیں ہے علاوہ بریں یہ ایک

خالص علمی بحث ہے۔ جو اس علمی و اصلاحی کتاب کے موضوع سے خارج ہے یہاں تو صرف اس قدر عرض کرنا کافی ہے۔ کہ احوط و اولیٰ یہی ہے کہ جس کا جہاں انتقال ہو اسے وہیں سپرد خاک کر دیا جائے۔ ہمارے متعدد اخبار و آثار کے مطابق مومن کائنات کے جس گوشہ میں بھی مرے اور جہاں بھی دفن ہو۔ اس کی روح بہرحال امیرالمومنین کی مقدس وادی (وادی السلام) میں پہنچ جاتی ہے تو پھر اس ظاہری تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

بقولِ شاعر ؎

تو ہی یقین ہے مجھ کو دیکھ لیں وہاں یہ مومنین
اُٹھوں گا میں بروزِ حشر وادی السلام سے (انشاء اللہ العزیز)

ایک عامۃ البلویٰ غلطی کا ازالہ: یہ چیز سابقہ مسئلہ کی ہی ایک کڑی ہے کہ کچھ لوگ جو اپنے مرنے والے کو کسی مشہد مقدس لے جا کر دفن کرنا چاہتے ہیں مگر سردست حالات اجازت نہیں دیتے تو وہ میت کو امانتی طور پر دفن کر دیتے ہیں اور جب استطاعت ہوتی ہے تو قبر اکھیڑ کر اور میت کو نکال کر منزل مقصود کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ اگر وہاں منتقل کرنا ہی ہے تو پھر اسے پہلے دن ہی لے جائیں اس امانتی دفن اور پھر قبر کشائی میں بہت قوی اشکال ہے۔ چنانچہ فیلسوف الفقہاء جناب آقا سید ہبۃ الدین شہرستانی (صاحب الطیبۃ والاسلام) نے اپنے رسالہ "الدلائل و المسائل" میں اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے (اور خوب لکھا ہے) "کہ اگر یہ (امانتی دفن) واقعی شرعی دفن ہے تو پھر قبر کا اکھیڑنا حرام ہے اور اگر یہ شرعی دفن نہیں ہے تو مرنے والے

کو بغیر دفن کے دیسے رکھنا حرام ہے"

لطف یہ ہے کہ برادران اسلامی کے نزدیک بھی یہ مسئلہ اسی طرح ہے۔ چنانچہ فاضل بریلوی ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں

"یہ فعل حرام ہے دفن کے بعد قبر کشائی جائز نہیں نیز دور دراز مقامات پر میت کا لے جانا بھی جائز نہیں"

(فتاوٰی رضویہ ج ۴ ص ۱۱۱)

ائمہ اطہارؑ کے ظاہری حین حیات میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ یہ کہیں نہیں ملتا کہ اس دور کے موالیان اہلبیتؑ اپنے مرنے والوں کو دور دراز مقامات سے لے جاکر مزارات مقدسہ کے پاس دفن کرتے تھے۔ دین اسلام ایک سادہ وسہل اور فطری دین ہے۔ خدارا اسے اسکی اصلی شکل پر رہنے دو۔ اس میں اپنی طرف سے من مانی کاروائیاں کرکے اور مولوی صاحبان سے ہر بات کے جواز کے فتوے لیکر اس کا حلیہ نہ بگاڑو۔ جہاں ائمہ کی ذات یا ان کا نام درمیان میں آجائے وہاں کوئی مفتی چون وچراں کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ بلکہ محض اس خیال کے پیش نظر کہ کہیں رائے عامہ اسکے خلاف نہ ہوجائے وہ ان کی ہاں میں ہاں ملانے میں اپنی سلامتی سمجھتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

۵

وھل افسد الدین الا الملوک ❊ واحبار سوء ورھبانہا

مگر شریعت کا راستہ چونکہ سر کے اوپر سے ہوکر گزرتا ہے اسلئے ان ذوات مقدسہ کے مشن کی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے۔ اور حق کی رعایت اور اس

کی اتباع ہر حال میں لازم ہے والحق احق ان یتبع - اگر ہمارا فرض منصبی ان تلخ حقائق کے اظہار پر ہمیں مجبور نہ کرتا تو ہم کبھی کبھی اپنی برادری کی اکثریت کی ناراضی مول لے کر ان باتوں کو بذریعہ تقریر و تحریر بیان نہ کرتے مگر کیا کریں کہ فرض کی ادائیگی ان تلخ حقائق کے اظہار پر مجبور کرتی ہے۔

اس لیئے سے
لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خونچکاں ؛ ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

۵: فاتحہ خوانی کا مروّجہ طریقہ:

اس معاملہ میں شریعت مقدسہ کا فیصلہ یہ ہے کہ صرف تین دن صفِ ماتم بچھائی جائے اور صرف تین دن تک مرنے والے کا سوگ منایا جائے۔

(ہاں البتہ مرنے والے کی بیوہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ اسے چار ماہ اور دس دن تک سوگ منانے کا حکم ہے) اس دوران لوگ آئیں اور مرحوم کے پسماندگان کو تعزیت پیش کریں تسکین و تسلی کے کلمات سے ان کی دل جوئی کریں مرنے والے کی مغفرت کی دعا کریں - اگر مزید برآں ہو سکے تو تلاوتِ قرآن سے مرحوم کی روح کو شاد کام کریں۔ اور اس تین دن کے دوران پڑوسیوں اور مرحوم کے دور کے رشتہ داروں کو چاہیئے کہ پکا پکایا کھانا سوگواروں کے گھر پہنچائیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا کہ جب جناب جعفر طیار رضؓ شہید ہوئے تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو حکم دیا کہ اسماء بنت عمیس (بیوۂ جناب جعفر طیارؓ) کے لیئے کھانا پکائیں اور خود دوسری عورتوں کے ساتھ ان کے پاس لے جائیں اور تین دن تک ایسا کریں اس سے یہ سُنت

جاری ہوگئی کہ مصیبت زدگان کے لیئے تین دن تک کھانا پکایا جائے۔* (وسائل الشیعہ)

مگر آجکل ہوتا یہ ہے کہ اُمراء طبقہ تو پورے چالیس دن تک متوسط طبقہ بیس دن تک اور غربا بھی ہفتہ عشرہ تک صف ماتم بچھاتے ہیں جو بجائے خود غلط ہے۔

اور بجائے اس کے کہ وہاں بیٹھ کر مرنے والے کے ایصال ثواب کے لئے کچھ قرآن پڑھا جائے یا کچھ دعائے مغفرت کی جائے۔ اُلٹا وہاں دنیا بھر کی ہزلیات وخرافات بکی جاتی ہیں سارے جہاں کے قصے اور کہانیاں بیان ہوتی ہیں۔ اہلِ اسلام وایمان کی غیبت ہوتی ہے اہل ایمان کی توہین ہوتی ہے اور بجائے اس کے کہ پکا پکایا کھانا سوگواروں کے گھر بھجوایا جائے بلکہ کیا پڑوسی اور کیا رشتہ دار کیا ایرے غیرے اور کیا نتھو خیرے سب وہیں بیٹھ کر کھاتے ہیں اور دعوتیں اُڑاتے ہیں۔

اور اگر ذرہ بھر ان کے ٹھہرانے، بٹھانے اور خاطر مدارات کرنے میں کمی ہو جائے تو ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور فتنہ جگاتے ہیں اور سوگوار بھی بجائے اس کے کہ صرف سبزی دال پکائیں بلکہ موجودہ رسم ورواج کے ماتحت بلکہ غلط نام ونمود کی خاطر اسراف کرتے ہیں اور صرف گوشت روٹی پر بھی اکتفا نہیں کرتے بلکہ پلاؤ، چلاؤ، حلوے اور جلوے کا اہتمام کرتے ہیں اور بڑی دھوم دھام سے ضیافتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

حالانکہ ضیافت شادی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم کے مقام پر۔ صاحب عزا کی استطاعت ہو یا نہ ہو یہ اسراف اور یہ خرچہ موت کا ایسا لازمہ بن گیا ہے کہ خواہ قرض لینا پڑے مگر یہ کرنا ضروری ہے جس سے کئی خاندان تباہ ہو رہے ہیں کئی علاقوں میں یہ رسمِ بد جاری ہے کہ میت کو دفن کر چکنے کے بعد قبرستان

---

* ایک روایت میں پڑوسیوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ پکا پکایا کھانا سوگواروں کے گھر بھجوائیں۔

میں حلوہ تقسیم کرتے ہیں۔ اور واپسی پر سب شرکاء کو زردہ کھلاتے ہیں۔
انا للہ وانا الیہ راجعون مرنے والا الگ مرتا ہے اور گھر کا کونڈا الگ ہوتا ہے
انہی حقائق کے پیش نظر اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا ؎

جانتا ہوں مرنے کے بعد کیا ہوگا ؛ پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

حالانکہ ہونا یہ چاہیئے کہ اگر بعض وجوہ کی بنا پر سوگواران کے خاندان کے لیے خود روٹی پکانا ناگزیر ہو تو ان کو چاہیئے کہ نام و نمود سے بالاتر ہو کر (اور برادری والے بھی یہ سمجھ کر یہ تقریب غم ہے تقریب شادی نہیں ہے ناک بھوں نہ چڑھائیں) صرف دال روٹی یا سادہ سبزی اور روٹی پر اکتفا کریں۔ اور اگر ایصال ثواب کے لیے کسی کو کھانا کھلانا چاہیں تو غریبوں کو کھلائیں جو کم از کم کھا کر دعا تو دیں گے اور اور مرنے والے کو بھی ثواب ملے گا

نیز فاتحہ خوانی کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ پورے پورے خاندان کے ساتھ وہاں دھرنا مار کے نہ بیٹھ جائیں بلکہ فاتحہ پڑھتے جائیں، پرسہ دیتے جائیں اور پانی کے وقت پر پانی اور چائے کے وقت پر چائے اور روٹی کے وقت پر سادہ روٹی کھاتے جائیں اور رخصت ہوتے جائیں (بلکہ ممکن ہو تو بغیر کچھ کھائے پیئے رخصت ہوتے جائیں)

سوگوار خاندان کے پاس روٹی کھانے کی دور جاہلیت والی رسم کو ختم کردیں۔ جیسا کہ حضرت صادق آل محمد نے اسے دور جاہلیت کی رسم قرار دیا ہے۔

(وسائل الشیعہ)

مگر یہ کہ کوئی شخص دور سے آئے اور کوئی متبادل انتظام ممکن نہ ہو تو یہ الگ چیز ہے (الضرورات تبیح المحذورات)

لمضاح	بعض وہ لوگ جن کو بزعم خود توحید کی زیادہ یاد لگ گئی ہے

یعنی وہ تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے فاتحہ و دعا پڑھنے کو بھی بدعت قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ سُنّت ہے جیساکہ بخاری ج ۲ صـ ۶۱۹ مسلم صـ ۳۰۳ پر مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے صحابی عبید ابو عامر کی خبر وفات سنکر رفع یدیہ ہاتھ اُٹھائے اور ثم قال اللھم اغفر لجبید ابی عامر یعنی یا اللہ! ابو عامر کی مغفرت فرما - اسی طرح قبر پہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بھی جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ثابت ہے (ملاحظہ ہو مسلم ج ۱ صـ ۳۱۳ ج ۲ صـ ۲۱۸)

(۶) قل خوانی (۷) تیجہ (۸) دسویں (۹) چالیسواں (۱۰) چھ ماہی (۱۱) برسی

دین اسلام میں اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ مرنے والے کا تین دن سوگ منایا جائے - اور تیسرے دن صفِ ماتم اٹھالی جائے - اللہ اللہ خیر سلا - یہ قل خوانی (اور اس موقع پر کئی قسم کا کھانا کپڑے (اور وہ بھی کسی چھج یا تھال میں رکھ کر) کئی قسم کا پھل فروٹ دودھ شربت وغیرہ وغیرہ - (اور بعض افراد کے ہاں تو جہیز کی طرح "رست پیچھی" کا مکمل سازو سامان) اور پھر سب کچھ پہلے مولوی صاحب کے سامنے رکھا جاتا ہے اور جب وہ اس پر چند مخصوص سورتیں اور کچھ اذکار پڑھ لیں اور مرنے والے کو جنت میں پہنچا لیں تو پھر سب سامان سیدھا ان کے گھر پہنچا دیا جاتا ہے -

اسی طرح قل خوانی کے بعد دسواں، دسویں کے بعد بیسواں، اور سب آخر میں چالیسواں، اور بعد ازاں چھ ماہی پھر سال کے بعد برسی اور اس موقع پر کھانے دانے کی بہتات ہم نے پوری دیانتداری کے ساتھ پورے گلشن شریعت کی سیر کی ہے - تمام اسلامی مکتبہ ہائے فکر کی مذہبی کتابیں دیکھی پڑھی ہیں مگر ہم یہ اقرار کرنے میں ذرہ بھر خجالت محسوس نہیں کرتے کہ ہمیں اس سلسلہ میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز نہیں ملی! پھر یہ رسم کہاں سے آئی؟ کس طرح جاری

ہوئی؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟ کچھ بھی تو معلوم نہیں ہے۔

یہ سب باتیں تاریکی میں ہیں لے دیکر جو کچھ سمجھ میں آتا ہے (خدا بدگمانی سے بچائے) وہ یہ ہے کہ یہ عہد غربت کے نیم خواندہ ملاؤں کی ذہنی اختراع ہے اور تنورِ شکم کو پُر کرنے کا ایک بہانہ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے افسوس ؎

حقیقت روایات میں کھو گئی ❋ یہ اُمت خرافات میں کھو گئی

اور یہ رسم بھی صرف ہندو پاک میں رائج ہے، باقی اسلامی ممالک میں اس کا کوئی نام ونشان بھی نہیں ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ یہ رسم ہندوؤں کے ساتھ طویل اختلاط کی وجہ سے ان کے تیجہ کو دیکھ کر ایجاد ہو گئی ہے۔ (کذافی البراہین القاطعہ)

لہٰذا ان رسموں کو ختم کرنا جملہ اہل ایمان کا مذہبی فریضہ ہے۔

(۱۲) ان امور کے جواز کا طریقہ

اور اگر کسی وجہ سے فی الجملہ یہ رسم ادا کرنا پڑے تو اس کی مذکورہ بالا خصوصیات و لوازمات کو نظر انداز کر کے صرف یہ سمجھ کر کہ نیک نیتی سے جو کچھ کارِ خیر مرنے والے کے لیے کیا جائے چونکہ اس کا ثواب اسے ملتا ہے اس لیے خواہ تیسرے دن ایصالِ ثواب کی نیت سے قرآن پڑھا پڑھایا جائے یا مجلس سید الشہداء پڑھی پڑھائی جائے یا غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے اور خواہ اس سے قبل یا اس کے بعد اس مرنے والے کی روح کو فائدہ ہوتا ہے اسلئے اجتماعی یا انفرادی طور پر پورا قرآن یا حسب توفیق اس کی چند سورتیں پڑھ کر مرحوم کی روح کو ایصالِ ثواب کر دیا جائے۔ شائد اس رسم کا نام "قل خوانی" غالباً اسلئے پڑ گیا ہے کہ اس میں بالعموم چاروں قُل پڑھے جاتے ہیں (واللہ العالم)

(۱۳) گیارہویں شریف:

گو یہ رسم ہمارے ہاں نہیں ہے لیکن صرف بر سبیل تذکرہ عرض کیا جاتا ہے کہ برادرانِ

اہلسنت اپنے پیران پیر کی ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو جو "گیارھویں شریف" کے نام سے رسم ادا کرتے ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت بالکل کچھ بھی نہیں ہے بلکہ یہ محض بدعت ہے۔ کیونکہ نذر و نیاز مالی عبادت ہے اور تمام عبادات کا مستحق صرف خداوند عالم ہے۔

ان سادہ لوح مسلمانوں کی حالت زار پر ترس آتا ہے کہ وہ ہر ماہ بڑے دھوم دھام سے پیران پیر کے نام کی گیارہویں شریف دیتے ہیں اور پیر صاحب انکو اور ان کے امام اعظم کو اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں جہنمی قرار دیتے ہیں (ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین ص بضمن شمار جہنمی فرقہائے باطلہ) اور نہ ہی خود پیر صاحب کسی یوم منانے کے قائل ہیں جیساکہ انہوں نے یوم عاشورار کو یوم حزن و ملال منانے کی ممانعت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر یہ جائز ہوتا تو پھر پیغمبر اسلام کا یوم وصال منانا بطریق اولی جائز ہوتا۔

علاوہ بریں گیارہ تاریخ موصوف کی تاریخ وفات بھی نہیں کیونکہ ان کی تاریخ وفات کوئی ربیع الثانی کی ۸ تاریخ بتاتا ہے۔ تو کوئی ۹ تو کوئی ۱۰ بیان کرتا ہے تو کوئی سترہ ۱۷ —— اور یہاں تو بالالتزام ہر ماہ کی گیارہ ہی منائی جاتی ہے جس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ بے چارے تو نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

دراصل خلاف شرع کام کرنے کا انجام یہی ہوتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

جزع فزع کرنا

کسی عزیز چیز کی جدائی پر غمناک ہونا اور اشک غم بہانا ایک ایسا فطری امر ہے جس سے کوئی روکے بھی تو کوئی مصیبت زدہ آدمی رک نہیں سکتا۔ اسلئے دین فطرت نے

اسے رد کیا ہی نہیں ہے۔ بے شک مصیبت زدہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ روئے اور بیشک دل کھول کر روئے۔ یہ بے صبری نہیں، ہاں یہ کوشش کرے کہ اپنے قول وفعل سے کوئی ایسی بات نہ کہے اور نہ کرے جس سے خدائے عادل وحکیم کی قضاوقدر پہ ناراضی ظاہر ہوتی ہو۔ تاکہ وہ بات خدا کی ناراضی کا باعث نہ بن جائے جیسے بال نوچنا، ران وغیرہ پہ ہاتھ مارنا کپڑے پھاڑنا۔ اور منہ سے ایسے ناشائستہ کلمات کہنا جن سے خدائی فیصلہ پہ ناراضی ظاہر ہوتی ہو جائز نہیں ہے اور ایسا کرنے سے جہاں مصیبت کا اجر وثواب ضائع واکارت ہوجاتا ہے۔

وہاں الٹا آدمی عقاب عذاب کا مستحق بھی قرار پاتا ہے اسلئے ہر حال میں آدمی کو صبر ضبط اور رضا وشکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

مگر مخفی نہ رہے کہ روایات آل محمد علیہم السلام میں وارد ہے کہ

ایضاح

"کل جزع وفزع قبیح الا علی الحسین"

کہ ہر قسم کی جزع وفزع قبیح ہے سوائے اس جزع وفزع کے جو حضرت امام حسینؑ پر کی جائے کہ وہ قبیح نہیں ہے) (وسائل، وافی)

تفصیل کے لیے تجلیات صداقت کی طرف رجوع کریں۔

۱۳: میت کے واجبات ادا نہ کرنا

مرنے والے کے ساتھ اس سے بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں کی جاسکتی کہ اگر اس کے ذمہ خالق یا مخلوق کے واجب الادا حقوق ہیں تو ان کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے۔ بلکہ بعض روایات میں تو یہاں تک وارد ہے (اور اسی کے مطابق عام فقہاء کا فتوے بھی ہے کہ مرنے والے کے وارث جب تک اپنے مورث کے واجبی حقوق ادا نہ کریں اس وقت وہ شرعاً

اس کی جائداد کے مالک وارث ہی متصور نہیں ہوتے۔ مگر ہمارے یہاں ہوتا یہ ہے کہ مرنے والے کے واجبات کی ادائیگی کی طرف بالکل کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ ہاں البتہ زیادہ سے زیادہ اس کے ایصال ثواب کی خاطر سال میں ایک آدھ مجلس پڑھا دی جاتی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مجلس سید الشہداء اگر صحیح طریقہ پہ پڑھائی جائے تو کارِ ثواب ہے، اور بخشش گناہ کا ذریعہ ہے۔

مگر بایں ہمہ وہ ان واجبات کا نعم البدل تو نہیں ہے جو مرنے والے کے ذمہ ہیں اور جن کی ادائیگی اسکے ورثہ کے ذمہ واجب ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مستحبات کی قبولیت کا دارو مدار واجبات کی ادائیگی پر ہے مستحبی صدقہ اس وقت تک قبول ہی نہیں ہوتا جب تک واجبات ادا نہ کئے جائیں۔ مستحبی روزہ اس وقت تک شرف قبولیت حاصل نہیں کر پاتا جب تک واجبی روزے ادا نہ کیے جائیں۔

اور اسی طرح نوافل اس وقت تک بارگاہ ایزدی میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک واجبی نمازیں ادا نہ کی جائیں کیونکہ

اِنما یتقبل اللہ من المتقین

خدا صرف متقیوں کا عمل قبول کرتا ہے

اور واجبات کا تارک متقی نہیں ہوتا

میراث غلط تقسیم کرنا

بالعموم ہوتا یہ ہے کہ رائج الوقت ملکی قانون کے مطابق مرنے والے کی میراث تقسیم ہوتی ہے جو عموماً شرعی نقطہ نگاہ سے غلط ہوتی ہے اسی وجہ سے کئی جائز وارث محروم ہو جاتے ہیں اور کئی ناجائز وارث مالا مال ہو جاتے ہیں۔ اہلِ ایمان کو

معلوم ہونا چاہیئے کہ جب تک قانون شریعت کے مطابق کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ دنیوی قانون ہزار بار دلوائے اسسے وہ جائز وارث متصور نہیں ہونگے بلکہ وہ غاصب سمجھے جائیں گے۔ اور جب تک اصلی اور جائز وارثوں کو راضی نہیں کریں گے اس وقت تک شرعاً ان کے تمام تصرفات ناجائز سمجھے جائیں گے۔ (واللہ العاصم)

بیوہ کا عقد ثانی نہ کرنا اور بیوہ سے بدسلوکی کرنا

ہندومت کی رُو سے ایک ہندو عورت کی یہ بدنصیبی ہے کہ وہ شادی کے خواہ دوسرے دن ہی بیوہ ہو جائے وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی بلکہ اس کی چوڑیاں توڑ دی جاتی ہیں اور وہ بناؤ سنگھار نہیں کر سکتی دوپٹہ میلا اوڑھتی ہے اور وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ اٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتی گویا اسکے شوہر کے مرنے کے ساتھ اس کی جوانی کے جذبات بھی مرجاتے ہیں۔

یہ حقیقت بڑی افسوسناک ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ میل جول اور ان کے ساتھ رہن سہن کیوجہ سے اسلامی معاشرہ میں بھی یہ چیز سرایت کر آئی ہے کہ وہ بیوہ کی عزت نہیں کرتے شادی بیاہ اور خوشی کی دوسری تقریبوں میں بیوہ کی موجودگی کو منحوس خیال کرتے ہیں۔ اسلئے ان تقریبات سے اسے دور رکھتے ہیں اس غلط روش و رفتار کا نتیجہ ہے کہ بیوہ عموماً احساس کمتری اور احساس بدنصیبی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور خود بخود میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس رہ کر اس قسم کی خوشی کی تقریبوں سے الگ تھلگ رہتی ہے اور اپنی حرمان نصیبی یا معاشرہ کی ستم ظریفی پر چپکے چپکے اشک غم بہاتی ہیں۔

بہر حال وہ بے چاری بیوگی کی زندگی عموماً اپنے میکے میں گزار دیتی ہے مگر وہاں

بھی اس کی کوئی قدر وقعت نہیں ہوتی۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں ہے کہ رنڈے مرد تو جب چاہیں اور جس قدر چاہیں۔ دوسری شادیاں کر لیں مگر مظلوم بیوہ کو اسکے اس فطری اور شرعی حق سے محروم سمجھا جائے؟ اور اگر کوئی بیوہ ظالم سماج کی اس ظالمانہ رسم کو توڑ کر عقد ثانی کر لے تو اسکے اس کا معاشرے میں اور بھی مقام گر جاتا ہے۔ اور اس کی رہی سہی کسر بعض علاقوں کی رسم "دوبجار" نے پوری کر دی ہے۔

بہر نوع ہندوؤں کی دیکھا دیکھی رفتہ رفتہ مسلمانوں میں بھی یہ رسم بد سرایت کر گئی ہے ۔۔۔ نے والے کی بیوہ (خواہ ایک رات کی دلہن ہو) عقد ثانی نہیں کرتی بلکہ عقد ثانی کرنے کو شانِ وفا کے خلاف جانتی ہے اور اگر وہ کرنا چاہے تو اس کے لواحقین راضی نہیں ہوتے معلوم ہونا چاہیئے کہ سوچ کا یہ انداز سراسر غیر اسلامی ہے۔

اسلام کا قرآن تو یہ کہہ کر اپنے وابستگان کو عقد بیوگان کی ترغیب دلاتا ہے۔

وَانْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ (پارہ ۱۸ سورۃ نور ع ۱)

اور اپنی رانڈوں کے نکاح کر دو اور اپنے قابل نکاح غلاموں اور کنیزوں کے بھی اگر وہ غریب نادار ہوں گے تو خدا انکو اپنے فضل و کرم سے تونگر بنا دے گا کیونکہ اللہ وسعت اور بڑے علم والا ہے)

اس آیت مبارکہ میں جہاں عقد بیوگان کی ترغیب دی گئی ہے وہاں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ غربت و مفلسی شادی کرنے میں رکاوٹ نہیں بننی چاہئیے

کیونکہ خدا نے خوش خبری دی ہے کہ تم شادی کرو خدا تمہیں مالدار بنا دیگا۔

بانیٔ اسلام نے بذاتِ خود بیوگان سے عقد ثانی فرما کر اس فعل کی اہمیت و افادیت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے۔ جسکے بعد مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہٰذا ان لوگوں کو اسوہ حسنہ نبویؐ کی روشنی میں اپنی روش و رفتار پر نظر ثانی کرنی چاہیئے جو اپنی جواں سال عزیزوں کی بیوگی کے بعد ان کے عقد ثانی کو شجرہ ممنوعہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس چیز کے تصوّر سے بھی لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔

اور وہ خواتین بھی غور کریں جو اس سے پہلو تہی کرتی ہیں کہ جس رسول کا وہ کلمہ پڑھتی ہیں ان کی ازواج کی اکثریت بیوگان پر مشتمل ہے۔ اب آپ کی مرضی خواہ رسول کو غلط کار کہیں (العیاذ باللہ) اور دین اسلام سے خارج ہو جائیں؟ یا اپنی سوچ کے اس انداز کو غلط قرار دیتے ہوئے عقد ثانی کرنے پر آمادہ اور تیار ہو جائیں۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

لمحۂ فکریہ: ارباب بسط و کشاد کو سوچنا چاہیئے کہ کیا خاوند کے مرجانے سے عورت کے جذبات بھی مرجاتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ اس ناروا اور غیر فطری اور غیر اسلامی پابندی سے اس قدر گھناؤنے اور سنگین جرائم جنم لیتے ہیں کہ جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا اسلیئے اس رسم بد کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اس ظلم و تعدی کا اور اس کے نتیجہ میں واقع ہونے والے جرائم کا خاتمہ ہو سکے۔ (واللہ الموفق)

کسی عزیز کی موت کو خدا کے قہر و غضب کی علامت سمجھنا:

نہ صرف عوام بلکہ اکثر خواص بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ جانی یا مالی نقصان کا نہ ہونا دولت

خدا ہونے کی اور اس کی رضامندی کی علامت سمجھتے ہیں۔ اور مالی یا جانی نقصان کا ہونا یا کسی عزیز کے داغِ مفارقت دے جانے کو دشمنِ خدا ہونے اور اس کے قہر و غضب میں مبتلا ہونے کی نشانی جانتے ہیں اگر قرآن و حدیث اور پیشوایانِ خلق کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو صورت حال اس کے برعکس نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جن کا کبھی جانی یا مالی نقصان نہ ہو۔ خدا ان پر اس قدر ناراض ہوتا ہے اور وہ خدا کی یاد و رحمت سے اس قدر دُور ہوتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین ان کے گھر میں کھانا بھی تناول نہیں فرماتے۔ (عین الحیوٰۃ)

اور دوسری طرف یہ وارد ہے۔ کہ

ان اللّٰہ اذا احب عبداً ابتلاہ بفقد احب اولادہ

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے سب سے زیادہ پیاری اولاد کے صدمہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

(رسالہ مسکن الفواد از شہید ثانیؒ)

بعض روایات میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص اس قدر اولاد و احفاد چھوڑ جائے کہ اس کی اولاد میں سے ایک ہزار مسلح نوجوان امام زمانہ کے ہم رکاب ہو کر اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر جہاد کریں تو جو اجر و ثواب اس شخص کو ملے گا۔ اس سے زیادہ ثواب اس شخص کو ملتا ہے۔ جس کا ایک بچہ اس کی زندگی میں مر جائے اور وہ اس کی موت پر صبر کرے (حلیۃ المتقین)

بعض اخبار و آثار میں وارد ہے کہ بروز قیامت جب خداوند عالم صغر سنی میں مرنے والے بچوں کو جنت الفردوس میں داخل کرنے کا حکم دیگا۔ تو وہ دروازہ جنت پر رک جائیں گے اور یہ کہہ کر جنت میں داخل ہونے

سے انکار کردینگے اور کہیں گے کہ ہم کس طرح بہشت میں داخل ہوں جبکہ ہمارے والدین عرصۂ قیامت کے مصائب میں گرفتار ہیں ۔ اس وقت خدائے رحیم فرمائے گا کہ یہ بچے سچ کہتے ہیں ۔ پہلے ان کے والدین کو جنت میں داخل کرو ۔ چنانچہ پہلے ان کے ماں باپ جنت میں داخل ہوں گے اور پھر وہ بچے داخل ہونگے

(سراج الشیعہ شرح لمعہ وغیرہ)

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی جانی یا مالی نقصان کا نہ ہونا دشمن خدا اور ان نقصانات کا ہونا دوست خدا ہونے کی علامت ہے ۔۔۔ نیز واضح رہے کہ احادیث میں وارد ہے کہ یہ ابتلاء و امتحان ایمان کی شدت و ضعف کے مطابق ہوتا ہے

اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل ۔

یعنی سب سے زیادہ مصائب و شدائد انبیاء پر نازل ہوتے ہیں

پھر درجہ بدرجہ اہلِ ایمان پر کیونکہ ع

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

بہرحال ضرورت اس چیز کی ہے کہ اس بدعتی سوچ کا زاویہ تبدیل کیا جائے اور اسلامی سوچ کا انداز اپنایا جائے ۔

۱۶: نمائشی ماتم اور بَین کرنا:

مرنے والے کے غم فراق اور درد جدائی میں رونا اور اظہار غم کرنا ایک فطری امر ہے اور دین اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے اس سے ہرگز منع نہیں کرتا ۔ یہ بات اپنی جگہ پر مسلم الثبوت ہے کہ یہ ایک فطری امر ہے اور یہ اس بے صبری میں داخل نہیں ہے جس سے شریعت مقدسہ میں روکا گیا ہے ۔ اور یہ خیال کرنا کہ کسی میت پر رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے نقض

قرآنی (اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی) کے مخالف ہونے کی بناء پر قابلِ قبول نہیں ہے۔

مگر ایسے مواقع پر فطری چیز کو ایک ڈرامہ کی شکل دیتے ہوئے ماتم اور بین کرنا اور ان مخصوص قسم کی عورتوں کی خدمات حاصل کرنا جن کا پیشہ ہی اجرت پر ماتم اور بین کرنا ہوتا ہے ـــــ وہ آئیں اور مخصوص انداز میں چیخیں مار کے روئیں، منہ پیٹیں اور بال نوچیں اور پھر مرنے والے کی جھوٹی سچی خوبیاں بیان کریں۔

اور جب ایک ٹیم تھک جائے تو دوسری ٹولی آجائے یہ قطعاً غلط ہے اور مضحکہ خیز نمائشی ماتم ہے جس کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۱۷۔ سوگوار خاندان میں پرتکلف دعوت کا اہتمام کرنا

مرنے والے کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے غرباء و مساکین کو جو کچھ کھلایا پلایا یا پہنایا جائے خوب ہے کارِ ثواب ہے۔ قابلِ صد ستائش ہے۔ مگر اپنی شانِ امارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے سیوم پھر چہلم اور بعد ازاں چھ ماہی اور برسی وغیرہ۔ مواقع پر پرتکلف دعوتوں کا اہتمام کرنا۔ اور شادی کی تقریب کی طرح غم کے اس موقع پر عزیز واقارب، دوست احباب، بالخصوص پیروں اور مولویوں کی شاندار ضیافت کر کے روپیہ پیسہ برباد کرنا یقیناً فضول خرچی میں داخل ہے۔ جس کا مالدار طبقہ تو پھر بھی متحمل ہو سکتا ہے مگر غریبوں کا تو جنازہ نکل جاتا ہے۔ شادیوں کی غلط رسوم کی طرح غمی کی ان رسموں کی ادائیگی کی وجہ سے لوگ قرض کے بھاری بوجھ تلے دب کر رہ جاتے ہیں۔ اور مدتوں تک اس کا خمیازہ بھگتے رہتے ہیں۔

لہٰذا اگر عزیز و اقارب غمزدہ گھر کھانا بھیج نہ سکیں تو کم از کم خود تو ان پر بوجھ نہ بنیں۔ الغرض! اس رسم بد کا اور اس بدعت کا خاتمہ ضروری ہے تاکہ سوگوار خاندان دوہری مصیبت سے بچ جائے

۱۸: چار جمعرات کا اہتمام کرنا

ہر وقت بالعموم اور ہر شب جمعہ کو بالخصوص شریعت مقدسہ میں اپنے مرنے والوں کے ایصال ثواب کے لیے حسب حیثیت کچھ نہ کچھ صدقہ و خیرات دینے کی بہت تاکید اور بہت ثواب وارد ہے۔ مگر عام رسم یہ ہے کہ مرنے کے بعد صرف چار جمعرات یعنی رسم چہلم کی ادائیگی تک ہر شب جمعہ کو زردہ اور پلاؤ وغیرہ پر تکلف کھانے تیار کر کے مستحقوں میں کم اور غیر مستحقوں میں زیادہ تقسیم کیے جاتے ہیں (جو محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے)

مگر چہلم کے بعد مرنے والوں کو بالکل بھلا دیا جاتا ہے۔ یہ غیر اسلامی انداز فکر ہے۔ جس سے پہلو تہی ضروری ہے بلکہ ایسا کرنا چاہیئے کہ مدت العمر شب جمعہ گھر میں غروب آفتاب سے قبل روشنی کا انتظام کیا جائے۔ گھر میں جھاڑو وغیرہ دیکر اسے صاف کیا جائے اور مرنے والے کے ایصال ثواب کی خاطر حسب توفیق غریبوں اور مسکینوں کی کچھ خدمت کی جائے۔ جس سے خدا اور اس کا رسول اور ائمہ ھدیٰ بھی خوش ہوں گے۔ اور مرنے والے کی روح بھی شاد کام ہوگی انشاء اللہ

۱۹: جنازہ خواں غسّال اور گورکن کو اُجرت دینا

چونکہ میت کے تمام احکام از قسم غسل و کفن، دفن اور نماز جنازہ وغیرہ فرزندوں پر واجب کفائی ہیں اور اپنے واجبات کی ادائیگی پر اُجرت لینا بالاتفاق حرام ہے اسلئے بعض علاقوں میں جو گورکن،

غسّال اور جنازہ پڑھانے والے مُلّا کو بطورِ اجرت مخصوص رقم یا مخصوص چیزیں دی جاتی ہیں۔ اس اجرت کا دینا بھی اور اس کا لینا بھی شرعاً حرام ہے اس لیے اس سے اجتناب لازم ہے ہاں کسی اور عنوان سے مثلاً اگر اُن لوگوں کی اُن کو غریب و مسکین اور بے لوث خدمت گزار سمجھ کر (قربۃً الی اللہ) کچھ خدمت کر دی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مگر اجرت اور چیز ہے۔ اور فی سبیل اللہ خدمت کرنا اور چیز؟ (واللہ الموفق)

۲۰: شب برات اور روز عاشورا کا فاتحہ:

شب برات کچھ لوگ حلوہ اور زردہ وغیرہ پکا کر اور تقسیم کر کے مُردوں کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور قبرستان میں جا کر قبروں پر فاتحہ پڑھتے ہیں۔

اسی طرح کچھ لوگ ایامِ عزا بالخصوص روز عاشورا قبرستان میں جا کر قبروں پر از قسم دال وغیرہ اناج ڈالتے ہیں۔ ان رسموں کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے ہاں مرنے والے کے ایصال ثواب کے لیے جب کبھی کوئی کارِ خیر انجام دیا جائے اس کا ثواب اس کو پہنچ جاتا ہے۔ ان تاریخوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نہ ہی بلا دلیل شرعی اس قسم کی تعیین جائز ہے۔

۲۱: مرنے والے کے سرہانے قرآن رکھنا

بعض علاقوں میں یہ رسم جاری ہے کہ جب کوئی مرنے والا مر رہا ہو تو اس کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور جب اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے تو قرآن اس کے سرہانے رکھ دیتے ہیں اگرچہ قرآن خوانی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر

اس کے سرہانے قرآن رکھنا علاوہ اس کے کہ یہ امر شرعاً وارد نہیں ہے اُلٹا اس سے توہین قرآن کا پہلو نکلتا ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

۲۲: کھانا یا پھل فروٹ سامنے رکھ کر اس پر ختم دینا

منجملہ ان رسموں کے جو مستحدہ

ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے مسلمانوں میں پیدا ہوئیں اور کسی اسلامی ملک میں آج تک رائج نہیں ہیں ایک رسم کھانا یا پھل... فروٹ سامنے رکھ کر اس پر مخصوص سورتیں پڑھ کر ختم دینا اور ایصال ثواب کرنا جو کہ خالص ہندوانہ رسم ہے جسے وہ "سرادھ" کہتے ہیں کہ جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو وہ پنڈت کو بلواتے ہیں جو اس کھانے پر بید پڑھتا ہے (از تحفۃ الہند ص۹)

ہماری رسم میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں پنڈت پڑھتا ہے یہاں ملا پڑھتا ہے۔ وہ بید پڑھتا ہے یہ قرآن پڑھتا ہے۔ بید کی جگہ قرآن اور پنڈت کی جگہ مُلّا نے لے لی ہے وبس۔

جہاں تک سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی مقدس سیرت کا تعلق ہے تو باوجود تتبع و تفحص کے ـــــ ان کے ہاں اس کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ ہاں قرآن خوانی کا ثواب الگ ملتا ہے اور اطعام طعام کا ثواب الگ ہے بشرطیکہ مستحق کو کھلایا جائے ـــــ بہرحال دونوں کو یکجا کرنا ہندوانہ رسم ہے اور بموجب

من تشبّہ بقومٍ فھو منھُم

یہ بدعت ہے جس سے احتراز لازم ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ اگر روپیہ کپڑا یا غلہ وغیرہ ایصال ثواب کے لیے دیا جائے تو اسے تو سامنے

رکھ کر اس پر کچھ نہیں پڑھا جاتا لیکن اگر کھانا یا شیر ینی دینا ہو تو اس کو سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنا ضروری سمجھا جاتا ہے، اس فرق کی کیا شرعی دلیل ہے؟

بینوا توجروا ۔ ع

نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستان کب تک؟

۲۳: غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا

منجملہ ان بدعات کا جن کا تعلق میت سے ہے ایک غائبانہ نماز جنازہ بھی ہے — ہمارے مذہب کے مسلمات میں سے ہے کہ نماز جنازہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ میت نماز گذار کے سامنے حاضر اور موجود ہو۔ لہٰذا غائب پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جا سکتی۔ ہر دور ہر زمان اور ہر مکان میں ہمارا اسی پر عمل رہا ہے۔ مگر اب بعض اوقات یہ سننے میں آتا ہے کہ فلاں جگہ فلاں کی موت پر ہمارے بعض لوگوں نے دوسرے بعض مسلمانوں کی دیکھا دیکھی اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے اگر یہ امر مشروع ہوتا تو جناب رسول خدا اور ائمہ ھدیٰ ضرور ایسا کرتے لیکن جب انہوں نے مدت العمر تک نہ ایسا کیا ہے اور نہ ہی اس کے کرنے کی اجازت دی ہے تو پھر اس کی بدعت محرّمہ ہونے میں کیا اشکال باقی رہ جاتا ہے؟ نجاشی کی موت پر آنحضرت نے صرف دعائے مغفرت فرمائی تھی۔ جسے حقیقت حال سے ناواقف لوگوں نے غلطی سے نماز جنازہ سمجھ لیا جو محض غلط ہے لطف یہ ہے کہ جو لوگ اس پر عمل پیرا ہیں ان کے مذہب میں بھی یہ ناجائز ہے ان کے علماء چیخ رہے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور ناجائز ہے چنانچہ فاضل بریلوی ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "مذہب مہذب حنفی میں جنازہ غائب پر بھی محض ناجائز ہے ائمہ حنفیہ

کا اس کے عدم جواز پر اجماع ہے۔ فتح القدیر، حلیہ، غنیہ، شبلیہ، بحرالرائق میں ہے
وشرط صحتہ اسلام المیت وطہارتہٖ ووضعہ امام
المصلی فلہٰذا القید لا تجوز علی الغائب۔
یعنی صحت جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میت مسلمان ہو، طاہر ہو۔ جنازہ
نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔ اسی شرط کے سبب کسی غائب کی نماز
جنازہ جائز نہیں"
ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں "اور حضور پُر نور کو جنازہ مسلمین کا کمال اہتمام
تھا ۔۔۔۔ باایں ہمہ حالانکہ زمانہ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
نے دوسرے مواضع پر وفات پائی کبھی کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت
نہیں کہ حضورؐ نے غائبانہ ان کے نماز جنازہ پڑھی کیا وہ محتاج رحمت والا
نہ تھے ۔۔۔۔ یہ روشن واضح دلیل ہے کہ جنازہ غائب پر
نماز ناممکن تھی ۔۔۔۔ اور جس امر سے مصطفیٰ علیہ السلام بے
عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ ضرور امر شرعی ومشروع نہیں ہو سکتا"
(ملاحظہ ہو فتاوی رضویہ جلد ۴ از ص ۵۸ تا ص ۷۶) اس کے بعد
فاضل موصوف نے ان بعض احادیث کی توجیہ بیان کی ہے جن میں صلوٰۃ
الغیب کا تذکرہ ہے۔ ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون ۰

۲۴ دفن میت کے وقت اذان دینا:

بعض اسلامی فرقوں میں رسم ہے کہ میت کو دفن
کرتے وقت اذان دیتے ہیں۔ اذان ایک عبادت ہے شریعت مقدسہ
نے اس کے لیے مخصوص اوقات ومقامات مقرر کئے ہیں جن سے تجاوز کرنا
ہرگز جائز نہیں ہے۔ جب سید الانبیاء اور ان کے بعد ائمہ ھُدیٰ نے

نے اس موقع پر اذان نہیں دی تو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ یہ امر نہ صرف یہ کہ خلاف سنت ہے بلکہ صریح بدعت ہے جس سے اجتناب واجب ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم ط وساءت مصیرًا ○

بعض اسلامی فرقوں میں یہ بھی رائج ہے کہ وہ اذان یا اس کے علاوہ

۲۵: اذان میں یا اس کے علاوہ آنحضرتؐ کا نام سُن کر انگوٹھے چومنا

آنحضرتؐ کا نام نامی و اسم گرامی سُن کر اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے آنکھوں پر لگاتے ہیں اور چومتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث یا عمل رسول و عمل ائمہ علیہم السلام یا عمل صحابہ کرام سے اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا اس قسم کا جو ایک آدھ واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ وہ محقق علماء کے نزدیک موضوع ہے (ملاحظہ ہو تذکرۃ الموضوعات ص۳۶ و موضوعات کبیر ص۷۵) لہٰذا اس بدعت سے احتراز لازم ہے ہاں البتہ ان کا نام نامی سُن کر، پڑھ کر اور نام لے کر درود شریف پڑھنا مستحب موکد ہے لہٰذا یہ مسنون کام کرنا چاہیئے۔

بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ کچھ

۲۶: قبرستان میں رقم یا گندم یا شیرینی تقسیم کرنا

لوگ قبرستان میں مخصوص رقم (کچھ مسجد کے لیے اور کچھ غرباء کے لیے) اور بعض لوگ گندم کی مخصوص مقدار اور بعض شیرینی کی خاص مقدار تقسیم کرنے کو لازم سمجھتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی بھی

کار خیر انجام دینا اچھا ہے مگر جب برضا و رغبت خود ہو لیکن اگر برادری کی رسم سمجھ کر طوعاً کرہاً اسے انجام دیا جائے تو پھر یہ بدعت اور غلط رسم کے زمرہ میں آجاتا ہے جس کا ختم کرنا ضروری ہے (واللہ الموفق)

قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا۔ فما انا علیکم بوکیل

آٹھواں باب

اُن غلط رسوم کا بیان جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں

جب بفضلہٖ تعالیٰ سابقہ ابواب میں تقریباً ان تمام غلط رسموں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے جو خاص خاص موضوعات سے متعلق تھیں۔ تو اب ذیل میں ان بدعات اور غلط رسومات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو معاشرہ کے مختلف گوشوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہیں اور جنہیں عامۃ الناس ایک شرعی فریضہ کی طرح اہمیت دیتے ہیں اور پھر بڑے اہتمام سے بجالاتے ہیں۔

(۱) ۲۲ رجب کے کونڈے

منجملہ ان غلط رسوم کے ایک ۲۲ رجب کے کونڈے بھی ہیں یہ رسم پہلے پہل ہندوستان سے نکلی اور پھر رفتہ رفتہ مختلف ممالک میں پھیل گئی اور روز بروز پھیل رہی ہے مرزا صاحب نے اپنے انٹرویو میں تسلیم کیا ہے کہ وہ اس کی ایجاد کے عینی گواہ ہیں کہ ان کے سامنے لکھنؤ میں ایجاد ہوئی۔

اگر کسی دشمن خدا و مصطفیٰ و آل عبا کی ہلاکت پر خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا کسی امام عالی مقام کی بارگاہ میں ہدیۂ ثواب پیش کرتے ہوئے کچھ حلوہ پوری پکا لیا جائے یا کھا لیا جائے یا اہل ایمان کو کھلا دیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بلکہ کسی اعتبار سے اسکی بجا آوری اچھا کام ہے۔ مگر اس عمل کے لیے جو خصوصیات وضع کی گئی ہیں یا جو شرائط مقرر کی گئی ہیں مثلاً تاریخ

۲۔ اور جب ہی ہو، مٹھائی کی مقدار متعین ہو۔
مثلاً (سوا سیر شکر، سوا سیر گھی) پھر اسے خاص طریقہ پر پکایا جائے
خاص خاص آدمیوں کو بلا کر کھلائی جائے، اسے مکان سے باہر نہ لے
جایا جائے اور جب کونڈے تیار ہو جائیں تو ان پر کسی فرضی لکڑہارے
کا بے سروپا، اور بالکل بے بنیاد قصہ بلکہ افسانہ ضرور پڑھا جائے یہ التزام
ہرگز جائز نہیں ہے۔
بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان خصوصیات اور ان شرائط نے ان...
کونڈوں کو ناجائز بنا دیا ہے اور انہیں تشریع محرم کے زمرہ میں
داخل کر دیا ہے۔ نیز اس طمع ولالچ نے بھی خلوص کا جنازہ نکال
دیا ہے کہ ہر کونڈے پکانے والے کو لکڑہارے کے من گھڑت قصے
میں بیان کردہ واقعہ کی طرح کسی دفینہ یا خزینہ کے ملنے کی تمنا
و آرزو ہوتی ہے یعنی بالعموم یہ کام قربۃً الی اللہ انجام نہیں دیا
جاتا۔ بلکہ قربتہً الی الدنیا کیا جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔
ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی
الاٰخرۃ من نصیب ○
"جو شخص دنیا چاہتا ہے تو ہم اسے عطا کر دیتے ہیں مگر آخرت میں
اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔"
جس طرح پہلے کئی بار اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے
کہ ہر وہ عمل، ہر وہ وظیفہ اور ہر وہ عبادت جو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام
سے بطریق معتبر ہم تک نہ پہنچے۔ یا جو شرائط و خصوصیات شرعی طور پر
ثابت نہ ہوں ـــــ ان کو اپنی طرف سے ہرگز وضع نہیں

کیا جا سکتا۔ ورنہ وہ عمل بدعت بن جائیگا۔ یا تشریع محرم کے زمرہ میں داخل ہو جائے گا۔

بنا بریں اس خاص عمل کے اس خاص طریقہ پر بجالانے سے اہل ایمان کو اجتناب لازم ہے۔ ہاں جب یہ شرائط اور خصوصیات ختم کر دی جائیں تو مذکورۃ الصدر نیت سے اس کھانے کے پکانے اور اس کے کھانے کھلانے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون ،

(۲) نیاز بی بی پاک

اس نیاز کی حقیقت بھی ۲۲ رجب کے کونڈوں سے اور لکڑہارے کے فرضی قصے سے قطعاً مختلف نہیں ہے۔ یہاں بھی مخصوص طریقہ پر کچھ نیاز تیار کی جاتی ہے۔ پھر اس پر ایک خود ساختہ معجزہ پڑھا جاتا ہے اور پھر وہ نیاز صرف مستورات کو کھلائی جاتی ہے۔ کوئی مرد یہ نیاز نہیں کھا سکتا کیونکہ وہ بی بی پاکؑ کی طرف منسوب ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جو خاندان زمانۂ جاہلیت کی غلط رسوم کے مٹانے اور حقائق و معارف اسلام پھیلانے کے لیے آیا تھا۔ آج انہی کے نام پر رسوم جاہلیت کا احیاء کیا جا رہا ہے؟ اور جن کے ذواتِ مقدسہ کے مستند معجزات سے بڑی بڑی ضخیم کتابیں چھلک رہی ہیں۔ ان سب کو نظر انداز کر کے خود ساختہ اور بے بنیاد معجزے بیان کر کے اس خاندان کی عظمت و جلالت کو اجاگر کرنے کی بجائے الٹا ان کی جلالت کو بٹہ لگایا جائے۔ اور لوگوں کو ان کے واقعی معجزات و کرامات پر

چہ میگوئیاں کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔

اور جو معظمہ بی بی اپنے دست حق پرست سے خود آٹا پیس کر خود گوندھ کر اور خود پکا کر سائلوں اور غیر سائلوں کو کھلاتی تھیں۔ اور وہ کھاتے تھے آج ان کے نام پر پکی ہوئی نیاز کو مرد کھانے کے روادار نہیں ہیں اگرچہ مومن بھی ہوں اور سید بھی۔ (ان ھٰذا الا اختلاق)

ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

آیا قانونِ شریعت محمدیہ میں اس کا کوئی جواز ہے؟ آج علمی انحطاط، تحقیق کے فقدان، اور اہل علم کی غفلت اور بے حسی کا یہ نتیجہ ہے کہ مارکیٹ میں کوئی علمی و تحقیقی کتاب تو ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی اور اگر ملتی ہے تو اس کا کوئی خریدار نہیں ہے۔ مگر لکڑ ہارے کا قصہ "معجزہ بی بی پاک" "بی بی پاک کے دس معجزے" اور اس قسم کے دوسرے رسالے اور بے سروپا قصے کہانیاں ہر کتب فروش کے پاس دستیاب ہیں اور دھڑا دھڑ بک رہے ہیں ____ آہ آج تحقیق کا فقدان ہے، جہال کی تقلید عام ہے علم برائے نام ہے اور جہالت تام و عام ہے والی اللہ المشتکیٰ۔

دعا ہے کہ خداوند عالم قوم کو خواب غفلت سے جگائے اور اسے اپنی بہو بیٹیاں کو تلقین حق کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ان رسوم کی بجاآوری میں مردوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں ؎

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است و بس ؛ در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

(۳) عرس اور میلے

عرس کے لغوی معنی تو طعام ولیمہ اور نکاح و شادی کے ہیں مگر ہمارے عرف عام میں کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر اجتماع اور میلہ قائم کرنے کو کہا جاتا ہے۔

یہ چیز پہلے متحدہ ہندوستان اور اب ہند و پاک کے خصوصیات میں سے ہے کہ یہاں بزرگوں کے مزارات پر مقررہ دنوں میں سالانہ عرس منائے جاتے ہیں۔ جن کی حیثیت ایک میلے کی ہو کر رہ گئی ہے جسے سادہ لوح مسلمان ایک بڑی عبادت سمجھ کر عرفات، مزدلفہ اور منیٰ کی طرح جمع ہوتے ہیں اور سفر حج کی طرح جوق در جوق جاتے ہیں جو کہ ایک بدعت مُتحدثہ ہے۔

اگرچہ کہا تو یہ جاتا ہے "کہ یہ عرس کسی ولی اللہ کے عقیدت مندوں کے لیے احتساب نفس، تجدید بیعت، اور تعلیم و تعلم کی خاطر قائم کیے جاتے ہیں"

مگر موجودہ عرسوں میں یہ چیزیں تو کہیں نظر نہیں آتیں یہاں تو وہ خلاف شریعت بلکہ خلاف انسانیت بلکہ آدمیت سوز افعال و اعمال اور برکات کے نام پر وہ ناشائستہ حرکات کیے جاتے ہیں کہ جن کا تصور بھی ایک درد قوم و ملت رکھنے والے مسلمان کے لیے لرزہ براندام کرنے کے لیے کافی ہے۔

کیا عرض کیا جائے کہ عرس اور میلے کے نام سے خدائے رحمٰن کو ناراض اور شیطان کو خوش کرنے کے لیے کیا کیا گل کھلائے جاتے ہیں بس کسی واقف حال سے رب رسول کا واسطہ دے کر پوچھیے سب سربستہ راز کھل جائیں گے ہماری ثقہ سماعت و روایت تو یہ ہے کہ عرسوں میں

(۱) زندہ اور مُردہ بتوں کو سجدے کیے جاتے ہیں

یعنی قبروں پر بھی سجدے اور بزرگوں کے نام کی

خیرات پر پلنے والے سجادہ نشینوں کے غلیظ قدموں پر بھی جبین ہائے نیاز جھکتی ہیں ۔ اور اس طرح کفر و شرک کا برملا عملی مظاہرہ کیا جاتا ہے اور جن لوگوں کی متکبر گردنیں کبھی خالق کے درِ دولت پر نہیں جھکتیں ان کو یہ قدرتی سزا دیجاتی ہے ۔ جو کہ شرک جلی ہے ۔

حالانکہ امام اہل سنت فاضل بریلوی نے "سجدہ تعظیمی" کے حرام ہونے پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے " الزبدة الزكية في تحريم سجود التحية " جس میں انہوں نے قرآن مجید کی کئی آیات چالیس مستند روایات اور ایک سو ڈیڑھ سو فقہی نصوص اور بزرگانِ دین کے اقوال سے اس کی حرمت ثابت کی ہے ۔ اور سجدہ عبادتی کو کفر و شرک اور سجدۂ تعظیمی کو حرام و گناہ کبیرہ ٹھہراتے ہوئے فقہاء کی ایک جماعت سے اس کا باعث کفر ہونا بھی نقل کیا ہے لیکن عوام ان اصحابِ قبر کو حاجت روا سمجھ کر ان سے داد و فریاد کرتے ہیں اور انہی کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے یہ سب اہتمام کرتے ہیں جو کہ بجائے خود شرک ہے اور ناقابلِ عفو گناہ ہے ۔

(۲) قبروں پہ بھاری بھرکم نذرانے اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں کوئی دنبہ بکرا لارہا ہے تو کوئی گھی کا ٹین لا رہا ہے، کوئی آٹے کی بوری لا رہا ہے تو کوئی نوٹوں کی ڈھیاں پیش کر رہا ہے ۔ وعلیٰ ہذا القیاس ۔

اور پھر لنگر سے دال پھلکا کھا کر جب واپس جاتے ہیں تو پیر کی کرامات کے یہ کہہ کر گن گاتے ہیں ۔

"سبحان اللہ ! اتنے ہزار کا مجمع تھا ہر آدمی لنگر سے کھانا کھا رہا تھا ۔ نہ

معلوم! یہ رزق کہاں سے آرہا تھا اور کہاں جا رہا تھا ع

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

سچ ہے کہ دنیا کی یہ تمام رونقیں احمقوں کے دم قدم سے ہے۔

لولا الحُمقَا لبطلت الدنیا

" اگر احمق نہ ہوتے تو دنیا کی رونق ختم ہو جاتی "

الغرض ع

چوں احمق در دنیا باقی است۔ کس مفلس نمی ماند۔

حالانکہ یہ نذر و نیاز مالی عبادت ہے۔ اور ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف خدائے ذوالجلال ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس طرح لات و منات کے پجاریوں کی یاد تازہ کی جاتی ہے اور اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے کیونکہ اسلام میں اس چیز کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بلکہ غیر اللہ کے نام کی نذر و منت بالاتفاق حرام ہے۔

زندہ پیر کے نذرانے اس کے علاوہ ہیں جو مندروں کے مہنتوں کی طرح چڑھاوے وصول کرتا ہے۔ ان نذرانوں میں اور چیزوں کے علاوہ۔ بعض اوقات عصمتوں کے آبگینے بھی شامل ہوتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

(۳) ان مواقع پر قوالیاں بھی ہوتی ہیں

جو راگ و رنگ کی بدلی ہوئی شکل کا دوسرا نام ہے بلکہ صریحاً راگ و رنگ باجا گاجا اور ان میں طبلہ سارنگی وغیرہ آلاتِ غنا وادواتِ لہو ولعب کا ارتکاب ہوتا ہے جو الگ حرام ہیں۔ اگر بعض صوفیاء کے نزدیک سماع جائز بھی ہے تو وہ وہ ہے جو مزامیر و معازف (چنگ و رباب) سے خالی ہو۔ اور اگر چنگ و رباب ہمراہ ہو تو اس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے

چنانچہ ان کے مجدد الف ثانی لکھتے ہیں

"سماع و رقص فی الحقیقت داخل لہو و لعب است و آیات واحادیث فقہیہ در حرمت غنا بسیار است بحدیکہ احصار آن .... متعذر است نفقیہے ہیچ وقتے وز ماۓ فتوے باباحت سرود نداده درقص و پاکوبی را مجوز ندانستہ و عمل صوفیا ر در حل و حرمت سند نیست الی آخرہ۔

(مکتوبات مجدد دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

۴) ان عرسوں پر کنجریاں اور کنجر جمع ہوتے ہیں اور ناچتے اور گاتے ہیں آلات لہو ولعب

طاؤس و رباب بجاتے ہیں - اور لوگوں کو دعوتِ گناہ و عصیاں دیتے ہیں - اور اس طرح ناچ گا کر بزرگوں کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں - اور یہ کام بجائے خود کئی حرام کاموں کا مجموعہ ہے - بلکہ عرسوں میں عامۃ الناس کو ترغیب دینے کے لیے بڑے اہتمام سے طوائفین اور فاحشہ عورتیں جمع کی جاتی ہیں تاکہ اس طرح مسلمانوں کے مال پر ہاتھ صاف کیا جا سکے یہی وجہ ہے کہ عوام کالانعام کی اکثریت اسی تعیشِ دماغی اور مادی تسکین کی خاطر ان عرسوں میں شامل ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ لوگوں کا یہ جمِ غفیر اذان میں حی علی الصلوٰۃ کی ایمان افزا آواز سُنکر اسی طرح چھٹ جاتا ہے جس طرحِ تیز ہواؤں کے چلنے سے بادل چھٹ جاتے ہیں - اور یہ چیز کسی قوم کے زوال کی علامت ہے - سہ

آنچہ کو تباؤں میں تقدیرِ امم کیا ہے ؛ شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

(۵) زنا و بدکاری عام ہوتی ہے

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے مقامات اب بدکاری کے اڈے بن گئے ہیں۔ بوالہوس لوگ یہاں آکر دادِ عیش و عشرت دیتے ہیں۔ اور ع

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

والا معاملہ ہوتا ہے۔

(۶) منشیات کا استعمال عام ہوتا ہے

بھنگ، چرس، افیون، ہیروئن بلکہ شراب تک عام چلتی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہاں صاحبِ مزار کے تقرب کی نیت سے جو "آٹا گھٹا" وغیرہ قسم کے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں ان کا کھانا بھی حرمت میں بموجب "وما اُہل بہ لغیر اللہ" بھنگ اور شراب سے کم نہیں ہے۔

(۷) تاش تو خیر عام ہوتی ہے بلکہ وہاں تو شطرنج جیسے خلافِ اسلام محرمات الٰہیہ کا عام ارتکاب کیا جاتا ہے۔

(۸) قبروں اور مزاروں کا طواف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ میں کعبۃ اللہ کے سوا کسی بھی چیز کا طواف کرنا ایسا مسلمہ حرام ہے کہ بریلوی حضرات کے پیر و مرشد جناب احمد رضا خان نے بھی اسے تسلیم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"بلا شبہ غیر کعبہ معظمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے"

(ملاحظہ ہو احکام شریعت صفحہ ۱۵ حصہ ۳)

(۹) مردوں عورتوں کا بے پردہ عام اختلاط ہوتا ہے جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور بہت سے لوگ فسق و فجور اور حظ نفس حاصل کرنے کے لیے وہاں جاتے ہیں

اور بدمعاش عورتیں اور مرد جنات اور آسیب اتروانے کے بہانے وہاں جاتے ہیں۔ اور پھر داد عیش دیتے ہیں

الغرض! یہاں دنیا بھر کے منکرات و فواحش کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور ہر قسم کے ہذیان و خرافات بکے جاتے ہیں دل کھول کر خدا کی معصیت اور شیطان کی اطاعت کی جاتی ہے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان تمام کاموں اور کارناموں کا ثواب اس بزرگ کی روح پر فتوح کو ہدیہ کیا جاتا ہے جس کے مزار پر اس عرس یا میلہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

بہر نوع ان عرسوں اور میلوں سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ ہو یا نقصان مگر یہ بات یقینی ہے کہ بزرگوں کی ہڈیاں بیچنے والے گدی نشینوں اور ان کے چیلے چانٹوں کی نہ صرف سال بھر کی روٹیوں بلکہ عیش و عشرت کے سامان کا مکمل انتظام ہو جاتا ہے اور یہی اس تمام کھڑاگ کے کھڑا کرنے کا اصلی مقصد تھا۔ کہ مسلمانوں کا مال کسی طریقے سے ہضم کیا جا سکے جو پوری طرح حاصل ہو گیا۔ سچ ہے ع

مصائب قوم عند قوم فوائد

یہ مانا کہ یہ امور اصل عرس کی حقیقت سے خارج ہیں۔ اور ان کی حیثیت گھاس پھوس جیسی ہے جو کسی باغ میں اُگ آتے ہیں جس سے اصل کام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان عرسوں کے بانی اور منتظم ان خلاف شرع امور کا قلع قمع کیوں نہیں کرتے؟ بلکہ الٹا ان کی حوصلہ افزائی کیوں کرتے ہیں؟ اسلام جس پاک و پاکیزہ اور پُر وقار معاشرہ کا علمبردار ہے۔ اس میں غنا و سرود اور ان منکرات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لطف بالائے لطف یہ ہے کہ یہ سب امور برادران اسلام کے جس

مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے ہاں ہوتے ہیں ۔ اسی مکتبہ فکر کے امام و پیشوا فاضل بریلوی نے ان امور کو حرام قرار دیا ہے ۔
(ملاحظہ ہو ان کی کتاب احکام شریعت حصہ اول از صفحہ ۲۵ تا ۲۷)

★

ہماری اس تلخ نوائی کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی اب ہماری قوم میں بھی بعض مقامات پر اس قسم کے عرس و میلے منانے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے ۔ جس کی حوصلہ شکنی کرنا اور اس کا مکمل بائیکاٹ کرنا واجب و لازم ہے تاکہ اس شیطانی اڈے کا خاتمہ ہو ۔ اور اس بدعت کا استیصال کیونکہ مردم مذہبی اور دین کے نام پر دنیا کی تجارت سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے بقول حافظ شیرازی ؎

حافظا می خور رندی کن و خوش باش ولے ۔ دام تزویر مکن چوں دگراں قرآن را
کہ ع در شریعت ما غیر از یں گناہے نیست

الغرض ! مروجہ عرس کے جواز پر ——— قرآن و سنت اور آثارِ اہلِ بیت و اصحابؓ سے کوئی سند نہیں ملتی ۔ اور یہی چیز ان کے ناجائز ہونے کے لیے کافی ہے ۔

ہاں البتہ بزرگوں سے عقیدت و محبت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بے شک ان کی قبروں پر جا کر فاتحہ خوانی کی جائے ۔ اور کار ہائے خیر کی بجا آوری میں انکی پیروی کی جائے ۔

جس طرح انہوں نے احیاءِ دین میں زحمتیں اور مصیبتیں سہی ہیں ۔ انہی کی طرح دین کو زندہ رکھنے کی جدوجہد کی جائے اور ان کی بخشش اور بلندی درجات کی دعائیں مانگی جائیں اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرنے اور آخرت کو یاد

کرنے کے لیے ان کی قبور پر حاضری دی جائے۔ نہ یہ کہ ان قبروں پر عرس "میلہ" کے نام سے خدا و رسولؐ کے حرام کردہ کاموں کا نہ صرف ارتکاب کیا جائے بلکہ ان کو جائز بلکہ کار ثواب سمجھا جائے۔ اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کو رسوا کیا جائے۔

الغرض! ایسے خلاف شرع کاموں سے اہل ایمان کو پرہیز کرنا واجب و لازم ہے (واللہ الموفق)

۴) تونگری و صحت مندی کو محبوب خدا اور غربت و بیماری کو دشمن خدا ہونے کی علامت سمجھتے ہوئے امراء کی چاپلوسی کرنا اور غرباء کی توہین کرنا

عامۃ الناس یہ خیال کرتے ہیں کہ جس شخص کے پاس مال و دولت اور صحت و سلامتی کی دولت موجود ہو وہ محبوب خدا ہوتا ہے! اور اس پر خالق و مالک کی خاص نظر عنایت ہوتی ہے۔ اور جو شخص دونوں دولتوں سے تہی دامن ہو یعنی غریب و نادار بھی ہو اور رنجور و بیمار بھی اسے دشمن خدا سمجھا جاتا ہے حالانکہ سوچ کا یہ انداز سراسر غیر اسلامی ہے یعنی بالکل کافرانہ ہے اور عہد جاہلیت کی یادگار ہے جو اپنی امارت و شکوہ مندی اور صاحب جاہ و جلال ہونے کو اپنے محبوب خدا اور مسلمانوں کی غربت و بے کسی کو دشمن خدا اور ذلیل ہونے کی دلیل قرار دیتے تھے۔ (ملاحظہ ہو سورہ منافقون)

چنانچہ خداوند عالم ان کی رد کرتے ہوئے فرماتا ہے

"وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون ٥"

[کہ عزت تو اللہ کے لیے ہے یا اس کے رسول کے لیے یا اہلِ ایمان کے لیے لیکن منافق لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔)

حالانکہ امارت و غربت اور صحت و بیماری کا فلسفہ خدائے حکیم نے سورہ فجر میں یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ محض خدائی ابتلاء و آزمائش ہے

اَمَّا الانسان اذا ما ابتلٰہُ ربہ فاکرمہٗ ونعّمہٗ فیقول ربی اکرمن الآیۃ۔

یعنی خدا نے ہر شخص کا امتحان تو ضرور لینا ہے

اَحَسِبَ النَّاسُ ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھُم لا یُفتنون۔

[کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے کہنے سے کہ وہ ایمان لائے ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟]

یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ــــــــ اگر امتحان نہ ہو تو مخلص و منافق، مومن و بے ایمان اور طیب و خبیث کے درمیان تمیز کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ خالق حکیم نے امتحان و ابتلاء کے یہ پرچے علیحدہ علیحدہ بنائے ہیں کسی کا امتحان لیا ہے امیر، مالدار بنا کر۔ اور کسی کا امتحان لیا ہے فقیر و نادار بنا کر ــــــ کسی کا امتحان لیا ہے صحتمند اور طاقتور بنا کر ــــــ۔ اور کسی کا امتحان لیا ہے بیمار و کمزور بنا کر۔

تاکہ وہ دیکھے اور دکھائے کہ اس کی رضا و قضاء و قدر پر راضی رہتے ہوئے اس کی دنیوی نعمتوں کا شکریہ کون ادا کرتا ہے۔؟

اور اس کی نازل کردہ دنیوی مصیبتوں پر صبر کون کرتا ہے؟ کیونکہ جو شخص بندۂ خدا کہلا کر اپنے خالق و مالک کے عادلانہ و منصفانہ فیصلوں پر راضی

نہیں رہ سکتا۔۔۔ اسکو خدا کی زمین و آسمان میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ خلاق فرماتا ہے

من لم یرض بقضائی ولم یشکو نعمائی ولم یصبر علیٰ بلائی فلیخرج من ارضی وسمائی ولیطلب ربا سوائی

"جو شخص میری قضا قدر پر راضی نہیں رہ سکتا۔ اور نہ ہی میری نعمتوں کا شکریہ ادا کر سکتا ہے اور نہ میری مصیبتوں پر صبر کر سکتا ہے

اسے چاہیئے کہ میری زمین و آسمان سے نکل جائے اور کوئی اور پروردگار تلاش کرے (جواہر سنیہ) امید ہے کہ ان حقائق اسلامیہ کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح و آشکار ہوگئی ہوگی کہ مال و دولت کی کثرت و فراوانی کو محبت ایزدی۔ اور غربت و بیماری کی گراں باری یا قلت سامانی کو عداوت خداوندی کی نشانی قرار دینا غیر اسلامی نظریے کا نتیجہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے اسلئے اس غیر اسلامی سوچ کا... خاتمہ ضروری ہے ——— اسی سابقہ غیر اسلامی نظریہ کا یہ فطری نتیجہ ہے کہ اُمراء اور ثروت مند حضرات کی آج نہ صرف تعظیم و تکریم بلکہ خوشامد و چاپلوسی کی جاتی ہے ——— (اگرچہ بے ایمان یا بدعمل ہی کیوں نہ ہوں) اور غرباء و مساکین کی تذلیل و توہین کی جاتی ہے (اگرچہ مومن اور باکردار بھی کیوں نہ ہوں) مگر جب ہم نے سطور بالا میں اس نظریہ کی بنیاد ہی منہدم کردی ہے تو اس سے اس پر قائم شدہ نظریہ بھی خود بخود ختم ہو جائیگا۔

اسلامی نظریہ یہ ہے کہ انسان کا انسان ہونے کے ناطے سے احترام کیا جائے کیونکہ "آدمیت احترام آدمی است" یا اس کے بعد اسلام و ایمان اور درع و تقویٰ کی وجہ سے اس کا اکرام کیا جائے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے کہ "ان اکرمکم عند اللہ..."

اتقاکم" اس میں امیری فقیری، شاہی گدائی یعنی شاہانہ شکوہ آرائی یا غریبانہ بے نوائی کا ہرگز کوئی دخل نہیں ہے۔

بلکہ ارشادات آل محمد علیہم السلام میں مال و دولت کیوجہ سے کسی کا احترام کرنے اور کسی کی غربت و بے کسی کی وجہ سے اسکی توہین کرنے کی بے پناہ مذمت وارد ہوئی ہے چنانچہ کئی روایات میں وارد ہے کہ

جو شخص کسی شخص کی تونگری کیوجہ سے اسکی تعظیم و خوشامد کرے (تاکہ اسے بھی کچھ حصہ رسدی مل جائے) تو اس کے دین کے دو ثلث (۲/۳) ضائع ہو جاتے ہیں"

اور جو شخص کسی غریب مومن کی اسکی غربت کی وجہ سے توہین کرتا ہے وہ در اصل اپنے خدا کو مقابلہ کا چیلنج کرتا ہے۔ (جواہر سنیہ)

لہذا اس غیر اسلامی سوچ اور اس غیر موحدانہ عمل سے دامن بچانا ضروری ہے تاکہ اس فکری بدعت اور اسکے نتیجہ میں غلط رسم کا خاتمہ ہو جائے

"قد جاء کم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ و من عمی فعلیھا"

غیر اسلامی طریقہ پر سلام کرنا اور اسی طرح اس کا جواب دینا

باہمی سلام و کلام اسلام کا شعار اور اخوت و محبت کا دثار ہے اور سلام کرنے میں پہل کرنا سنت احمد مختار ہے

ایک حدیث میں وارد ہے کہ سلام کرنے اور جواب دینے والے کو سو نیکیاں ملتی ہیں جن میں سے ننانوے نیکیاں سلام کرنے والے کو ملتی ہیں (حالانکہ سلام کرنا سنت ہے) اور صرف ایک نیکی جواب دینے والے کو ملتی ہے (حالانکہ جواب دینا واجب ہے) (حلیۃ المتقین)

اور یہ ان مقامات میں سے ایک ہے جہاں مستحبی کام کا ثواب واجبی کام سے زیادہ ہے ـــــــ مگر اتنے بڑے اہم شعار میں بڑی لاپرواہی برتی جاتی ہے اکثر لوگ تو سلام کرنے کی اہمیت سے ناواقفیت یا اپنی کبریائی، بڑائی کی وجہ سے سلام کرتے ہی نہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے انہیں پہلے سلام کریں اور جو کرتے بھی ہیں وہ بھی اکثر غلط طریقہ پر کرتے ہیں چنانچہ عوامی سلام کے رائج الفاظ یہ ہیں۔ "سلام لیکم" جو بالکل مہمل ہے۔ حالانکہ اصل تلفظ دو طرح ہے ایک "سَلَامٌ عَلَیْکُمْ"، جو فرشتوں کا سلام ہے جو وہ اہلِ بہشت کو کریں گے۔ ارشادِ قدرت ہے۔

وَالْمَلَائِکَۃُ یَدْخُلُوْنَ علیہم من کل بابٍ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔

دوسرا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" اور جواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہی الفاظ دُہرائے جائیں۔

یا وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کہا جائے اور اگر اس کے ساتھ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، کا اضافہ بھی کیا جائے تو اور بہتر ہے ـــــــ اور اگر جواب میں آداب عرض یا تسلیمات عرض یا بندگی عرض کہہ دیا جائے یا صرف ماتھے یا سینے پر ہاتھ رکھ دیا جائے تو یہ ہرگز کافی نہیں ہے اور نہ اس سے فرض کفایہ ادا ہوتا ہے بلکہ مذکورہ بالا طریقہ پر اس کا جواب دینا واجب ہے۔ یا سلام کی جگہ فقط "یا علی مدد" اور جواب میں "پیر مولا علی مدد" کہا جاتا ہے جیسا کہ فرقۂ اسماعیلیہ آغا خانیہ کا سلام و شعار ہے۔

جیسا کہ ان کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے اور ان کی دیکھا دیکھی ہمارے موالیانِ اہلِ بیتؑ میں بھی بعض جگہ یہی رسم چل نکلی ہے کہ وہ اسلامی سلام کی جگہ

بھی فقرے لکھتے ہیں ۔

قطع نظر اس جملہ کے نامکمل ہونے اور اس خطاب کے بے محل ہونے اور ائمہ طاہرینؑ اور دوسرے بزرگانِ دین سے منقول نہ ہونے اور ہمارے ملک کے سوا اور کسی اسلامی ملک میں اس کے رائج نہ ہونے کے پھر بھی اگر اسلامی سلام و جواب کے بعد اس کو بطور وسیلہ کہہ دیا جائے تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مقام وسیلہ میں مدد علیؑ برحق ہے مگر اسے اسلامی سلام کا قائمقام قرار دینا اور اصل اسلامی سلام کو سرے سے ترک کر دینا کس طرح بھی درست نہیں ہے ۔ اور نہ ہی اسے مستحسن قرار دیا جا سکتا ہے ۔

پھر بعض لوگ سلام کرتے ۔ وقت پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہیں ۔ بعض سینہ پر اور بعض ہاتھ اٹھا کر سلام کرتے ہیں ۔ ایک روایت میں وارد ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سلام نہ کیا کرو کہ یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے اور نہ سینہ پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا کرو کہ یہ مجوس کا طریقہ ہے اور نہ ہاتھ اٹھا کر سلام کیا کرو کہ یہ یہود کا طریقہ ہے کیونکہ تم نہ نصرانی ہو نہ مجوسی اور نہ یہودی لہٰذا تم صرف منہ سے سلام کیا کرو ۔ (کنز العمال وغیرہ)

یا اس سے آگے بڑھو تو مصافحہ کرو ۔ اور اگر اس سے ترقی کرو تو معانقہ کرو تاکہ اسلامی اخوت و محبت میں اضافہ و ازدیاد ہو ۔ اور نفرت و کدورت کا خاتمہ کیونکہ ! ع

آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

اور ع

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم

(۷) گھروں میں جسم دار اور سایہ دار تصویروں کا رکھنا

موجودہ دور میں اونچے و متوسط گھرانوں

کے فیشن میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ اپنے مکانوں اور اپنی کوٹھیوں میں زیبائش و سجاوٹ کی خاطر جاندار چیزوں کی جسم دار اور سایہ دار تصویریں رکھتے ہیں جیسے بلیوں، چوہوں، کبوتروں، بازوں، خرگوشوں اور اونٹوں وغیرہ کے مجسمے ——— تو ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جاندار کی جسم دار اور سایہ دار تصویر سازی شرعاً بالاتفاق حرام ہے۔

ان کی خرید و فروخت حرام ہے اور اس کا گھر میں رکھنا بنا برا ظہر حرام ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور کہا کہ ہم گروہ ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس گھر میں کتا ہو یا کسی بدن کی تصویر ہو یا وہ برتن ہو جس میں پیشاب کیا جاتا ہے۔

(خصال شیخ صدوقؒ)

لہٰذا اس قسم کی تصویروں سے اپنے مکانوں اور دکانوں اور کوٹھیوں کو پاک صاف رکھنا لازم ہے تاکہ بت پرستوں سے مشابہت لازم نہ آئے۔ اور بعض لوگ اپنے بزرگوں، خوردوں اور دوستوں کی فوٹوگرافی والی تصویروں سے اپنے مکانوں کو (بالخصوص نشست گاہوں کو) بھر دیتے ہیں۔ تو قطع نظر اس کے کہ اس طرح کی تصویر جائز ہے یا ناجائز! اس میں دو خرابیاں ہیں ایک وہی جو اوپر مذکور ہے کہ اس گھر میں رحمت کے فرشتے قدم نہیں رکھتے۔ دوسرے یہ کہ اس مکان میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ تصویر بجانب قبلہ ہو۔ تو بھلا ایک ایماندار آدمی ایسا کام کیوں کرے جس سے عبادت خدا میں خلل اور نقص واقع ہو؟

ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون

(۸) رہبانیت اختیار کرنا

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا انسان کے لیے درحقیقت ایک قیدخانہ ہے اور جسم روح کے لیے بمنزلہ پنجرے کے ہے اور اسکی مادی خواہشات اس پنجرے کی تیلیاں ہیں۔ انسانی نجات کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس قیدخانہ کی دیواروں کو توڑ کر اس پنجرہ سے اپنی روح کو آزاد کرائے یعنی دنیا و مافیہا کو ترک کر کے آبادیوں سے دور نکل جائے اور کسی گوشہ طمانیت میں بیٹھ کر خدا سے لو لگائے۔ اور اس کی یاد منائے اور مادی خواہشات کا گلا گھونٹ دے۔ مثلاً نکاح سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو خصی کرے اور مشکل ریاضتیں کرے جیسے کہ ہمیشہ روزے رکھے روزہ رکھ کر رات کو بھی کچھ نہ کھائے۔ قوتِ گویائی سے کام نہ لے ہمیشہ خاموشی سادھ لے۔ اور اسی طرح شب بیداری کرے کہ جسم لاغر و کمزور ہو جائے اور آدمی بیوی بچوں کے جنجال سے نجات پا جائے اور یہ لوگ اس کا نام زہد و تقدس رکھتے ہوں۔

سو واضح ہو کہ اس چیز کا نام "رہبانیت" ہے جس کا اسلام سے اور اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسے عیسائیوں نے ایجاد کیا تھا خدا تعالیٰ اس پر تنقید کرتے ہوئے فرماتا ہے

ورھبانیۃ ن ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم (حدید)

انہوں نے خود رہبانیت گھڑی تھی۔ ہم نے اس کا کوئی حکم نہیں دیا تھا، اور بانیٔ اسلام فرماتے ہیں۔

لا رھبانیۃ فی الاسلام

اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

نہ صرف یہ کہ اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ خدا کی کسی شریعت میں بھی اسکی کوئی تعلیم نہیں دی گئی ہے اسلام معاشرت اور اجتماع کا دین ہے اسلام انسان کی طبعی خواہشات کا گلا گھوٹنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ جائز طریقہ پر ان کی تسکین کا انتظام کرتا ہے۔

رہبانیت پر عمل کرنے والا اسلام وانسانیت کی بہت سی سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ جہاں وہ شادی بیاہ کی سعادتوں سے محروم ہوتا ہے وہاں نعمت اولاد اور ان کی تربیت کی برکتوں سے بھی تہی دامن رہتا ہے جہاں وہ بیماروں کی تیمارداری کی فضیلت حاصل نہیں کرسکتا وہاں تشییع جنازہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔

جہاں اہل ایمان کے دکھ درد میں شامل ہوکر ان کی حاجت براری کرنے کے ثواب سے محروم ہوتا ہے وہاں اور ہزاروں معاشرتی فوائد وعوائد سے بھی استفادہ نہیں کرسکتا۔

الغرض اسلام کی ایک ایک بات سے رہبانیت کے غیر اسلامی تصور کی تردید ہوتی ہے اسلامی نقطہ نگاہ سے انسان کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے ذکر وفکر میں مشغول رہے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ زندگی کے میدان میں قدم رکھے اور اللہ تعالے کے جملہ انفرادی واجتماعی احکام واوامر کی اطاعت کرکے اپنے فرمانبردار رعایا ہونے کا ثبوت پیش کرے یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ اسلام کی تعلیمات میں بے شمار ایسی باتیں بھی ہیں جن کا تعلق دنیا بھر کی زندگی سے ہے۔

اور تنہائی کے سنسان گوشوں میں ان پر عمل کرنا اس طرح ناممکن ہے جس طرح خشکی میں تیرنا ممکن نہیں ہے۔

مذکورہ بالا اجمالی حقائق سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح و آشکارا ہو جاتی ہے کہ "رہبانیت" کے نام سے خدا پرستی کا طریقہ لوگوں کا من گھڑت ہے اور بدعت ہے ــــــ خلاصہ یہ ہے کہ "اللہ کے دین کا مزاج کبھی بھی "رہبانیت" نام کے کسی فلسفے سے ہم آہنگ نہیں تھا"

(از "اسلام ایک نظر میں")

اور نہ اب ہے، لہٰذا اس بدعت سے بکلی اجتناب واجب ہے۔

هذه تذكرة فمن شاء ذكره

(۹) تصوّف و عرفان کی بدعت

تصوّف و عرفان بزعمِ صوفیان نہ صرف براہِ راست خدا تک رسائی حاصل کرنے بلکہ خدا تک پہنچکر اور اپنی خودی کو اس کی ذات میں ضم کر دینے اور "من تو شدم تو من شدی" کا راگ الاپنے کا ایک خود ساختہ اور خانہ ساز طریقہ ہے جس کا اسلام اور قرآن کی مقدس تعلیمات کے ساتھ اتنا بھی ربط و تعلق نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا اس کے چھلکا سے ہوتا ہے۔

یہ تصوف کیا ہے؟ فلاسفۂ یونان کے مزعومات، یہودیوں کے نظریات، عیسائیوں کے عندیات، ہندوؤں کے خرافات اور جوگیوں کے ریاضیات کا ایک ایسا ملغوبہ ہے کہ ؎

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

بقول ڈاکٹر اقبال۔

"اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ تصوّف کا وجود اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے" (اقبال نامہ)

اس کے بنیادی اصول دو ہیں (۱) انسان کا براہِ راست خدا سے مکالمہ، (۲)

نفس انسانی کا حقیقت مطلقہ (خدا) کے ساتھ مل جانا جیسے صوفیہ وصال یا فنا فی اللہ کہتے ہیں۔

(۲) تصوّف کا اسلام میں داخلہ

تصوّف (جسے آجکل جدت پسند لوگ "عرفان" اور بدنامی سے بچنے کے لیے صوفیہ کو عرفاء کہتے ہیں) کی عمارت کا سنگ بنیاد "وحدت الوجود" بلکہ "وحدت الموجود" اور "ہمہ اوست" جیسے غیر اسلامی بلکہ سراسر مشرکانہ و کافرانہ نظریات پر قائم ہے پھر اسلام میں یہ تصوف کس طرح داخل ہوا؟ اور اسے کس طرح مشرف باسلام کیا گیا؟ یہ ایک خونچکاں داستان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وفات نبوی کے بعد خاندانِ رسالت سے ظاہری اقتدار چھیننے کے بعد بنی اُمیہ کے دور میں اس خانوادہ عصمت و طہارت کے روحانی اقتدار پر شبخوں مارنے کی خاطر بظاہر تارک دنیا اور بہ باطن سگِ دنیا قسم کا ایک صوف پوش گروہ تیار کیا گیا اور اسے حکومتی سرپرستی سے نوازا گیا۔ اس کی خودساختہ کشوف و کرامات کا ڈھنڈورا پیٹا گیا تاکہ عامۃ الناس کو خاندانِ نبوت کے دروازہ سے ہٹایا جائے۔ اور ان لوگوں کے دروازہ پر جھکایا جائے۔

(انوارِ نعمانیہ وغیرہ)

(۳) صوفیہ کی مذمّت کلامِ معصومین کی روشنی میں

صوفیہ کی مذمت میں ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اس قدر فرامین ہماری مستند کتابوں میں موجود ہیں کہ جن کا عدو احصا مشکل ہے یہاں بطور نمونہ مشتے از خروارے دو چار ارشادات پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) علامہ مقدس اردبیلی اپنی جلیل القدر کتاب حدیقۃ الشیعہ میں باسناد

خود رقم طراز ہیں کہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ زمانہ حاضرہ میں (ماضی قریب میں) ایک قوم پیدا ہوئی ہے جسے صوفیہ کہا جاتا ہے آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا انہم اعدائنا۔ فمن مال الیہم فہو منہم ویحشر معہم وسیکون اقوام یدعون حبنا ویمیلون الیہم ویتشبہون بہم ویلقبون انفسہم بلقبہم ویأولون اقوالہم الا فمن مال الیہم فلیس منا وانا منہ براء ومن انکرھم ورد علیہم کان کمن جاھد الکفار بین یدی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

لاریب یہ لوگ ہم اہل بیت ورسالت کے دشمن ہیں پس جو شخص ان کی طرف مائل ہو۔ اور ان سے محبت رکھے وہ بھی ان میں سے شمار ہوگا۔ اور وہ ان کے ساتھ محشور ہوگا۔

فرمایا بہت ہی جلد کچھ ایسے لوگ پیدا ہونگے۔ جو ہماری محبت اور دوستی کا دعوٰے کریں گے۔ اور باوجود اس کے وہ صوفیوں کی طرف مائل ہوں گے اور لباس اور اس لقب میں ان کی مشابہت اختیار کریں گے۔ اور ان کے (کافرانہ اور مشرکانہ) اقوال کی تاویل کریں گے لہٰذا وہ ہم میں سے نہیں ہوں گے۔ ہم ان سے بیزار ہیں جو شخص ان سے نفرت اور انکار کریگا اور ان کے بدخیالات کی تردید کریگا اس کا ثواب ایسے شخص کی مانند ہوگا جس نے نبی پاکؐ کے ہمراہ جہاد کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ (حدیقۃ الشیعہ صـ۵۶۲ تا آخر وصـ۵۶۳ طبع جدید)

(۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ

کہ! الصوفیۃ کلھم من اعدائنا وطریقتھم مبائنۃ بطریقتنا

سب صوفی ہمارے دشمن ہیں اور ان کا طریقہ ہمارے طریقہ کے متغائرد منافی ہے (ایضاً)

ان لوگوں کے مکروہ چہروں کو بالکل بے نقاب کردیا ہے۔

(۳) نیز جناب مقدس اردبیلی حضرت شیخ مفید کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام مسجد نبوی میں اپنے اصحاب کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ کہ اچانک صوفیوں کا ایک گروہ وارد ہوا اور مسجد نبوی میں ایک طرف دائرہ کی شکل میں بیٹھ کر تہلیل (لا الٰہ الا اللہ) کا ورد کرنے میں مشغول ہوگیا تو آپ نے فرمایا ان فریب کاروں کی طرف توجہ نہ کرو یہ شیطان کے خلیفے ہیں

"انھم اخس طوائف الصوفیۃ والصوفیۃ کلھم من مخالفینا وطریقتھم مغائرۃ لطریقتنا وان ھی الا نصاری و مجوس ھذہ الامۃ۔ الخ"

"یہ صوفیوں کا پست ترین گروہ ہے اور تمام صوفیہ ہمارے مخالف ہیں اور ان کا راستہ ہمارے راستہ سے جدا ہے اور یہ اس امت کے نصاریٰ اور مجوسی ہیں۔ (حدیقۃ الشیعہ ص ۶۰۲، ۶۰۳)

(۴) بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خود بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بدعقیدہ و بدعمل گروہ کی پیدائش کی پیشگوئی فرمائی تھی۔

چنانچہ شیخ عباس محدث قمیؒ حضرت شیخ بہائی علیہ الرحمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیام قیامت سے پہلے میری امت میں ایک جماعت پیدا ہوگی

اسمهم الصوفیة لیسوا منی وانهم یحلقون للذکر ویرفعون اصواتهم یظنون انهم علی طریقی بل هم اضل من الکفار و هم اهل النار لهم شهیق الحمار الخ

"جس کا نام صوفیہ ہوگا اور ذکر کے لیے حلقہ بنا کر بیٹھیں گے اور آواز بلند کریں گے وہ درحقیقت میری امت سے نہیں ہوں گے بلکہ وہ یہود سے شمار ہوں گے اور وہ کفار سے بھی بدتر ہوں گے اور جہنمی ہوں گے اور گدھوں کی طرح آوازیں بلند کریں گے۔" (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۵۸)

۴: صوفیہ کے بعض عقائد باطلہ کا تذکرہ:- صوفیہ عقائد و نظریات کے اعتبار سے

نہ صرف بدعقیدہ ہیں، بلکہ مشرک ہیں، بلکہ ملحد ہیں اور عمل و کردار کے لحاظ سے بدکردار اور کج رفتار ہیں۔ تفصیلات میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ خدا نے توفیق دی تو اس موضوع پر ایک مفصل کتاب لکھی جائے گی انشاءاللہ تعالیٰ۔ یہاں ان کے مزعومات باطلہ کا ایک شمہ پیش کیا جاتا ہے بعد ازاں ان کی بدکرداری اور کج رفتاری کی طرف اجمالی اشارہ کیا جائے گا۔ یہ گروہ حلول[۱]، اتحاد، وحدۃ الوجود[۲] اور ہمہ اوست جیسے مشرکانہ عقائد کا علمبردار ہے۔

(۱) چنانچہ ابن عربی (جو اس گروہ کا سرخیل ہے) اپنی کتاب فصوص الحکم میں ایک کلام کے ضمن میں لکھتا ہے۔

"فهو من حیث الوجود عین الموجودات" (فص ادریسی طبع مصر)

---

[۱] یعنی بنفسہ خدا ہی مخلوق کے پیکروں میں نمودار ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح لاہوت اور ناسوت ایک ہو جاتے ہیں۔ منہ عفی عنہ

[۲] عام فہم الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کی کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب خدا ہے یعنی خدا ہر شے ہے اور ہر شے خدا ہے۔ (منہ عفی عنہ)

اور فصوص ہوریہ صفحہ ۱۶۲ پر لکھا ہے

فهو السارى فى مسمى المخلوقات والمبدعات

خدا ہی تمام مخلوقات میں جاری و ساری ہے

(۳) لا ادم فى الكون ولا ابليس = لا ملك سليمان ولا بلقيس

فالكل عبارة وانت المعنىٰ ٭ يا من هو بالقلوب مقناطيس

(کتاب وحدۃ الوجود والشہود ص ۱۴۸)

منصور حلاج خدا سے خطاب کر کے کہتا ہے ؎

مزجت روحك فى روحى كما

تمزج الخمرة بالماء الزلال۔

تیری روح میری روح کے ساتھ اس طرح مل گئی ہے جس طرح شراب صاف و شفاف پانی میں ملا دیجاتی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۳ ج ۱۱)

نیز منصور لکھتا ہے

"وما كان فى اهل السماء موحد مثل ابليس فقال له اسجد قال لا غير وقال له وان عليك لعنتى قال لا غير

یعنی آسمان والوں میں ابلیس جیسا کوئی مُوحّد نہ تھا خدا نے کہا آدم کو سجدہ کر۔ اس نے کہا کہ غیر کا وجود ہی نہیں ہے خدا نے کہا تجھ پر میری لعنت اس نے کہا تیرے سوا کسی کا وجود ہی نہیں ہے۔

(کتاب طور سین مترجم ب ص ۱۲۴/۱۲۹ طبع لاہور)

منصور کا دعویٰ "انا الحق" اتنا مشہور و مسلم ہے کہ کوئی صاحب عقل و علم اس کا انکار نہیں کر سکتا (طور سین ص ۱)

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ حلاج اپنے پیروکاروں کے سامنے اپنی

خدائی کا دعوے کیا کرتا تھا۔ (فہرست ابن ندیم)

۴:۔ نیز ابن عربی لکھتا ہے۔

سبحان من اظہر الاشیاء وھو عینھا فما نظرت فی غیرہ وجھہ وما سمعت اذنی خلاف کلامہ

(فتوحات مکیہ ص ۴۵۹ ج ۲ طبع بیروت)

یہی وہ منصور حلاج ہے جس کے قتل کا فتوائے دینے والوں میں سرفہرست جناب حسین بن روح تھے۔ جوکہ امام زمانہ کے نائب خاص تھے اور انہوں نے یہ فتوائے ناحیہ مقدسہ سے توقیع مبارک آجانے کے بعد صادر فرمایا تھا امام زمانہ نے اس پر لعنت کی ہے اور اس سے بیزاری ظاہر کی ہے

(احتجاج طبرسیؒ، کتاب غیبت شیخ طوسیؒ)

محمود شبستری کہتا ہے

مسلمان گر بدانستی کہ بُت چیست

بدانستے کہ دیں در بُت پرستی است۔

یعنی: مسلمان جانتا گر بُت کیا ہے ؟ سمجھتا بُت پرستی میں خدا ہے۔

(گلشن راز ص ۲۹۴ طبع لاہور)

شبلی کہتا ہے۔

انا اقول وانا اسمع فھل فی الدارین غیری۔

میں ہی کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں آیا دارین میں میرے سوا کوئی اور بھی ہے

(التعرف علی مذہب التصوف ص ۱۲۵ طبع مصر)

خواجہ غلام فرید لکھتے ہیں۔

"شبلی نے کہا میں چاہتا ہوں کہ بہشت اور دوزخ کو ایک لقمہ سمجھ کر کھا جاؤں تاکہ بے سبب اس کی عبادت کریں"۔ ذکر ہے کہ ایک دن حضرت شبلی وحدتِ وجود پر وعظ فرمارہے تھے کہ حضرت جُنید آئے اور فرمایا کہ اے شبلی! زیادہ فاش نہ کر۔ حضرت شبلی نے فرمایا میں ہی کہتا ہوں اور میں ہی سُنتا ہوں۔ دونوں جہانوں میں میرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

(فیوضاتِ فریدیہ ترجمہ فوائد فریدیہ صـ۱۷۶)

اسی سلسلہ کے ایک اہم رکن جناب پیر رومی بھی ہیں۔ جو کہتے ہیں

"خود کوزہ و خود گِل کوزہ و خود کوزہ گر

خود بر سرِ دکاں بر آمد دل پُر دونہاں شُد"

(مثنوی)

۵:- ایک تاویلِ علیل:- عرفان بافی کے حامی لوگ کہا کرتے ہیں کہ عرفاء کے الفاظ وعبارات کے ظاہری معنی حجت نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے خاص معنی ہوتے ہیں جن کو عوام توکجا عام علماء وفقہاً بھی نہیں سمجھ سکتے اے سبحان اللہ! قرآن وحدیث کے ظواہر توحجت ہوں۔ اور انہیں علماء وفقہاء سمجھ بھی سکیں۔ مگر صوفیہ وعرفاء کے کلام کا ظاہر نہ حجت ہو اور نہ اسے کوئی سمجھ سکے تو پھر یہ کلام ہے یا کوئی معمہ؟ جو نہ سمجھنے کا ہے نہ سمجھانے کا؟

۶:- صوفیہ کے بعض اعمال وافعالِ شنیعہ کا تذکرہ یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ عقیدہ وعمل لازم وملزوم ہیں۔ اگر عقیدہ صحیح ہے تو لامحالہ عمل وکردار بھی درست

ہوگا۔ اور اگر عقیدہ غلط ہے تو لازماً عمل بھی برباد ہوگا۔ بنا بریں جب اس طائفہ کا عقیدہ غلط ہے تو عمل کی صحت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ یہ فرقہ تمام ظاہری شرعی عبادات کو "قنطرۃ المعرفۃ" معرفت حاصل کرنے کا پُل تصور کرتا ہے اور جب وہ اس پُل سے عبور کر کے واصل باللہ اور فنا فی اللہ کی منزل تک پہنچ جائے تو عبادات کو لغو محض تصور کرتا ہے چنانچہ فوائد فریدیہ مترجم صلا میں لکھا ہے کہ الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا جس نے واصل باللہ ہونے کے بعد عبادت کا ارادہ کیا پس اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔"

اور یہ لوگ بخیال خویش جو اوراد و وظائف اور عبادات کرتے بھی ہیں وہ بدعت کے زُمرہ میں آتی ہیں جیسے ذکرِ خفی، ذکر جلی کرنا اور حلقاتِ ذکر کا قائم کرنا اور ان میں غنا اور موسیقی سے لطف اندوز ہونا اور پھر وہاں ھا و ھو کا شور بلند کرنا۔ اور ان کے نتیجہ میں حال کا پڑنا وغیرہ اور پھر شریعت و طریقت و حقیقت کی اصطلاحیں قائم کرنا اور مساجد و معابد کے بالمقابل نظام خانقاہی کا اہتمام کرنا اور ان میں مختلف ریاضات کرنا خود ان کے اس نظام کے اسلام کے متوازی و منافی ہونے کی ناقابل رد دلیل ہے۔ (ظلمت بعضھا فوق بعض)

پھر ان تمام خرافات و بدعات کے ارتکاب کا منقصد اقصٰی "روحانیت" اور معرفت کا حصول اور روحانی ترقی کی طلب و تڑپ بیان کیا جاتا ہے حالانکہ روحانیت ایک ایسا لفظ ہے جو آج تک شرمندۂ معنی نہیں ہوا ع

ہے یہ وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہوا

جس قوم میں عمل کا فقدان ہو اور وہ عمل کے میدان میں قدم رکھنے سے

پچھاتی ہو اور انحطاط و تنزل کی طرف گامزن ہو اور علمی وعملی مسائل سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر ہو وہ تصوف کی مزعومہ باطنی ولایت و سرمدیت کی اوٹ میں پناہ لینے کی ناکام کوشش کرتی ہے اور اس کا دار و مدار باطنی معنی پر ہوتا ہے ـــــ اہل دانش جانتے ہیں کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل میں باطنی معنی تلاش کرنا دراصل اس دستور العمل کو مسخ یا منسوخ کرنے کے مترادف ہے ـــ الغرض! تصوّف کسی قوم کے قومی و ملّی انحطاط اور زوال پذیری کی علامت ہے۔ خدا اس سے ہماری قوم و ملت کو محفوظ رکھے اس لیے ہم قوم کے جیالوں کو مشورہ دیں گے کہ ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؑ

۷:۔ چند نام نہاد عرفاء اسلام کے نام: ستم ظریفی یہ ہے کہ آج وہ لوگ بھی تصوف و عرفان سے متاثر نظر آتے ہیں۔ جن کے پیشواؤں سے روحانی اقتدار چھیننے کے لیے تصوف کا اسلام میں کھڑاک کھڑا کیا گیا تھا اور صوفیہ کی سرپرستی کی گئی تھی۔

آج بڑے شدّ و مد کے ساتھ ان لوگوں کو عرفاء اسلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جن کی زندگیوں کے چراغ گل ہو گئے مگر تمام عمر ان کو یہ تک معلوم نہ ہو سکا کہ بانیٔ اسلام کا خلیفہ برحق اور جانشین اوّل علی بن ابی طالبؑ ہیں یا ابو بکر بن ابو قحافہ؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی ست

ان عُرفاء میں سرفہرست (۱) محی الدین ابن عربی (بالفاظ مناسب ممیت الدین) ہے جس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ

"اہل اللہ کی ایک جماعت ہے جسے "رجبیوں" کہتے ہیں ان کو

رجب کے مہینہ میں زیادہ کشف و کرامات ہوتے ہیں — ان میں سے ایک بزرگ کی میں نے زیارت کی ہے، جن کو شیعہ خنزیر کی شکل میں نظر آتے تھے۔ (فتوحات مکیہ ج ۸ ص ۲ طبع بیروت)

۱۳:۔ انہی عُرفاء میں سے ایک عارف المعارف غزالی ہیں جنھوں نے احیاء العلوم میں یزید پلید کی پوری وکالت کر کے۔ اسے شہادت امامؑ سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے مومن ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

۱۴:۔ انہی عرفاء میں سے ایک شیخ عبدالقادر جیلانی بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں بزعم خود متعدد دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ شیعہ اس امت کے "یہودی" ہیں (معاذاللہ)

۵:۔ اور انہی عُرفاء میں ایک بڑا عارف منصور حلاج ہے۔ جن پر امام زمانہؑ نے لعنت کی ہے اور تبرا کیا ہے۔ (احتجاج طبرسی)

غور و فکر اور عبرت کا مقام ہے کہ جن بدعتیوں کو شیعہ خنزیر کی شکل میں نظر آئیں اور جو ان کو یہود ٹھہرائیں اور جو یزید پلید کی وکالت فرمائیں اور جن پہ امام زمانہ لعنت و نفریں فرمائیں وہی لوگ آجکل جاہلے عرفان بافوں کو عُرفاء اسلام نظر آئیں ؎

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

۹: **قرضہ لینا:-** اگرچہ قرض بدعات کے زمرہ میں نہیں آتا۔ کیونکہ یہ لعنت اسلام سے پہلے موجود تھی اسلام نے اس میں کافی حد تک اصلاح کی ہے اور اس کے لیے کچھ قواعد و ضوابط مقرر کیے ہیں مگر چونکہ یہ ایک عام معاشرتی خرابی ہے اور بہت بری رسم ہے اسلئے یہاں

اس کا ضمناً تذکرہ اصلاح معاشرہ کے لیے فائدہ سے خالی نہیں ہے بلکہ بے جا بے ضرورت یا ضرورت سے زیادہ قرض لینے کو بدعت کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔

قرض ایک چھوٹا سا سہ حرفی لفظ ہے جو بڑی آسانی سے زبان سے ادا ہو جاتا ہے مگر خدانخواستہ جب اٹھایا جائے تو پھر اترنے میں نہیں آتا قرض کے اس قدر نقصانات ہیں جو ضبطِ تحریر میں نہیں لائے جا سکتے۔

قرض کے بعض نقصانات

۱: **بے عزتی:** مقروض اپنے قرض خواہوں کو شکل نہیں دکھاتا اور کبھی سرِ راہ مل جائے تو ان سے منہ چھپاتا ہے کہ کہیں اس کی بے عزتی نہ کر دیں۔

۲: **دروغ گوئی:-** مقروض کو جھوٹ ضرور بولنا پڑتا ہے جب قرض خواہ تقاضا کرے تو یہ ایک تاریخ کا وعدہ کر دیتا ہے مگر ایفا کی توفیق نہیں ہوتی اسلئے وعدہ پر وعدہ کیے جاتا ہے اس طرح جھوٹ قرضہ کی پشت پر سوار رہتا ہے۔

۳: **بے اعتباری:-** مقروض بار بار وعدہ کرنے اور پھر پورا نہ کرنے

ی وجہ سے بے اعتبار ہو جاتا ہے۔ قرض خواہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس کے وعدہ کا اعتبار نہیں کرتے۔

۴: عمر بھر کی غلامی :۔ مقروض قرض خواہ کا غلام ہوتا ہے اور یہ پھندا اس کی گردن سے کبھی نکلتا نہیں ہے۔

۵: بددیانتی :۔ قرض لیتے لیتے بعض اوقات" نوبت بایں جا می رسد" کہ لوگ اس نیت سے قرض لیتے ہیں کہ کس نے ادا کرنا ہے اسلیئے وہ جان بوجھ کر اس قدر قرض لے لیتے ہیں جس کی ادائیگی ان کے بس سے باہر ہوتی ہے — ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی بددیانتی ہے۔ کیونکہ "اَدَاءُ الدَّین من الدین"

۶: کنبہ والوں کے لیے مصیبت :۔ جس طرح خود مقروض پریشان حال ہوتا ہے اسی طرح اس کے کنبے کے لوگ بھی ہر وقت بیم و خوف سے پریشان حال رہتے ہیں۔ کہ اب کوئی قرض خواہ آیا اور اب۔

۷: دوستوں کو دشمن بنانا :۔ جب دوستوں سے قرضہ طلب کیا جائے تو یا تو دوست قرضہ نہ دے گا یا دے گا۔ اور یہ دونوں صورتیں دوستی کے لیے قینچی کا کام کرتی ہیں — اگر دوست نے قرضہ نہ دیا تو اسی وقت دوستی ختم! — اور اگر دے دیا تو جب مدت تک انتظار کرنے کے بعد وہ مطالبہ کریگا۔ اور یہ صاحب ٹال مٹول کریں گے اس لیے پھر دوستی میں بھنگ پڑجائیگی اور بالآخر خاتمہ پر منتج ہوگی اسلئے کہا گیا ہے اَلْقَرْضُ مِقْرَاضُ الْمَحَبَّۃ۔

۸: اخلاقی و روحانی نقصان :۔ جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ مقروض کبھی جھوٹ بولتا ہے کبھی خیانت کرتا ہے کبھی وعدہ خلافی کرتا ہے وغیرہ

تو اسکے ناقابل تلافی اس کا اخلاقی و روحانی نقصان ہوتا ہے۔

۹: سودی بالکل بربادی:۔ اور اگر سودی قرضے جو شرعاً حرام ہے تو پھر دین و ایمان کی بربادی کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھی بربادی کا مکمل سامان ہے۔

قرض سے بچنے کا طریقہ

اگر انسان دُور اندیشی اور عاقبت بینی سے کام لے اور کفایت شعاری کو عمل میں لائے اور اپنی آمدنی کے مطابق خرچ کرے اور اپنے پاؤں پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لیا کرے تو کبھی اس بلائے بے درماں میں مُبتلا نہ ہو۔

ابوالفضل نے اپنی بعض تالیفات میں معاشیات کے سلسلہ میں لوگوں کی اس طرح تقسیم کی ہے۔

۱:۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہ جتنا کماتے ہیں اتنا ہی خرچ کر دیتے ہیں۔

(۲) کچھ لوگ وہ ہیں جن کی آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

(۳) اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کی آمدنی زیادہ اور خرچ کم یعنی اپنی زیادہ یا تھوڑی آمدنی میں سے آڑے وقت کے لیے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ نہ عقل مند ہیں اور نہ احمق۔ دوسری قسم کے لوگ بالکل احمق ہیں۔ البتہ تیسری قسم کے لوگ عقل مند کہلانے کے حقدار ہیں۔

(دفتر ابوالفضل)

الغرض! دُنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو قرضہ لیتے ہیں دوسرے وہ جو قرضہ دیتے ہیں یعنی ایک پس انداز کرنے والا، دوسرا برباد

کرنے والا۔ ایک دُور اندیش، دوسرا کوتاہ اندیش، ایک کفایت شعار، دوسرا فضول خرچ، ایک مالدار، دوسرا نادار۔

یہ امر تجربہ سے ثابت ہے کہ قرض کا دار و مدار زیادہ یا تھوڑی آمدنی پر نہیں۔ بلکہ کفایت شعاری اور فضول خرچی پر ہے، بعض قلیل آمدنی والے قرض نہیں لیتے اور اپنی گزر اوقات کے ساتھ جائداد بھی بنا لیتے ہیں۔ اور بعض بڑی آمدنی والے بھاری قرض کے بوجھ تلے دبے ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ عقل مندی یہ ہے کہ اپنی آمدنی اور خرچ کا مکمل اندازہ لگایا جائے۔ اور اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرنے، شادی و غم وغیرہ۔ کی غلط رسموں پر فضول خرچی کرنے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ بلکہ اپنی آمد سے کچھ نہ کچھ ضرور پس انداز کیا جائے۔ پھر دیکھیں قرض لینے کی کبھی نوبت نہیں آئیگی۔

دیکھئے! اگر کسی شخص کو حاکم وقت۔ صرف چار سیر نخود بریاں اور پانی کا ایک گھڑا دے کر ایک ماہ کے لیے تیرہ و تار مکان میں قید کر دے اور دروازہ مقفل کر کے، پہرہ دار بٹھا دے کہ کوئی اندر سے باہر اور باہر سے اندر نہ آ جا سکے تو تمہارا کیا خیال ہے۔

وہ قیدی اس نان و نفقہ کو چند روز میں پیٹ بھر کر کھا پی کر ختم کر دیگا یا اس کو اس طرح اندازہ کے ساتھ خرچ کریگا کہ پورا مہینہ نکل جائے؟ یقیناً وہ اس دوسری صورت کو اختیار کریگا۔ تو جو لوگ بھی اس عالمِ اسباب میں زندگی کے چند دن عزت سے گزارنا چاہتے ہیں ان کو اسی طرح دُور اندیشی سے کام لے کر وقت گزارنا پڑے گا۔

بلبلِ شیراز کہتے ہیں ؎

بدختر چہ خوش گفت بانوئے دہیہ ٭ کہ روز نے نوا برگ سختی بنہ
ہمہ وقت پر دار مشک و سبو ٭ کہ پیوستہ در دہ رواں نیست جو

لاکھوں آدمی اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرنے کی وجہ سے محض اس خواہش میں تباہ ہو گئے ہیں کہ وہ لوگوں میں معزز کہلائیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ حقیقی عزت ظاہری نمائش میں نہیں ہے۔ ایسا کرنے سے تھوڑے سے وقت کے لیے لوگوں کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔

مگر جب اصل حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے تو وہ پہلے سے بھی زیادہ لوگوں کی نظروں میں خفیف ہو جاتا ہے اسلئے عقل مندوں کا قول ہے کہ "کوئی سلیم العقل آدمی یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس کی نسبت وہ خیال کریں جو درحقیقت وہ نہیں ہے"

ملحوظ رہے کہ آسودگی کا زمانہ مفلسی کے زمانہ سے زیادہ آزمائش کا باعث ہوتا ہے۔ لوگ جب تھوڑا سا آسودہ ہونے لگتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ عیش و عشرت کے اسباب بڑھانے لگ جاتے ہیں اور اس طرح ان کی آمدنی سے اخراجات بڑھنے لگ جاتے ہیں اور وہ اپنی نمائشی وضعداری کو قائم رکھتے رکھتے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ آدمی کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے کہ ع

"ان الصغیر یھیج الکبیر"

کہ چھوٹی باتوں سے بڑی باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک شریف آدمی کا بیان ہے کہ جب وہ اپنی تجارت سے آسودہ ہونے لگا تو اس کی بیوی کو عمدہ اور شاندار پلنگ کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اسکا پلنگ پر چھ ہزار پونڈ خرچ ہو گیا (یہ سستے دور کی بات ہے) وہ اس طرح کہ جب

پلنگ تیار ہو کر گھر پہنچا تو مناسب معلوم ہوا کہ اسکے ارد گرد رکھنے کے لیے کرسیاں بھی نئی اور خوب صورت ہوں پھر ان کا آرڈر دیا گیا جب وہ تیار ہو کر آگئیں تو پھر ان کی مناسبت سے گھر کے تمام پردے، چلمنیں، قالین، اور میزیں بھی درکار ہوئیں۔

الغرض سے گھر کا سارا سامان بدلا گیا جب یہ سب کچھ ہو گیا تو پھر دیکھا گیا کہ پرانی وضع کا یہ تنگ اور پرانا مکان اس نئے ساز و سامان کے لیے موزوں نہیں ہے چنانچہ ایک نیا اور وسیع مکان تیار کرنا پڑا جس کی وجہ سے اسے چھ ہزار پونڈ کا جوت لگ گیا۔

پھر اس مکان کی دیکھ بھال اور درستی کے لیے نوکروں چاکروں کا سوا دو ہزار پونڈ سالانہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ روپیہ پیسہ وافر تھا۔ ورنہ عجب نہ تھا کہ اس پلنگ کی بدولت آج بھیک مانگتا ہوتا۔

بہر کیف دانش مندی یہ ہے کہ اپنی آمدنی پر گزر اوقات کیا جائے۔ فضول خرچی سے دامن بچایا جائے۔ اور تھوڑی بہت زحمت و تکلیف برداشت کر لی جائے مگر قرضہ ہر گز نہ لیا جائے۔ ونعم ماقیل ؎

بہ تمنائے گوشت مردن بہ ز تقاضائے زشت قصاباں

انگلستان کے ایک فاضل بیان کرتے ہیں شروع میں میں نے اپنا کام چلانے کے لیے دس پونڈ قرضہ لیا مگر بہت جلد سمجھ آگئی۔ اس لیے تکلیف اٹھا کر وہ قرضہ مع سود ادا کر دیا۔ پھر زندگی بھر کبھی قرضہ کا نام نہ لیا۔ بارہا ضرورتوں نے قرضہ لینے کی ترغیب دی اور میری اس قدر عزت بھی تھی کہ میرے احباب بلا سود مجھے قرضہ بھی دے دیتے مگر میں نے کبھی اس کی جرأت نہ کی۔ بالآخر میرے حوصلہ اور ہمت نے مجھے قرضہ لینے سے ہمیشہ کے لیے

بے نیاز کر دیا"۔ (از رسالہ قرض، مولوی محبوب عالم مرحوم)

اسلئے دانش مندی یہ ہے کہ قرض لینے کی رسمِ بد سے (جو معاشرہ میں وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے) اپنے دامن کو بچایا جائے اور سوائے ناگزیر حالات کے اس کا تصور بھی نہ کیا جائے۔

۱۱: عورتوں کا ناخن بڑھانا اور ناخن پالش لگانا:۔ تہذیب مغرب کے گندے انڈوں میں سے ایک گندا انڈہ یہ بھی ہے کہ مغربی عورتوں کی دیکھا دیکھی ہماری عورتوں نے بھی بندریوں کی طرح لمبے لمبے ناخن بڑھانے شروع کر دیئے ہیں۔ حالانکہ شرعاً ان کے کٹوانے کا حکم ہے اور پھر اس پر ستم یہ ہے کہ ان پر دبیز قسم کی پالش لگالیتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ان کا غسل بھی غلط اور وضو بھی غلط۔ کیونکہ اسلامی فقہ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ غسل میں بدن کا کوئی حصہ اور وضو میں اعضاءِ وضو کا کوئی حصہ (اگرچہ بال کے برابر ہی ہو) خشک رہ جائے تو اس سے غسل یا وضو باطل ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس پالش کی وجہ سے ناخنوں تک پانی نہیں پہنچ سکتا۔ تو جب غسل یا وضو صحیح نہ ہوا۔ تو اس طرح ان کی وہ عبادت بھی صحیح نہ ہوگی جس میں طہارت شرط ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کس قدر گھاٹے کا سودا ہے۔ اسلئے ایسی عورتوں کو جو اس رسمِ بد کا شکار ہیں مخلصانہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ ؎

تہذیب نو کے منہ پر وہ تھپڑ رسید کر :: جو اس حرام زادی کا حلیہ بگاڑ دے

عورتوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کی زینت زیور، لباس، ناخن پالش لگانے میں نہیں ہے بلکہ شرم و حیا، علم و ہنر، محنت و پاک دامنی اور پردہ میں ہے ؎

بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را؟

۱۲۔ ڈاڑھی مُنڈوانا اور مُونچھیں بڑھانا:۔ منجملہ غیر اسلامی رسموں کے ایک مردوں کا ڈاڑھی مُنڈوانا اور مونچھیں بڑھانا بھی ہے۔ فقہ جعفریہ میں ڈاڑھی مُنڈوانے کی حُرمت اور مونچھیں بڑھانے کی کراہت شدیدہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ کہ ڈاڑھی مُنڈوانا مجوسیوں کا طریقہ ہے۔

اسلام کے اندر اس فعل شنیع کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس موضوع پر عربی، فارسی، اور اُردو وغیرہ میں بہت سے کُتب و رسائل لکھے گئے ہیں ہم نے بھی "حُرمت ریش تراشی قرآن و سُنّت کی روشنی میں" نامی رسالہ میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کر کے اس فعل کا نہ صرف عام گناہ بلکہ اس کا گناہ کبیرہ ہونا ثابت کر چُکے ہیں۔

عالمِ ربانی حضرت علامہ شیخ یوسف بحرانی نے لکھا ہے کہ دوسری دلیلوں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف یہی چیز اس کی حُرمت مُغلّظہ ثابت کرنے کے لیے کافی و وافی ہے کہ زنا جیسے سنگین جرم کی وجہ سے کوئی قوم مسخ نہیں ہوئی مگر ڈاڑھی مُنڈوانے کی وجہ سے ایک قوم مسخ ہو چکی ہے چنانچہ اصول کافی میں وہ واقعہ تفصیل کے ساتھ درج ہے کہ جناب امیرالمومنینؑ نے اپنے ظاہری دورِ خلافت میں کوفے کے بازار میں بے چھلکا مچھلی (جسے مَلی مچھلی کہا جاتا ہے) بیچنے والوں کو کوڑے لگائے اور یہ کہہ کر بازار سے نکال دیا۔

"یا بیاعی مسوخ بنی اسرائیل وجند بنی مروان"۔

اے بنی اسرائیل کی مسخ شُدہ مخلوق اور لشکر بنی مروان کے بیچنے والو!

حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا کہ بنی اسرائیل کی مسخ شدہ مخلوق سے

آپ کی مُراد کیا ہے؟ فرمایا یہ ایک قوم تھی جس کا جرم یہ تھا کہ یہ ڈاڑھیاں مُنڈواتے تھے اور مونچھیں بڑھا کر ان کو تاؤ دیتے تھے جنہیں خدائے قہار نے اس شکل (دملی مچھلی) میں مسخ کر دیا۔

کتاب جعفریات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا

لَیْسَ مِنَّا مَنْ حَلَقَ

"جو شخص ڈاڑھی منڈواتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" کسریٰ (شاہِ ایران) نے چند داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز قسم کے نمائندے دربار رسالت میں بھیجے۔ مگر خلق عظیم کے مالک نے ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور دریافت فرمایا

"تمہیں یہ ہیئت و شکل اختیار کرنے کا کس نے حکم دیا ہے"؟

انہوں نے کہا ہمارے بادشاہ (کسریٰ) نے یہ سُن کر آں حضرتؐ نے فرمایا لیکن میرے بادشاہ (خدا تعالیٰ) نے مجھے ڈاڑھی رکھوانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ)

الغرض ہمارے مذہب میں داڑھی منڈوانا بالاتفاق فعلِ حرام ہے۔ جس سے اجتناب کرنا اہلِ ایمان کا فرض ہے۔

بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص نے داڑھی ترشوائی وہ امیر شام تھا (تنبیہ الغافلین) اور جس نے سب سے پہلے مونچھیں بڑھائیں وہ حضرت ثانی تھے (الفاروق شبلی) اور جس نے پہلے پہل ڈاڑھی منڈائی وہ یزید پلید تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ مشتاً حلق یا ریک ڈاڑھی کتراتے ہیں وہ امیر شام کی سُنّت پر، جو....

منڈواتے ہیں وہ یزید علید کے طریقہ پر اور جو مونچھیں بڑھاتے ہیں وہ حضرت ثانی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

کیا زبان وکلام سے محبت اہلِ بیت کا دعوےٰ کرنا اور عمل وکردار سے دشمنانِ اہلِ بیت کی پیروی کرنا ایک شرمناک بات نہیں ہے؟ کیا آلِ محمدؐ کی دوستی کا دم بھرنے والے وہ لوگ جو اس گناہ بے لذت میں گرفتار ہیں اپنی روش ورفتار پر نظرِ ثانی کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟؟

اسلامی برادری کے قول وفعل کا یہ تضاد ہی ان کے ہر قسم کے تنزلی وزوال کا باعث ہے جیساکہ قول وفعل کی یک رنگی وہم آہنگی ہر قسم کی دینی و دنیوی فوز وفلاح اور دارین میں کامیابی وکامرانی کی ضامن ہے۔ خداوندِ عالم تمام مسلمانوں کو بالعموم اور ائمہ اطہار کے نام لیواؤں کو بالخصوص اس نعمت عظمیٰ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ تاکہ ان کی دنیا بھی سدھر جائے اور عقبیٰ بھی سنور جائے۔

وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء یعنی ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ؛ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پیشوایانِ دین کی خوشی میں خوش اور غم میں غمناک ہونا یہ قانونِ قدرت ہے فطری حق ہے مگر منکرات سے اجتناب لازم ہے

اور آئین فطرت بھی ہے کہ ہر محب اپنے محبوب کی خوشی میں خوش اور اس کے غم میں غمناک ہوتا ہے۔ خدا ومصطفےٰ اور دین خدا کا کوئی منکر بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا۔ بنابریں جناب رسول خدا یا دوسرے ائمہ ہدیٰ کی ولادتوں پر جشن میلاد منعقد کرنا اور ان کی شہادتوں پر مجالس عزا برپا کرنا ہمارا فطری ومذہبی حق ہے

جس سے دنیا کی کوئی طاقت ہمیں محروم نہیں کر سکتی اور جو اس کے خلاف کہتا ہے اس نے یا کتاب فطرت کو پڑھا نہیں یا پھر اسے سمجھا نہیں ہے۔

لہٰذا جشن میلاد النبیؐ منانا یا جشن ولادت حضرت امیر علیہ السلام جشن ولادت حضرت امام حسنؑ یا جشن میلاد حضرت امام حسین علیہ السلام اور اسی طرح دوسرے ائمہ طاہرین کے جشن ہائے میلاد کا انعقاد کرنا یا جشن غدیر و مباہلہ منعقد کرنا نہ صرف یہ کہ مباح ہے بلکہ مستحسن و مستحب اور نہایت پسندیدہ فعل ہے مگر اس قسم کے مواقع پر ہونا یہ چاہیئے کہ جہاں محافل میلاد کا انعقاد کر کے شب کو گھروں میں چراغاں کیا جائے، لباس فاخرہ زیب بدن کیا جائے۔

اہل ایمان کی ضیافت کا اہتمام کیا جائے، غرباء و مساکین میں اشیاء خورد و نوش تقسیم کی جائیں۔ باہمی میل و ملاقات کی جائے، باہمی رنجشوں کو نظر انداز کر کے ایک و نیک ہونے کا عملی مظاہرہ کیا جائے۔ اور ان محافل میں قرآن کی تلاوت کی جائے۔ درود شریف کا ورد کیا جائے، وہاں ان ذوات مقدسہ کی ولادت باسعادت کے واقعات، ان کی زندگی کے اہم حالات و واقعات، مستند معجزات و کرامات، ان کی سیرت و کردار۔ اخلاق و اطوار اور خصائل و شمائل بیان کر کے لوگوں کو ان کی سیرت پر چلنے کی تلقین کی جائے اور غدیر جیسے اہم جشنوں کے اصل حقائق و واقعات سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

الغرض حد اعتدال کے اندر رہ کر اپنی جسمانی و روحانی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا جائے اور ان تقاریب سعید کو اپنے دین و دنیا کو سنوارنے سدھارنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ نہ یہ کہ غلط رسموں کو ادا کر کے اور غلط کاریاں

کر کے ان مقدس تقریبوں کا حلیہ بگاڑا جائے اور ان کی حقیقی روح کو پامال کر کے ان کی افادیت کو پامال کر دیا جائے۔

جیسے طبلے کی تھاپ پر راگ رنگ، چنگ و رباب، کا استعمال یا رقص و سرود کا ارتکاب یا بے پردہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط یا مالی اسراف و تبذیر کا اظہار۔ جیسا کہ برادرانِ اسلامی جشن میلاد النبیؐ پر کرتے ہیں یا جیسے ہمارے ہاں بعض غیر ذمہ دار لوگ جشن غدیر پر ناقابل بیان انداز میں اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ فلمی دھنوں میں قصائد خوانی اور بعض شرمناک محافل ہجویہ ایمان سوز اور غیر شرعی اعمال و افعال ناشائستہ کا اہتمام کرتے ہیں۔

ان تمام لغویات سے اجتناب واجب ہے اور ان مقدس تقاریب کو اور انہی کی طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی مقدس تقریبوں کو ان خلافِ شرع کاموں سے منزہ و مبرا رکھنا لازم ہے۔ اہلِ ایمان کا فرض ہے کہ وہ ان تہواروں کو شرعی موازین و آئین کی حدود کے اندر رہ کر منائیں۔ اور جادۂ قرآن و اسلام سے ادھر اُدھر قدم نہ ہٹائیں۔ تاکہ ہمارا کوئی کام، اور کوئی اقدام اور ہماری کوئی حرکت اور ہمارا کوئی سکون قانونِ اسلام اور اُسوۂ محمد و آل محمد علیہم السلام کے خلاف نہ ہو۔ بلکہ اسکے عین مطابق ہو۔ تاکہ ہمارا وجود ان کے لیے باعث زیب و زینت بن جائے۔ اور ہمارا کردار دین اسلام اور مذہب حق کی ترویج و ترقی اور اس کی نشر و اشاعت کا باعث بن جائے۔

۱۴: طلاق دینے میں بے اعتدالی

اسلامی اور غیر اسلامی طلاق میں بہت نمایاں فرق ہے

ہندو مذہب میں تو طلاق کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اس میں تو جو عورت ایک بار جس شخص کے ساتھ بیاہ دی جائے۔ اب جان جائے تو جائے مگر

نکاح نہیں جاتا۔ اس لیے اس میں "سنی" کرنے کی ظالمانہ و سنگدلانہ رسم موجود ہے اور انگریزوں میں طلاق حاصل کرنا اس قدر سخت ہے کہ جب تک شوہر اپنی بیوی کا زناکار ہونا عدالت میں ثابت نہ کرے اس وقت تک وہ اپنی ناپسندیدہ بیوی سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ مگر اسلام کا طریقہ ان کے بین بین ہے نہ بالکل سخت اور نہ بالکل سہل۔

اسلام نے ناگزیر حالات میں جبکہ نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو زندگی بھر کُڑھتے رہنے کی بجائے شوہر کو یہ حق دیا ہے کہ طلاق دیکر عورت کو فارغ کر دے تاکہ دونوں اپنے نئے سفر زندگی کا نئے سرے سے آغاز کر سکیں اور اپنی زندگیوں کو تلخیوں سے پاک کر سکیں۔

مگر بدقسمتی سے عموماً ہوتا یہ ہے کہ طلاق کے سلسلہ میں اسلامی اعتدال کا راستہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو طلاق دینے کو اس قدر بُرا سمجھتے ہیں کہ اگرچہ طلاق جتنی ہی ضروری ہو مگر وہ کسی طرح اس پر آمادہ نہیں ہوتے اور وہ اپنی بے عزتی اور پورے خاندان کی بدنامی سمجھتے ہیں جس سے زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ اور اس کے نتائج ناخوشگوار ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے برعکس بعض لوگ طلاق کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور تھوڑے بگاڑ پر اصلاحِ احوال کی کوئی معقول کوشش کیے بغیر بات بات پر طلاق دے دیتے ہیں۔

اور جب تیر کمان سے نکل جائے تو پھر پچھتاتے ہیں الغرض یہ دونوں طرزِ عمل قابلِ مذمت ہیں اور غیر معقول اور معاشرے کے لیے نقصان رساں ان دونوں سے دامن بچاتے ہوئے اعتدال اور معقولیت کے راستہ پر چلنے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ سے عائلی زندگی کی خرابیوں کا خاتمہ ہو سکے

اور ازدواجی زندگی خوش گوار ہو جائے واللہ ولی التوفیق۔

۱۵: محض شبہ کی بناء پر قتل کرنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ زنا ایک بدترین معاشرتی جرم ہے اور اس کی شریعت میں سخت حد مقرر ہے۔

اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی شوہر اپنی بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ لے تو اس حالت میں دونوں (زانی اور مزنیہ) کو قتل بھی کر سکتا ہے (گو بعد میں قصاص سے بچنے کے لیے شرعی عدالت میں یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ اس نے بہ حالتِ زنا ان کو قتل کیا ہے) مگر بغیر کسی شرعی ثبوت کے محض شبہ کی بنا پر کہ فلاں عورت نے زنا کیا ہے۔ (حالانکہ فی الواقع نہ کیا ہو) عورت کو قتل کر دینا جیسا کہ بعض قبائل میں رائج ہے۔ یہ بہت ہی غلط رسم ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات بے گناہ عورتیں موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہیں بلکہ جس مرد کے متعلق شبہ ہو۔ اسے بھی قتل کر دیا جاتا ہے جس سے کئی قیمتی جانوں کا اتلاف ہوتا ہے۔ کیونکہ پھر قتل کے بدلے قتل کا غلط سلسلہ چل نکلتا ہے اسلئے اس بگڑی ہوئی ذہنیت کی اصلاح ضروری ہے تاکہ اس رسم بد کا خاتمہ ہو جائے اور مظلوموں کی دادرسی کی جا سکے۔ واللہ المؤید۔

۱۶: شبِ برات کا حلوہ اور چراغاں:-

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شبِ برات (نیمہ شعبان کی رات) بڑی بابرکت اور جلیل القدر رات ہے اور لیلۃ القدر کے بعد تمام راتوں سے ممتاز رات ہے۔ اس رات میں سال بھر کے حالات و واقعات اور تمام معاملات کی قدر و قضا ہوتی ہے اور لیلۃ القدر میں ان کی امضا ہوتی ہے۔ بالخصوص حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کی ولادت

باسعادت نے اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس رات شب بیداری کرنے اور عبادتِ خدا میں لبسر کرنے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

مگر اس میں حلوہ پکانے کا لازمی اہتمام کرنا اور حد سے زیادہ چراغاں کرنا آتش بازی اور پٹاخے بازی کرنا غلط رسمیں ہیں جو باعث نقصان وزیاں اور ہندوؤں کے مُبھرے کی رسم کی مشابہت کی وجہ سے ناجائز ہیں لہٰذا ان سے احتراز لازم ہے۔

۱۷: اُجرت پر قُرآن پڑھنا

واجبات پر اُجرت لینا تو بالاتفاق حرام ہے۔ مگر بہت سے ایسے مستحبات بھی ہیں جن پر اُجرت لینا بہت سے علماء وفقہا کے نزدیک حرام ہے۔ منجملہ ان کے اذان، قرأتِ قرآن اور نماز باجماعت پڑھانا بھی ہے۔

برادران اسلامی جو حفاظ کو اُجرت دیکر نماز تراویح پڑھتے ہیں ان کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ فتویٰ لمحل البصر ہے وہ لکھتے ہیں "بعض حفاظ کی عادت ہے کہ اُجرت لے کر قرآن مجید سُناتے ہیں۔ طاعت پر اُجرت لینا حرام ہے اسی طرح دینا بھی حرام ہے۔" (اصلاح الرسوم تھانوی ص۱۹۹)

۱۸: **رسم شبینہ:** اسی طرح موصوف نے سات عدد دلائل سے رسمِ "شبینہ" (ایک رات میں قرآن ختم کرنے کو مکروہ ثابت کیا ہے (ایضاً ص۱۹۹ تا ۲۰۱)

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

۱۹: مساجد و امام بارگاہوں کے نقش و نگار کرنا

مسجد ہو یا امام بارگاہ اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا بہت بڑا کار ثواب ہے۔

"انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ"

مگر اہلِ علم و دانش جانتے ہیں کہ اسلام سادگی پر زور دیتا ہے اور خدا و رسول کو بھی سادگی پسند ہے لہٰذا مساجد و امام بارگاہ ضرور بنائے جائیں بکثرت بنائے جائیں، مضبوط و مستحکم بنائے جائیں اور پھر آباد و شاداب بھی کئے جائیں مگر یہ حقیقت یاد رکھیں!

کہ مساجد کی آبادی نماز پڑھنے سے ہے، جماعت کرنے کرانے سے ہے، درس و تدریس سے ہے، تلاوتِ قرآن سے ہے، اس کے پڑھنے پڑھانے سے ہے، نشرِ اسلام سے ہے، اور اشاعت احکام سے ہے، جیسا کہ کبھی قرونِ اولیٰ و وسطیٰ میں تھی۔ صرف زیب و زینت اور اسکی نقش و نگار سے نہیں ہے۔

اسی طرح امام بارگاہوں کی آبادی اور رونق صحیح مجالس کے انعقاد سے ہے، صحیح فضائل و مصائب اہلِ بیتؑ کے بیان کرنے سے ہے، معصومینؑ کی شہادت کا مقصد بیان کرنے سے ہے۔ اور صحیح اسلامی اصول و فروع کے بیان کرنے سے ہے، مواعظ سے ہے، معارف سے ہے، حقائق سے ہے۔

نہ نقش سے ہے نہ نگار سے ہے، نہ زیب سے ہے، نہ زینت سے ہے، نہ سُر سے نہ تال سے ہے، نہ پڑھنے والوں کے حسن سے ہے، نہ جمال سے ہے۔ اگر ہے تو مسائل حرام و حلال سے ہے، یا پھر ذکر محمدؐ سے ہے، اور ان کی آل سے ہے اور یہ حقیقت عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے کیونکہ؟

آنجا کہ عیان ست چہ حاجتِ بیان ست

لہٰذا بے جا زیب و زینت اور پُر تکلف نقش و نگار اور حدِ اعتدال سے زائد آرائش و زیبائش سے اجتناب لازم ہے۔

قطع نظر شرعی دلائل کے اگر صرف عقلی نقطہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو اسکی قباحت واضح و عیاں ہو جاتی ہے کیونکہ مسجد عبادت خدا کے لیے بنائی جاتی ہے اور

عبادت کی روح حضور قلب اور اس کا خشوع و خضوع ہے۔

اور ظاہر ہے کہ نقش و نگار اس عبادت میں خلل انداز ہوتے ہیں اور اس کی روح کے منافی ہیں ــــ اسی طرح امام بارگاہ امام مظلوم کی مجالس عزا برپا کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ تو ان کی حالت کذائی اس طرح ہونی چاہیئے کہ بندہ ان میں داخل ہو تو اس پر دنیا کی بے ثباتی اور بے مائگی واضح وعیاں ہو جائے اور حزن و ملال طاری ہو جائے۔ نہ یہ کہ الٹا دنیا کی زیب و زینت اور اس کے نقش و نگار کی محبت کا شکار ہو جائے اور اپنے لیے ایسا ہی دلفریب مکان تعمیر کرنے کا دنیوی عزم کر کے واپس آجائے۔ (واللہ العاصم)

۲۰:- **بی بی پاکدامناں لاہور کی زیارت**:- پاکستان کے صوبہ پنجاب کے صوبائی صدر مقام لاہور میں جو مزارات بی بی پاکدامناں کے نام سے مشہور ہیں اور ہمارے سادہ لوح اہلِ ایمان قطار اندر قطار بڑے طمطراق سے قافلوں کی شکل میں زیارت کے لیے وہاں جاتے ہیں۔

تاریخی نقطۂ نگاہ سے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ سیدزادیاں ہوں، پاک دامن بھی ہوں مگر یہ بات قطع و یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ حضرت امیر علیہ السلام کی صلبی شہزادیاں نہیں ہیں کیونکہ جبرائیل امین تو ہمارے پاس وحی لاتے نہیں کہ وہ بتائیں ــــ اور جہاں تک تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا تعلق ہے تو وہ اس سلسلہ میں بالکل خاموش نظر آتی ہے۔ تو پھر ع

یہی مخفے دو حساب سو لیوں پاک ہو گئے؟

۲۱: غیر خدا کے نام کی منت ماننا:۔

ہمارے عوام اہلِ ایمان میں یہ رسم عام جاری ہے کہ وہ جب مشکلات و مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو بالعموم جناب سیدہ یا سرکارِ وفا ابوالفضل عباس یا سرکار سید الشہداء علیہ السلام یا کسی اور امام عالیمقام کے نام پر منت مانتے ہیں۔

حالانکہ مذہبِ حق کے علماء اعلام اور فقہاء عظام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ منت صرف خداوند عالم کی ذات والاصفات کے نام سے مختص ہے اس کے سوا کسی بھی ہستی کے نام کی منت ماننا ہرگز جائز نہیں ہے جیسا کہ ہماری تمام کتب فقہ و حدیث اس حقیقت سے چھلک رہی ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی منتوں سے اجتناب کرنا واجب و متحتم ہے۔

ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں دعا و استدعا کرتے وقت یا منت مانتے وقت ان ذوات مقدسہ میں سے کسی ذات گرامی صفات کا واسطہ دیا جا سکتا ہے اور اس طرح منت مانی جا سکتی ہے کہ اگر۔ خداوند عالم فلاں ہستی کے وسیلہ سے میرا فلاں کام کر دے یا میری فلاں حاجت بر آری کر دے تو میں خدا کے نام پر فلاں کام کروں گا یا فلاں چیز تقسیم کروں گا اور اس کا ثواب اس ہستی کی روح مقدس کو ہدیہ کرونگا۔

اس طرح من باب المجاز تسبیح جناب سیدہ اور نماز جناب جعفر طیار کی طرح وہ جناب سیدہ اور جناب وامام حسین علیہ السلام کی نیاز اور حضرت ابوالفضل عباس کی حاضری کہلا سکے گی اور علی الاظہر جائز بھی ہوگی ورنہ مشکل ہے واللہ العالم والعاصم۔

۲۲: عید نوروز اور اس کے بعض رسوم و قیود:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام جو کہ دین

فطرت ہے اس میں عید کا نہ صرف تصور موجود ہے بلکہ اس میں بعض عظیم الشان عیدیں بھی موجود ہیں جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ، عید غدیر اور عید مباہلہ وغیرہ ـــــ مگر اس میں بعض ایسی عیدیں بھی داخل کر دی گئی ہیں جن کا تحقیقی نقطہ نگاہ سے اسلام سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے جیسے عید نوروز جسے بڑی دھوم دھام اور بڑے طمطراق سے منایا جاتا ہے اور اس میں بعض مخصوص رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور بعض مخصوص اوراد و اعمال بجا لائے جاتے ہیں۔

بہر حال علماء اعلام اور مؤرخین اسلام نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حالات و واقعات میں یہ مستند و معتبر واقعہ درج کیا ہے کہ ایک بار منصور دوانیقی عباسی نے کسی مصلحت کے تحت آنجناب سے خواہش کی کہ آپ عید نوروز کی تقریبات میں شرکت فرمائیں۔ جس کے جواب میں امام نے معذرت خواہی کرتے ہوئے فرمایا۔

"من در اخباری کہ از جدم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا رد شدہ تفتیش کردم از برائے ایں عید چیزے نیافتم وایں عید سنتے بودہ از برائے فرس و اسلام او را محو نمودہ و پناہ می برم بخدا زانکہ احیا کنم چیزے راکہ اسلام محو کردہ باشد آں را" الخ

یعنی میں نے ان اخبار و آثار میں جو میرے جد نامدار حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ تک پہنچے ہیں جستجو کی ہے۔ مگر مجھے ان میں اس عید کے بارے میں کوئی چیز نہیں ملی البتہ (اسلام سے پہلے) اہلِ فارس اس عید کو مناتے تھے اور اسلام نے اسے مٹا دیا۔ اور میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس چیز کو زندہ کروں جسے اسلام نے محو کر دیا ہے۔" (منتہی الآمال ج ۲ ص ۱۲۹ تقطیع کلاں بحوالہ مناقب ابن شہر آشوب)

اس کے بعد مذکور ہے کہ منصور نے بتایا کہ وہ سیاست لشکری کے لیے

ایسا کرتا ہے اور پھر بڑی قسمیں دے اور حد سے زیادہ اصرار کر کے امام کو مجبور کر کے شرکت پر آمادہ کیا۔

اور آپ مجلس تہنیت میں بیٹھے اور امراء و اعیان مملکت نے حاضر ہو کر مبارک باد دی اور گراں قدر تحفے اور ہدیے پیش کیے۔ اور آخر میں ایک بوڑھے آدمی نے حاضر خدمت ہو کر امام حسین علیہ السلام کے مرثیہ کے چند اشعار پڑھے اور امام نے وہ تمام مال و منال اس کو بخش دیا۔ (ایضاً)

(۲) ملے دے کے اس سلسلہ میں معلی بن خنیس کی ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔ راویانِ اخبار میں معلّی کا جو مقام ہے؟ وہ اہل علم و اطلاع پر مخفی دستور نہیں ہے جس کی جرح و قدح سے کتب رجال بھری پڑی ہیں لہذا اس کی مرویات کو جب تک دوسری مستند حدیثوں کی تائید نہ ہو وہ ناقابلِ اعتماد متصور ہوتی ہیں کما لا یخفی علی اولی الابصار۔

(۳)۔ اسلام کے تمام احکام کا تعلق قمری تاریخوں سے ہے جبکہ اس عید کا انحصار شمسی تاریخوں پر ہے اور پھر اس میں بھی شدید اختلاف ہے کہ کہ وہ ۲۱ مارچ کو ہوتی ہے (جیسا کہ مشہور ہے) یا ۱۳ اپریل کو جیسا کہ بعض مدعیانِ علم کا اس پر اصرار ہے۔

(۴) اس تاریخ کی طرف دنیا کے جو بڑے بڑے واقعات منسوب کیے جاتے ہیں کہ وہ اس تاریخ کو وقوع پذیر ہوئے وہ روایۃً و درایۃً غلط ہیں وہ یقیناً اس تاریخ کو واقع نہیں ہوئے۔

الغرض اس عید کی کوئی کل اور کوئی پل سیدھی نہیں ہے

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔

لہذا اہل ایمان و ایقان کو صرف انہی عیدوں کے منانے پر

اکتفا کرنا چاہیئے جو مستند ارشاداتِ معصومینؑ سے ثابت ہیں اور ان نام نہاد اور غیر اسلامی عیدوں کے احیار سے احتراز کرنا چاہیئے جن کو اسلام نے محو کر دیا ہے کیونکہ ؎

ہم مسلماں ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم ۔ ملتیں جب مٹ گئیں اجزارِ ایماں ہو گئیں۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْکُمْ مَوْعِظَۃٌ مِنْ رَبِّکُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی وَرَحْمَۃٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔

خاتمۂ کتاب

للہ الحمد ہر چیز کہ خاطر میخواست ؛ آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید

اپنے خالق و مالک اور محسن و منعم حقیقی کا جتنا شکر ادا کیا جائے اتنا کم ہے کہ اس نے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے طفیل اپنے دین مبین کی یہ حقیر سی خدمت انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائی۔

جس کی تڑپ عرصۂ دراز سے دل و دماغ کو مضطرب و پریشان کیے ہوئے تھی مگر کچھ اپنی گوناگوں مصروفیات کی کثرت اور کچھ اس کٹھن منزل کی مشکلات راہ اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں سد راہ بنی ہوئی تھیں مگر قادر مطلق کی توفیق شامل حال ہوئی اور عزیمت نے راستے کے کانٹوں کو پھول بنا دیا۔

سچ ہے

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد ؛ اگر خارے بود گلدستہ گردد

اس کتاب کی تکمیل کے بعد یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے ایک بہت بڑا بوجھ کندھوں سے اتر گیا ہے۔ تشکر و امتنان کے جذبات سے گردن مالک الملک کی بارگاہ میں جھکی جا رہی ہے اور دل و دماغ ادائیگی فرض کے احساس اور روحانی مسرت و شادمانی کے کیف و سرور سے سرشار ہو رہے ہیں۔

بفضلہ تعالیٰ ہم نے اصلی اسلام اور رسمی اسلام کا باہمی فرق شریعت و بدعت کا باہمی امتیاز اللہ کے قرآن اور چہاردہ معصومینؑ کے مستند فرمان کی روشنی میں واضح و عیاں کر دیا ہے اور بلا خوف لومۃ لائم سب حقائق کو الم نشرح کر دیا ہے

لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحییٰ من حیّ عن بینۃ ؏

اہل ایمان کیلئے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصہ شہود پر آچکی ہیں۔

۱۔ **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن** کی مکمل ۱۰ جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباحات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے ہے۔

۲۔ **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لیکر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصہ شہود پر آگئی ہے

۳۔ **اعتقادات امامیہ** ترجمہ رسالہ لیلیہ سرکار علامہ مجلسیؒ جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے پہلے باب میں نہایت اختصار وایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد واصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مبدء سے لیکر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال وعبادات کا تذکرہ ہے تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے

۴۔ **اثبات الامامت** آئمہ اثناعشر کی امامت وخلافت کے اثبات پر عقلی ونقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن

۵۔ **اصول الشریعہ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے

۶۔ **تحقیقات الفریقین** کا نیا ایڈیشن جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔

۷۔ **قرآن مجید مترجم** اردو مع خلاصۃ التفسیر بہت جلد منصہ شہود پر جلوہ گر ہونے والا ہے جسکا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لئے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔

۸۔ **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ نویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔

۹۔ **[illegible]** کا نیا ایڈیشن بڑی شان وشکوہ کے ساتھ آگیا ہے۔

منجانب

منیجر مکتبۃ السبطین 296/9 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا